اُردو شاعری میں واقعۂ معراج

ڈاکٹر طاہرہ انعام

ادب ونقد کے کسی بھی شعبے میں تحقیق دقت طلب مرحلہ اور کارِ آزمائش ہے۔ تلاش و جستجو کے اس عمل میں محقق کو صبر اور حوصلے سے ہی کام نہیں لینا پڑتا، بلکہ لوازمے کی چھان پھٹک اور کھرے کھوٹے کی پہچان کے عمل میں اسے بڑے نازک مراحل سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ وہ دفینوں سے خزانے نکال کر ہی نہیں لاتا، بلکہ ان کی حقیقی قدر و قیمت کا تعین بھی کرتا ہے۔ ڈاکٹر طاہرہ انعام کا تحقیقی مقالہ ”اردو شاعری میں واقعۂ معراج“ ایک اہم کام ہے۔ ذکرِ معراج کی روایت عربی اور فارسی ہی میں نہیں اردو شاعری میں بھی شروع ہی سے ایک گراں قدر حوالہ رہی ہے۔ عالمی ادب میں بھی واقعۂ معراج کے اثرات کے تحت بعض ادبی نمونے اس حوالے سے ضرور موضوعِ تحقیق و تنقید رہے ہیں کہ ان میں تخیل کی سطح پر سماوی اسفار کا ماخذ واقعۂ معراج ہے لیکن اردو شاعری پر واقعۂ معراج کے معنوی اثرات اور اس کی استعاراتی و علامتی حیثیت پر تحقیقی کام کی ایک عرصے سے ضرورت تھی۔ اس موضوع پر ڈاکٹر طاہرہ انعام کا یہ تحقیقی مقالہ اپنی نوعیت کی پہلی کاوش ہے۔

ڈاکٹر طاہرہ انعام نے شعری تخلیقات میں واقعۂ معراج کا فکری و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ جس میں دکنی دور سے عصرِ حاضر تک کی شاعری شامل ہے۔ اس مقالے میں تحقیق، تجزیے اور تفہیم کی سطح پر مثنوی، قصیدہ، غزل، نظم اور نعت جیسی اہم اصناف کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اس مقالے کی اہمیت صرف تحقیقی جستجو پر منحصر نہیں ہے، بلکہ ڈاکٹر طاہرہ انعام کا تنقیدی شعور بھی نمایاں طور سے اس کام میں سامنے آتا ہے۔ مقالے میں پیشِ نظر رکھی گئی تخلیقات کے جائزے میں ایک فکری سطح کا احساس بھی ہوتا ہے۔ کوئی محقق اس نوع کا کام اسی وقت کر سکتا ہے جب وہ تخلیقی پہلوؤں، فکری عناصر اور تحقیقی ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ ہو۔ ڈاکٹر طاہرہ انعام نے اس مقالے میں موضوع کی ان جہات کو ذمہ داری سے ملحوظ رکھا ہے اور اپنے کام کو ان سب حوالوں سے وقیع بنایا ہے۔ یہ مقالہ اردو شاعری میں معراج کی روایت کے تخلیقی اور مطالعاتی زاویوں کو نہ صرف کامیابی سے اجاگر کرتا ہے بلکہ اس موضوع کے حوالے سے نئے پہلوؤں پر کام کی تحریک بھی دیتا ہے۔ اس اہم کام کی انجام دہی پر ڈاکٹر طاہرہ انعام کے لیے ہدیہ تبریک۔

صبیح رحمانی

ISBN: 978-969-8918-77-4

اردو شاعری میں واقعۂ معراج

ڈاکٹر طاہرہ اِنعام

نعت ریسرچ سینٹر

نعت ریسرچ سینٹر

ہمارا نصب العین! نعتیہ ادب کا فروغ

کتاب	:	اُردو شاعری میں واقعۂ معراج
مصنفہ	:	ڈاکٹر طاہرہ انعام
کتابت	:	راشد حسین (مہر گرافکس پبلشرز)
اشاعت	:	2023ء
تعداد	:	500
صفحات	:	416
قیمت	:	900

شائع کردہ

B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی۔

انعام کے نام

خلل پذیر بود ہر بِنا کہ می بینی
بجز بِنائے محبت کہ خالی از خلل است
(حافظ)

فہرست

پیش گفتار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ و علی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین

قوموں کے اجتماعی لاشعور میں موجود واقعات امتدادِ زمانہ کے ساتھ مذہبی، سماجی، سیاسی یا ثقافتی روایات میں نئی معنویت کو جنم دیتے ہیں چونکہ ادب کا خمیر مذکورہ تمام روایات سے اُٹھتا ہے، لہٰذا ادب میں بھی یہ واقعات اپنے متعلقات سمیت، اظہار کا وسیلہ بن جاتے ہیں۔ یہ معنیاتی توسیع و تقلیب کا عمل جاری رہے تو ادب کا اس مخصوص پہلو سے مطالعہ اور محاکمہ بھی ضروری ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں اُردو کی شعری روایت کا اس نہج پر جائزہ لیا گیا ہے کہ شاعری میں واقعہ ٔمعراج کی ادبی، فنّی، اخلاقی، روحانی اور مابعد الطبیعیاتی قدر و قیمت اور معنویت کو اجاگر کیا جا سکے۔ واقعہ ٔ معراج کے فکری، روحانی، سائنسی، مابعد الطبیعیاتی ابعاد و جہات بے شمار ہیں۔ واقعہ ٔ، معراج سے نہ صرف انسانی قلب و ذہن پر علوم کے نئے در وا ہوئے بلکہ انسان نے ظاہر و حقیقت، روح، زمان و مکاں، آزادی، جبر، اخلاقیات، الٰہیات اور تصوف کے عناصر پر از سرِ نو غور کیا۔ واقعہ ٔمعراج کا استعاراتی اظہار بیک وقت عالمی ادب میں اور اُردو ادب کی کلاسیکی و جدید روایت میں ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ اس عدیم المثال واقعے کے دوررَس اثرات جو بالخصوص شاعری میں تلاش کیے جا سکتے ہیں یقیناً ایک اہم تحقیقی موضوع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اُردو زبان ایک بالیدہ شعری روایت کی حامل ہے۔ دیگر شعری تلازمات کی طرح واقعہ ٔ معراج بھی تاریخی و مذہبی حوالوں سے شاعر کے تخلیقی شعور اور لاشعور کا جزو بن چکا ہے۔ لہٰذا اس کے معنیاتی، استعاراتی، علامتی انسلاکات اور امکانات کا تجزیہ ضروری ہے۔ شعری روایت کا ان پہلوؤں سے مطالعہ ضروری ہے کہ واقعہ معراج کا حوالہ کیا تخلیقی شکل اختیار کرتا رہا ہے اور ہر عہد میں عصری عوامل کس نہج سے اس کی معنوی توسیع کا باعث بنتے رہے ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں واقعہ معراج کی ظاہری و باطنی جزئیات کے اُردو شاعری پر اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ سعی کی گئی

ہے کہ واقعۂ معراج کے مضمرات جس طرح شعر و ادب میں ایک تخلیقی عنصر کی حیثیت سے شامل رہے ہیں ان کی روشنی میں واقعہ معراج کا مطالعہ شاعری میں ایک طاقتور اور موئثر اظہاریے کے طور پر کیا جائے۔

یہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں معراج کے لغوی و اصطلاحی معانی بیان کرنے کے بعد واقعۂ معراج کی دینی جہات کو مستند ماخذ یعنی قرآن، حدیث، تفاسیر، کتب سیرت اور تواریخ سے بیان کیا گیا۔ اختلافِ روایات پر استدلال سے قطع نظر کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ مقالے کا موضوع و مقصد واقعۂ معراج کی مذہبی و دینی حیثیت پر جرح و تعدیل نہیں بلکہ صرف اس امر پر توجہ مرکوز کی گئی ہے کہ شاعری میں روایت معراج کیونکر ایک فکری عنصر کے طور پر شامل رہی۔ آئندہ ابواب میں اُردو شاعری کے تفصیلی جائزے سے پیشتر اسلامی ادب سے عربی و فارسی شاعری کے کچھ نمونے پس منظر کے طور پر شامل کیے گئے ہیں۔

مقالے کا دوسرا باب قدرے طوالت کا حامل ہے۔ اس باب میں شاعری کے مختلف ادوار کے حوالے سے مثنویات، قصائد اور معراج ناموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دکنی شاعری میں مذہبی مثنویوں اور نظموں کے علاوہ دیگر عشقیہ و رزمیہ مثنویات میں بھی حمد، نعت اور منقبت کے بعد معراج کا بیان مثنوی کی روایتی ہیئت کا جزو بن چکا تھا۔ ان جزوی تخلیقات میں اور اس عہد کے مستقل معراج ناموں میں زبان و بیان کی خوبیوں سے انکار نہیں لیکن فکری اعتبار سے معراج کا بیان روایتی مضامین سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ ہندو معاشرت و ادب میں موجود دیومالائی اثرات کی جھلک، مسلم شعرا کے ہاں بھی دکھائی دیتی ہے اور اکثر موضوع روایات معراج ناموں میں موجود ہیں۔ دکنی منظومات میں اس معجزے کے بیان کا محرّک فارسی معراج ناموں کا تتبع اور عوام پسندی ہے۔ لہٰذا ان کی مقبولیت کا انحصار تحقیق و صداقت کے بجائے رواں دواں مترنم بحور اور نغمگی پر ہے۔ شمالی ہند میں اُردو کے ابتدائی مثنویات و قصائد میں عموماً نعتیہ مضامین کم ہیں لہٰذا معراج کا ذکر بھی کم ہے۔ میر و سودا کے عہد میں مثنوی اور قصیدہ کی اصناف میں نعتیہ مضامین بیشتر غلط و قبیح روایات سے مبرّا ہیں۔ یہاں بھی معراج کے تفصیلی یا اجمالی ذکر میں شاعر کو محض شانِ رسالت ﷺ کا اظہار مقصود ہے اور سیر سماوات اور جنت و دوزخ کے مشاہدے میں شعرا کا تخیّل منظر نگاری میں زور دکھاتا ہے لیکن موضوع روایات کو نقل کرنے کا رجحان کم ہے۔ آتش و ناسخ کے عہد میں جہاں شاعری تکلف اور شوقِ زباندانی سے مملو ہو چکی تھی یہاں تخیل پر مبنی مناظر میں صنائع بدائع کی کثرت اور ندرت ہے۔ بعض مقامات پر گوناگوں تفاصیل اور جزئیات نے شاعرانہ رنگ آمیزی اور مذہبی و تاریخی حقائق کو مدغم کر دیا ہے اس عہد کے معراج ناموں میں اثنا عشری عقائد کا بیان

غالب ہے۔ ذوقؔ، غالبؔ اور مومنؔ کے ہاں معراج کے بیان میں علمیت و شوکت ہے۔ امیرؔ و محسنؔ کی معراجیہ شاعری تخیل، تصوف اور تفکر کی آمیزش ہے جو ادبی، علمی، تہذیبی و تاریخی شعور کی عطا کردہ ہے۔

دورِ جدید کی شاعری میں بتدریج یہ رجحان پیدا ہوا کہ معراج کا ذکر ایک خارقِ عادت واقعہ کا راست بیان بننے کے بجائے علمی و منطقی انداز رکھتا ہے۔ اس دور کے آخر تک شعرا نے واقعۂ معراج میں انسانیت کے لیے مضمر پیغام کو شاعری میں اہمیت دی۔ اگرچہ روایتی مضامین بھی مسلسل بیان ہوتے رہے لیکن معراج کے تناظر میں انسان کے مثبت ارتقاء سے متعلق نکتہ وری ہونے لگی اور عصرِ حاضر کی شاعری میں واقعۂ معراج کو قدرتِ الٰہی کا مظہر، عظمتِ آدم کا نقیب اور تسخیرِ کائنات کا پیامی قرار دیا گیا۔ قدیم معراج ناموں کے برعکس عصرِ حاضر میں معراجیہ شاعری فرازِ عبدیت کی شاہد ہے اور نظامِ کُن میں آدمیت کا مرتبہ واضح کر رہی ہے۔ مضامین معراج کو بلیغ رمزیت اور جامعیت کے ساتھ جدید اصنافِ سخن میں ڈھالا گیا ہے۔

تیسرے باب میں واقعۂ معراج کو بطور شعری استعارہ موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ یعنی ایسا شعری اظہاریہ جو بقول پروفیسر گوپی چند نارنگ، استعاراتی تفاعل کی مختلف تخلیقی شانوں اور شکلوں پر حاوی ہو۔ واقعۂ معراج کے استعاراتی اظہار کا غزل اور نظم کے حوالے سے تجزیہ کیا گیا ہے۔ غزل کے علائم و رموز نے علاقے، تہذیب، عقائد، معاشرت اور تاریخ، سبھی سے اکتساب کیا ہے۔ ہر عہد میں معراج سے منسلک پیرایۂ اظہار غزل میں دکھائی دیتے ہیں۔ لامکاں کی طلب، آسماں تک رسائی۔ سات افلاک سے گزرنا، قدسیانِ عرش، حدِّ بشر، سیر عالم بالا، مقامِ سدرہ، طائرِ سدرہ، پروازِ جبرئیلؑ، پر جلنا، حجاب اُٹھنا، پردہ ہٹنا، وغیرہ یہ تلمیحی تلازمات معراج سے جُڑے ہوئے ہیں۔ شعرا نے تصوراتِ عشق اور وسعتِ امکاناتِ آدم کو بیان کرنے میں بے ساختہ وہ استعاراتی پیرایہ اپنایا ہے کہ اس واقعے کا ہمارے اجتماعی اور تخلیقی لاشعور میں موجود ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں رہتا۔ غزل میں واقعۂ معراج کو عشق کی عظیم ترین مثال اور انتہائی ممکن عروج کی علامت کے طور پر برتا گیا ہے۔ متصوفانہ غزل گوؤں نے قُربِ حقیقت کے امکانات کو انھی اشاروں میں بیان کیا۔ عقل و عشق کی حیثیات اور زمان و مکاں کے پیمانوں پر واقعۂ معراج کے توسط سے اظہارِ خیال کیا گیا۔

غزل کے علاوہ جدید نظم بھی فکری تلازمات کا سلسلہ تاریخِ کائنات سے جوڑے ہوئے ہے۔ جدید نظم گو شاعر کا تخلیقی شعور مذہب و اساطیر سے بھی کسبِ خیال کرتا ہے۔ واقعۂ معراج میں مضمر عظمتِ بشر اور تسخیرِ کائنات کے تصورات جدید نظم میں کار فرما نظر آتے ہیں۔ جنہیں

نظم گو شعرانے اسالیب کی ندرت سے بیان کیا ہے۔ واقعۂ معراج فکرِ اقبال کے لیے ایک قوت بخش سامان ہے۔ وہ اس کے مضمرات سے بنی نوع انسان کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ عشقِ رسول ﷺ وہ زبردست باطنی قوت ہے جو فکرِ اقبال کو عرفانِ نفس اور عرفانِ حقیقتِ مطلق تک کا تخلیقی شعور فراہم کرتی ہے اور معراج کا لازوال معجزہ بالخصوص اقبال کے تمام فکری عناصر میں پرتوفگن ہے۔ لہٰذا تیسرے باب کی آخری فصل کو واقعۂ معراج کے حوالے سے مطالعۂ اقبال کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔

چوتھے باب میں جدید اردو نعت میں بیانِ معراج کا جائزہ لیا گیا ہے۔ واقعۂ معراج کے حوالے سے نعت گو شعرانے حضور پاک ﷺ کی جداگانہ شانِ رسالت کو اسالیب کی انفرادی شان سے بیان کیا ہے۔ اس ماورائے ادراک مقام و مرتبے میں کوئی آپ ﷺ کا مثیل نہیں۔ جدید نعت سیرتِ پاک کے ان گوشوں سے نئے تاریخی و عمرانی معیارات متعین کر رہی ہے۔ جدید نعت نے انسان شناسی کا منصب اپنایا ہے۔ عروجِ آدم یا عظمتِ انسان کا تصور معراج کے حوالے سے اجاگر کیا ہے۔ جملہ کمالاتِ بشریت کے امکانات کو معراج کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ جدید نعت میں واقعۂ معراج کے تناظر میں سائنسی افکار و نظریات کا بیان بھی ایک فکری وسعت ہے۔ جدید نعت مادے کی تسخیر کو رسالت سے شناسائی کا زینہ سمجھتی ہے۔ انسانیت کو ارتقا اور تسخیر کا خواب دکھانا معراج النبی ﷺ کے ثمرات میں سے ہے۔ زماں و مکاں سے متعلق سائنسی نظریات بھی اسی حوالے سے جدید نعت میں سرایت کر رہے ہیں۔ جدید نعت کا معراج النبی ﷺ کے حوالے سے یہ مختصر اور محدود تحقیقی جائزہ ہے۔ درحقیقت متذکرہ بالا زاویوں سے جدید نعت میں معراج النبی ﷺ کا مطالعہ ایک الگ تحقیقی مقالے کا متقاضی ہے۔

آخری باب میں معراجیہ شاعری کا مجموعی جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالے میں پیش کیے گئے تجزیات کی روشنی میں نتائج اور امکانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس باب میں واقعہ معراج کے حوالے سے اُردو شاعری میں تاریخی و سائنسی شعور اور مابعد الطبیعیاتی عناصر سے متعلق جو تجزیہ کیا گیا اس کی نوعیت ماحصل کی نہیں بلکہ اسے بحث کا نکتۂ آغاز سمجھا جائے۔ دنیائے آب و گِل سے ماورا جہان کو جاننے کے لیے انسان تاریخ، سائنس اور مابعد الطبیعیات سے جو شعور حاصل کر رہا ہے، بلاشبہ اس ضمن میں واقعۂ معراج نے انسانی فکر و ذہن کو جِلا بخشی ہے۔ معراج کے حوالے سے تاریخ، سائنس اور مابعد الطبیعیات کے عناصر کو شعر و ادب کے معنیاتی نظام میں دریافت کرنا مطالعاتِ نو کی بنیاد اور تازہ فکری جہات کے فروغ کا باعث ہو گا۔

استاذی الکریم ڈاکٹر زمرّد کوثر کے زیرِ نگرانی اس مقالے کی تکمیل کا عمل میرے لیے یوں اعزاز، انبساط اور وجدانی مسرّت کا باعث ہوا ہے کہ میں اسے اپنی ہی تکمیلِ ذات کا عمل کہوں تو بھی یہ عجز اظہار ہو گا۔ گزشتہ ۲۲ برسوں میں یہ رفاقت میری دمساز رہی ہے، جس کی تاثیر صبحِ صادق کے نُور اور شبنم کی ٹھنڈک سے مرکب ہے۔ تہذیب و تقدیس کا یہ پیکر، جسے میں اپنے ہونے کا استعارہ کہوں۔۔۔ کتاب کی اشاعت کے وقت ہم میں موجود نہیں۔ خدا انہیں غریقِ رحمت کرے۔

ابر رحمت دامن از گلزار من برچید و رفت
اند کے بر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت

محترم اساتذہ کرام ڈاکٹر طاہرہ اقبال، ڈاکٹر شاہدہ یوسف اور ڈاکٹر بشریٰ علم الدین کی سپاس گزار ہوں آپ کی مخلصانہ رہنمائی اور حوصلہ افزائی نے ہر گام پر مہمیز کیا ہے۔

جن صاحبانِ علم کی اعانت میری راہ میں روشنی بنتی رہی میں اُن کی وسیع القلبی کا اعتراف کرتے ہوئے تہِ دل سے دعا گو ہوں محترم ڈاکٹر ریاض مجید، محترم سیّد صبیح الدین صبیحؔ رحمانی، محترم محمد صہیب ثاقب اور محترمہ شمائلہ صدفؔ نے مصادر کی نشان دہی اور فراہمی کے سلسلے میں مجھے اپنی نوازشات سے بہرہ مند کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

میرے والدین کی دُعائیں اثاثۂ قلب و جاں ہیں، جن کے صدقے قدرت نے ہمیشہ کامران رکھا ہے۔ رفیق حیات محمد انعام شہزاد کی معاونت اور دلجوئی کے لیے میرے دل میں خصوصی احساساتِ تشکر ہیں جو وارستۂ الفاظ ہیں۔ اِس کے علاوہ تمام اہلِ خانہ اور احباب اس تحقیقی سفر میں کسی نہ کسی طور میرے محسن رہے ہیں خداوند کریم ان سب کو دونوں جہانوں میں سرخرو فرمائے۔ آمین۔

طاہرہ انعام

بابِ اوّل

واقعۂ معراج کی دینی جہات

فصل اوّل: لغوی واصطلاحی معانی
فصل دوم: واقعۂ معراج کے ماخذ
i۔ قرآن مجید
ii۔ احادیث
iii۔ تفاسیر
iv۔ کتبِ سیرت
v۔ تواریخ
فصل سوم: مراحلِ معراج النبی ﷺ
فصل چہارم: اسلامی ادب میں واقعۂ معراج

فصل اوّل:

معراج: لغوی و اصطلاحی معانی

معراج عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ "عَرَجَ" ہے۔ قرآن پاک میں یہ کئی مقامات پر چڑھنا، سیڑھی، بلندی، اونچائی اور رفعت کے معنوں میں آیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَاباً مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ﴾ (الحجر:۱۴)

(اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان سے اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں۔)

﴿يُدَبِّرُ الأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ﴾ (السجدہ:۵)

(تدبیر سے اُتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے وہ کام اس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں۔)

﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ﴾ (السبا:۲)

(جانتا ہے جو کچھ اندر گھستا ہے زمین کے اور جو کچھ نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں اور وہی رحم والا بخشنے والا ہے۔)

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (الحدید:۴)

(وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں، پھر قائم ہوا تخت پر، جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ اترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے۔)

﴿وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفاً مِّن فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ﴾ (الزخرف:۳۳)

(اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ہو جائیں ایک دین پر تو ہم دیتے ان لوگوں کو جو منکر ہیں رحمٰن سے ان کے گھروں کے واسطے چھت چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں۔)

﴿مِنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ (المعارج:۳-۴)

(آئے اللہ کی طرف سے جو چڑھتے درجوں والا ہے چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن میں جس کی طوالت پچاس ہزار برس ہے۔)

لسان العرب میں "عرج" کے معنی:

"درجہ، اوپر چڑھنے کا آلہ، ارتقا، عروج، رفعت و بلندی--- یعرج (مضارع) عروجاً (مصدر)---اسی لیے لیلۃ المعراج ہے۔ اس کی جمع معارج اور معاریج ہے جیسے مفتاح کی جمع مفاتح اور مفاتیح آتی ہے۔ کہا جاتا ہے جہاں سے بنی آدم کے اعمال اوپر چڑھتے ہیں اسے بھی معراج کہتے ہیں۔ اخفش کہتا ہے اس کا واحد مِعرج اور مَعرج دونوں طرح درست ہے۔"(۱)

سیّد محمد مرتضیٰ الحسینی نے بھی یہی لکھا ہے:

"معراج سیڑھی کو کہتے ہیں، اسی سے لیلۃ المعراج ہے۔ اس کی جمع معارج اور معاریج آتی ہے، بروزنِ مفاتح اور مفاتیح۔"(۲)

محمد بن یعقوب الفیروز آبادی نے بھی المعرج اور المعراج کے معنی "سیڑھی" اور "چڑھنے کی جگہ" درج کیے ہیں۔(۳) عربی - اُردو لغات میں بھی معراج کے معنی "سیڑھی"، "چڑھنے کی جگہ" کے ہیں۔(۴-۷)

اُردو لغات میں معراج کے معنی ہیں سیڑھی، زینہ، نردبان، اوج، عروج، اعلیٰ درجہ، بلند رتبہ یا سیر عالم ملکوت و جبروت۔(۸-۱۳)

انگریزی میں اس کے لیے اصطلاح (ACNE) ہے جس کے معنی یوں درج کیے گئے ہیں:

"نصف النہار، اوج، سمت الراس، کمال، بحران"(۱۴)

"بلند ترین مقام، چوٹی، منتہا، حاصل شدہ اوج، پختگی یا کمال، مرض کی شدید ترین صورت یا بحران، حدِ کمال، عروج، انتہا، اوجِ کمال۔"(۱۵)

اصطلاحاً اس سے مراد وہ واقعہ ہے جو "اسراءؔ" اور "معراج" کے نام سے مشہور ہے۔ اکثر روایات کی رُو سے یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا۔

"شرح العقیدہ الطحاویہ" میں ابو العز دمشقی لکھتے ہیں:

"معراج، عروج سے ہے، یعنی اوپر چڑھنے کا آلہ، جو بمنزلہ سیڑھی کے ہے یہ تو لغوی اعتبار سے ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ سفر مختلف ہے، کوئی اس کی کیفیت نہیں جانتا اور اس کا حکم دیگر ایمانیات بالغیب کی طرح ہے جن کو ہم بغیر

کیفیت جانتے، مانتے ہیں اور معراج کا وہ معنی جو احادیث میں مذکور ہے اور جس پہلو سے علماء معراج کے متعلق گفتگو کرتے ہیں وہ شرعی پہلو ہے، یعنی اسراء کے بعد آسمانوں کی طرف چڑھنا حتیٰ کہ ایسے مقام تک پہنچنا جہاں مخلوق کے علوم کی انتہا ہو جاتی ہے اور کوئی اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا۔"(۱۶)

اصطلاحی معنوں میں معراج سے مراد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بہ سواری برّاق عالمِ ملکوت کی سیر فرمانا، تجلیاتِ الٰہی کا نظارہ کرنا اور اسرارِ ربّانی کے انکشاف سے عروج پانے کا وقت ہے۔ بَشری مخلوق میں یہ اختصاص صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے ہے مگر تصوف میں یہ اصطلاح روحانی ترقی سے تعبیر کی جاتی ہے جس کے تحت روحِ انسانی، جسم کیفیت سے تعلق کے وقت، فلکی وارضی اجسام کے پردے سے رہائی پا کر عالمِ ملکوت و جبروت سے گزرتی ہوئی، عالمِ لاہوت میں جا پہنچتی ہے جو کیفیاتِ کثیفہ و لطیفہ کے قیود و حدود سے پاک و منزّہ اور مقام فنا فی اللہ ہے۔ لہٰذا واقعہ معراج پر وہی شخص غور و فکر کر سکتا ہے جو مقام ولایت کی استعداد رکھتا ہو، مرشدِ کامل کی مکمل صحبت اختیار کر چکا ہو، مجاہدہ وریاضت کرنے والا ہو۔(۱۷)

فصل دوم:

واقعۂ معراج کے ماخذ

(۱) قرآنِ مجید:

قرآنِ مجید میں واقعۂ معراج کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ نجم میں ملتا ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾[1]

(پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے وہی ہے سننے والا، دیکھنے والا۔)

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى ٥ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى ٥ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى ٥ إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحَى ٥ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ٥ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى ٥ وَهُوَ بِالأُفُقِ الأَعْلَى ٥ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ٥ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ٥ فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى ٥ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ٥ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى ٥ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ٥ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ٥ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى ٥ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ٥ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ٥ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ٥﴾ (النجم ۱-۱۸)

(قسم ہے تارے کی جب وہ گرے۔ بہکا نہیں تمھارا رفیق اور نہ ہے بے راہ چلا اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے۔ یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔ اس کو سکھلایا ہے سخت قوتوں والے نے۔ زور آور نے، پھر سیدھا بیٹھا۔ اور وہ تھا اونچے کنارے پر آسمان کے۔ پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا۔ پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک۔ پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر جو بھیجا۔ جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا۔ اب کیا تم اُس سے جھگڑتے ہو اُس پر جو اُس نے دیکھا۔ اور اس کو اس نے دیکھا ہے اُترتے ایک بار اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی۔ جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا۔ بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی۔ بے شک دیکھے اس نے اپنے رب کے بڑے نمونے۔)

(۲) احادیث:

کتبِ احادیث میں اس کی تفصیلات بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں جن کی تعداد تقریباً پچیس تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے مفصل ترین روایات حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کے بعض اجزا بیان کیے ہیں۔ ذیل میں "صحیح بخاری" میں مرقوم احادیث پر بنیاد رکھی گئی ہے جبکہ "صحیح مسلم" کے اضافوں کو حواشی میں درج کیا گیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ میں تھا میرے گھر کی چھت کھولی گئی، جبرئیل علیہم السلام نازل ہوئے میرا سینہ چاک کیا اور زمزم کے پانی سے دھویا پھر سونے کا طشت لائے جو ایمان و حکمت سے بھرا ہوا تھا وہ میرے سینے میں ڈال دیا، پھر سینہ جوڑ دیا۔[۱] پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف لے گئے۔[۲]

جب میں آسمانِ دنیا پر پہنچا تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کھول! اس نے کہا کون ہے؟ جواب ملا "جبرئیل" اس نے پوچھا کیا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو ہم پہلے آسمانِ دنیا کے اوپر چڑھے ایک شخص وہاں بیٹھا ہے۔ اس کے دائیں طرف بھی لوگوں کے جُھنڈ تھے اور بائیں طرف بھی۔ جب وہ دائیں طرف کے لوگوں کو دیکھتے تو خوش ہوتے اور ہنستے۔ جب وہ بائیں جانب کے لوگوں پر نظر ڈالتے تو رنجیدہ ہو کر روتے۔ اس نے (آدم علیہ السلام نے) مجھے دیکھ کر کہا نیک نبی! نیک بیٹے! خوش آمدید!

۱۔ حضرت انس بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کے ایک آدمی سے سنا کہ اس نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں بیت اللہ میں سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں تھا تو میں نے کہنے والے کو سنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ ہم دونوں آدمیوں میں تیسرے ہیں پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا اس میں زمزم کا پانی تھا میرا سینہ کھولا گیا۔ (صحیح مسلم)[۱۸]

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے براق لایا گیا۔ براق ایک سفید لمبا، گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا جانور ہے۔ منتہائے نگاہ تک پاؤں رکھتا ہے میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا اور اسے اس حلقہ سے باندھا جس سے دوسرے انبیاء اپنے جانور باندھا کرتے تھے پھر مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے اس میں دو رکعتیں پڑھیں پھر میں نکلا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام دو برتن لائے ایک برتن میں شراب اور دوسرے برتن میں دودھ تھا میں نے دودھ کو پسند کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے آپ نے فطرت کو پسند کیا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ہمارے ساتھ آسمان کی طرف چڑھے۔ (صحیح مسلم)[۱۹]

میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ انھوں نے کہا آدم علیہ السلام ہیں جو اُن کے دائیں بائیں لوگ ہیں وہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں جو دائیں طرف ہیں وہ جنتی ہیں جو بائیں طرف ہیں وہ دوزخی ہیں۔ جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ حتیٰ کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر دوسرے آسمان پر چڑھے اور اس کے داروغہ سے کہا کھول! اس آسمان کے خازن نے بھی وہی کہا جو پہلے آسمان کے نگہبان نے کہا تھا۔ آخر دروازہ کھول دیا گیا۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں اس کے بعد ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آسمانوں میں آدم علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام پیغمبروں کو دیکھا مگر ہر ایک کاٹھکانا بیان نہیں کیا (کہ کون کس آسمان پر ہے)۔ صرف اتنا بیان کیا کہ آدم علیہ السلام آسمانِ دنیا پر ملے اور ابراہیم چھٹے آسمان پر۔ [۳]

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جب جبرئیل علیہ السلام نبی علیہ السلام کو لے کر ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو اس نے کہا مرحبا نبی صالح، اخ صالح، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا یہ کون ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا ادریس علیہ السلام۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انھوں نے یہی کہا مرحبا! نبی صالح اخ صالح، میں نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں پھر میں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو اس نے بھی کہا مرحبا نبی صالح اخ صالح، میں نے کہا یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انھوں نے کہا مرحبا نبی صالح! ابن صالح۔۔۔ میں نے کہا یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ [۴]

ابنِ شہاب کہتے ہیں مجھے ابنِ حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

۳۔ دوسری روایات کے مطابق پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تیسرے آسمان پر، حضرت یوسف علیہ السلام سے اور چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے اور پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ (صحیح مسلم جلد اوّل، کتاب الایمان حدیث نمبر ۴۱۱ اور ۵۱۴ میں یہ روایات درج ہیں۔)

۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو بیت المعمور کی طرف پشت کیے اور ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا اور بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور انھیں دوبارہ آنے کا موقع نہیں ملتا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے۔ اس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح بڑے بڑے تھے اور اس کے پھل بیر جیسے اور بڑے گھڑے کے برابر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب اس درخت کو اللہ کے حکم سے ڈھانکا گیا تو اس کا حال ایسا پوشیدہ ہو گیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کر سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی دن رات میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔

عنہ اور ابو حبہ انصاری کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا پھر جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر اوپر چڑھے یہاں تک کہ میں بلند ہموار مقام پر پہنچا۔ وہاں میں نے قلمیں چلائے جانے کی آوازیں سنیں۔ ابنِ حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں (ہر دن میں) حتیٰ کہ میں یہ حکم لے کر واپس ہوا۔ جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انھوں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض کیں۔ انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے پاس پھر جایئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔[۵] میں اللہ تعالیٰ کی طرف واپس ہوا اور عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے کچھ نمازیں معاف کر دیں۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ کچھ نمازیں معاف کر دیں۔[۶] انھوں نے کہا اپنے مالک کے پاس جایئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت اتنی طاقت نہیں رکھتی میں واپس دربارِ الٰہی میں پہنچا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کچھ معاف کر دیں۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انھوں نے کہا اپنے مالک کے پاس لوٹ جایئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت اتنی طاقت نہیں رکھتی (ایسا کئی بار ہوا) آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا پانچ نمازیں فرض ہیں جو حقیقت میں پچاس کے برابر ہیں۔ میرے پاس بات تبدیل نہیں ہوتی۔[۷] میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا انھوں نے حسبِ معمول پھر کہا رب کے پاس جایئے لیکن میں نے آخر کہا مجھے اپنے مالک سے (عرض کرنے میں) شرم آتی ہے۔ پھر مجھے جبرئیل علیہ السلام لے کر چلے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک مجھے پہنچا دیا اور مختلف قسم کے رنگوں نے اس کو (سدرۃ المنتہیٰ) کو ڈھانپ رکھا تھا۔ مجھے معلوم نہیں وہ کیا تھے (یعنی وہ رنگِ نورِ الٰہی تھے یا کوئی اور چیز) پھر مجھے جنت میں لے گئے وہاں میں نے کیا دیکھا موتیوں کے ہار ہیں اور وہاں کی مٹی مشک ہے۔[۲۴]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لقد رایٰ من آیات الکبریٰ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک سبز فرش دیکھا جس نے آسمان کا

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیونکہ میں بنی اسرائیل پر اس کا تجربہ کر چکا ہوں اور آزما چکا ہوں۔

۶۔ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں اور ہر نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہے۔ پس اس طرح پچاس نمازیں ہو گئیں اور جو آدمی کسی نیک کام کا ارادہ کر لے مگر اس پر عمل نہ کر سکے تو میں اسے ایک نیکی کا ثواب عطا کروں گا اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو میں اسے دس نیکیوں کا ثواب عطا کروں گا اور جو آدمی کسی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس کا ارتکاب نہ کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں یہ برائی نہیں لکھی جاتی اور اگر برائی اس سے سرزد ہو جائے تو میں اس کے نامۂ اعمال میں ایک برائی لکھوں گا۔[۲۳]

کنارہ ڈھانپ لیا تھا[۸] جس پر جبرئیل علیہ السلام بیٹھے تھے۔ بعضوں نے کہا رفرف سے پردہ مراد ہے بعضوں نے کہا کپڑے کا جوڑا یعنی جبرئیل علیہ السلام سبز لباس پہنے ہوئے تھے۔ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ شبِ معراج میں رفرف لٹک آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس پر بیٹھ گئے پھر وہ رفرف اٹھ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پروردگار کے نزدیک ہوگئے۔ ثم دنیٰ فتدلیٰ سے یہی مراد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں اس مقام پر جبرئیل علیہ السلام مجھ سے الگ ہوگئے اور آوازیں موقوف ہو گئیں اور میں نے اپنے پروردگار کا کلام سنا یہ قرطبی نے نقل کیا ہے۔(۲۵)

حضرت مسروق بیان کرتے ہیں(۲۷) میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (شبِ معراج) میں اپنے پروردگار کو دیکھا تھا؟ انھوں نے کہا، تیری اس بات سے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تین باتیں جو کوئی ان کا ہونا بیان کرے وہ جھوٹا ہے، تو ان تین باتوں پر توجہ کیوں کرتا ہے؟ جو کوئی تجھ سے یہ کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (شبِ معراج) میں اپنے پروردگار کو دیکھا اس نے جھوٹ بولا۔ یہ تو سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی (اصلی) صورت میں دوبار دیکھا۔[۹-۱۰]

۸۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سیر کرائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا جو کہ چھٹے آسمان میں واقع ہے۔ زمین سے اوپر چڑھنے والی چیز اور اوپر سے نیچے آنے والی چیز یہاں آکر رُک جاتی ہے، پھر اسے لے جایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ کہ ڈھانک لیتی ہے وہ چیزیں کہ ڈھانک لیتی ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یعنی سونے کے پتنگے۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تین چیزیں عطا کی گئیں (۱) پانچ نمازیں (۲) سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں (۳) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت میں ہر ایک ایسے آدمی کو بخش دیا گیا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۔(۲۶)

۹۔ مسروق کہتے ہیں میں (اُم المؤمنین) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ انھوں نے فرمایا اے ابو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ ان کی کنیت ہے) تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی ان کا قائل ہو جائے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے عرض کیا وہ تین باتیں کون سی ہیں ایک تو یہ جس نے خیال کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں تکیہ لگائے بیٹھا تھا تو اٹھ کر بیٹھ گیا میں نے عرض کیا اے اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! مجھے بات کرنے دیں اور جلدی نہ کریں۔ کیا اللہ نے نہیں فرمایا ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگیں کہ اس امت میں سب سے پہلے میں نے ان آیاتِ کریمہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ان آیتوں سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے انھیں ان کی اصل صورت میں نہیں دیکھا سوائے دو مرتبہ جس کا ان آیتوں میں ذکر ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ آسمان سے اُتر رہے تھے اور ان کے تن و توش کی بڑائی نے آسمان سے زمین تک کو گھیر رکھا ہے۔(۲۸)

۱۰۔ حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے (ثم دنیٰ فتدلیٰo فکان قاب قوسین او ادنیٰ oواوحی الی عبدہ ما اوحیٰo) پھر نزدیک ہوئے جبرئیل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب ہوگئے اور دو کمانوں یا اس کے بھی قریب کا فاصلہ رہ گیا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے بندے کی

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے [۳۰] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دیکھا ان کے چھ سو پَر تھے۔ [۱۱-۱۲]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس شب بیت المقدس تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے دو پیالے پیش کیے گئے ایک شراب کا، ایک دودھ کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دونوں کو دیکھ کر دودھ کا پیالہ لے لیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اس خدا کے لیے حمد ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فطرت کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت گمراہ ہو جاتی۔ [۳۳]

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے جب کفارِ قریش نے میری تکذیب کی تو میں حجر (یعنی حطیم) میں کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے (اپنی قدرت سے) بیت المقدس میرے سامنے کر دیا۔ میں کفار کو وہاں کی نشانیاں بتانے لگا میں اس وقت بیت المقدس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ [۳۴][۱۳]

(۳) تفاسیر:

مفسرین کرام نے سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور سورۃ النجم کی پہلی اٹھارہ آیات کی تفاسیر میں مختلف روایات کی روشنی میں واقعۂ معراج پر روشنی ڈالی ہے۔

طرف وحی کی جو بھی کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس مردوں کی صورت میں آتے تھے اور اس مرتبہ اپنی اصل صورت میں آئے ہیں جس سے آسمان کا کنارہ بھر گیا۔ (۲۹)

۱۱۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ [۳۱]

۱۲۔ حضرت عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم کس بات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھ رہے ہو۔ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا ہے کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک نور دیکھا ہے۔ [۳۲]

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا اور قریش مجھ سے میرے معراج پر جانے کے بارے میں سوال کر رہے تھے تو قریش نے مجھ سے بیت المقدس کی چند ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھا جن کو میں محفوظ نہ رکھ سکا۔ مجھے اس کا اتنا زیادہ افسوس ہوا کہ اتنا اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو درمیان پردے اٹھا کر میرے سامنے کر دیا۔ میں نے اسے دیکھ کر جس کے بارے میں سوال کرتے وہ انھیں بتلا دیتا اور میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہ السلام کی ایک جماعت میں دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا گویا وہ گھٹے ہوئے جسم اور گھونگھریالے بالوں والے آدمی ہیں۔ گویا کہ وہ قبیلہ شنوٗ کے ایک آدمی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا تو لوگوں میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ تمہارے صاحب (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں۔ اس کے بعد نماز کا وقت آیا تو میں امام بنا پھر میرے نماز سے فارغ ہونے پر ایک کہنے والے نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کہ یہ مالک داروغۂ جہنم ہے۔ اس پر سلام کیجیے میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو پہلے اس نے مجھے سلام کیا۔ [۳۵]

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "انوار التنزیل واسرار التاویل" میں سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کے حوالے سے لکھا ہے(۳۶) کہ سبحان اسم ہے بمعنی تسبیح اور تنزیہہ اسریٰ بمعنی سریٰ ہے اور لیل ظرف ہے جس کا نکرہ ہونا اسریٰ کی مدت کی قلت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اسی لیے پڑھا جاتا ہے "من الیل" یعنی رات کا کچھ حصہ۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہے و من الیل فتہجد بہ من المسجد الحرام (اس کی وضاحت میں بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسجدِ الحرام سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روانگی اور رات ہی میں واپسی کی روایات کو دہرایا ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدیق کا لقب پانے کی روایت بھی لکھی ہے)

مزید لکھتے ہیں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ معراج بیداری میں تھا یا نیند میں اور جسم کے ساتھ تھا یا روح کے ساتھ۔ جمہور کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جسدِ اطہر کے ساتھ بیت المقدس تک گئے پھر وہاں سے آسمانوں کی طرف عروج فرمایا حتیٰ کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔ الی المسجد الاقصیٰ: یعنی بیت المقدس کیونکہ اس وقت بیت المقدس میں موجودہ مسجد نہ تھی۔ الذی بارکنا حولہ: یعنی دین و دنیا کی برکات کیونکہ بیت المقدس وحی کا مہبط اور موسیٰ علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء کرام علیہ السلام کی عبادت گاہ ہے اور نہروں اور درختوں سے معمور علاقہ ہے۔ لنریہ من اٰیتنا: یعنی رات کے کچھ حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک مہینے جتنی مسافت طے کرنا اور بیت المقدس کا مشاہدہ اور انبیائے کرام علیہ السلام کا صورتِ مثلی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے آنا اور مختلف مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رکنا اور غیب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کلام۔ انہ ھو السمیع: یعنی اقوالِ محمد کو سننے والا، البصیر: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعمال کو دیکھنے والا ہے تاکہ ان کی تکریم فرمائے اور انھیں اپنے قرب سے نوازے۔

سورۃ النجم کی تفسیر میں علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں(۳۷) کہ ستارے کی جنس کی یا ثریا کی قسم کھائی گئی ہے کہ جب وہ غروب ہو یا جب وہ قیامت کے دن ٹوٹ جائے گا یا بکھر جائے گا یا طلوع ہوگا یا ستارے سے مراد قرآن ہے۔ جب اس کی سورتیں نازل ہوں یا نباتات کی جب وہ زمین پر گریں یا جب وہ نشو و نما پا کر اونچے ہوں اور قریش سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹے، انھوں نے کوئی باطل عقیدہ نہیں رکھا۔ اس سے ان تمام چیزوں کی نفی مراد ہے جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان خواہش سے نہیں بولتی، وہ وحی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف کی جاتی ہے۔ اس سے وہ لوگ دلیل پکڑتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

لیے اجتہاد کو جائز نہیں سمجھتے۔ علمہٗ شدید القویٰ سے مراد ہے کہ وہ فرشتہ جبرئیل علیہ السلام مضبوط اعضاء والا ہے۔

بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جبرئیل علیہ السلام کی طاقت کے بیان میں یہ روایت لکھی ہے کہ وہ اتنا طاقتور ہے کہ اس نے قومِ لوط کی بستیوں کو زمین سے اکھیڑا اور انھیں آسمان کی طرف بلند کیا اور پھر ان کو پلٹ کر دے مارا اور اس نے قومِ ثمود پر ایک چیخ ماری تو وہ سب کے سب اوندھے منہ ہلاک ہوگئے۔ ذو مرۃ: یعنی وہ جبرئیل علیہ السلام عقل اور رائے میں مستحکم ہے۔ اس فرشتے نے اپنی حقیقی صورت پر استوا فرمایا جس میں اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ نبیوں میں سے کسی نے بھی جبرئیل علیہ السلام کو اس کی حقیقی صورت میں نہیں دیکھا سوائے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو دو بار اس کی اصل شکل میں دیکھا ایک بار زمین پر اور ایک بار آسمان پر۔ وھو بالافق اعلیٰ: افق سے مراد آسمان کا افق ہے اور یہ ضمیر جبرئیل علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ ثم دنیٰ: پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قریب ہوئے، فتدلیٰ: جبرئیل افق سے معلق ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب ہوئے اور محسوس ہوتا ہے کہ اپنی جگہ کو چھوڑے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لے کر اوپر چڑھے اور یہ سب اس فرشتے کی قوت کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ تدلیٰ، معلق ہونے کے معنوں میں آتا ہے، قاب قوسین سے دونوں کا فاصلہ مراد ہے اور اَو اَدنیٰ سے مراد یہ ہے کہ تم انسانوں کے اندازے کے مطابق۔ فاوحیٰ: یعنی جبرئیل علیہ السلام نے وحی کی الیٰ عبدہٖ سے عبد اللہ یعنی اللہ کا بندہ مراد ہے اور ضمیر کا غائب ہونا اس چیز کی دلیل ہے کہ ہٖ کی ضمیر کا مرجع معلوم ہے۔ ما وحیٰ یعنی جبرئیل علیہ السلام نے وحی کی۔

بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ساری ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں اور اگر یہ اللہ کی طرف راجع ہوں تو شدید القویٰ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قوت والا ہے اور قریب ہونے سے مراد رفعتِ مکانی ہے اور اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے میں جذب کرنا مراد ہے۔

ماکذب الفواد مارایٰ: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی صورت کو یا اللہ تعالیٰ کو اپنی بصارت سے نہیں دیکھا یا یہ کہ دل نے جو بیان کیا آنکھ نے اس کو جھٹلایا نہیں کیونکہ امورِ قدسیہ کا ادراک پہلے دل کرتا ہے اور پھر وہ بصارت کی طرف منتقل ہوتے ہیں یا یہ کہ دل نے اس جلوے کو دیکھ کر یہ نہیں کہا کہ میں نے نہیں پہچانا کیونکہ اگر یہ کہتے تو جھوٹ ہوتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دل بھی اسی طریقے سے معرفت رکھتا تھا جیسے آپ صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھیں بصارت رکھتی تھیں۔ افتومرون مالایریٰ: یعنی کیا تم معراج کے معاملے میں ان سے جھگڑا کرتے ہو؟ ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ: یعنی دوسری بار یہ انزول سے فعلۃً کے وزن پر ہے اور یہ المرّٰی کا قائم مقام ہے اور اس کا منسوب ہونا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دوسری بار کا یہ دیکھنا نزول، قرب اور کلام کے ساتھ تھا۔ عند سدرۃ المنتہٰی: یہ وہ جگہ ہے جہاں مخلوق کے اعمال اور ان کا علم پہنچتا ہے یا وہ جگہ جہاں اوپر سے احکام سدرہ تک آتے ہیں اور نیچے سے اعمال اوپر چڑھ کر بھی سدرۃ تک جاتے ہیں اور اس کو تشبیہ سدرہ کیا گیا ہے۔ یہ بیری کا درخت ہے اور ایک مرفوع روایت میں ہے کہ یہ ساتویں آسمان پر واقع ہے۔ عندہ جنت الماویٰ: یعنی وہ جنت جہاں متقین اور شہداء کی روحوں کا ٹھکانا ہے۔ اذ یغشیٰ سدرۃ ما یغشیٰ: یہ تعظیم اور سدرہ پر جو انوار چھا رہے ہیں ان کی کثرت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ ماذاغ البصر: یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھ اس جلوے کو دیکھ رہی تھی۔ اس سے کسی اور چیز کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ وماطغیٰ: اور نہ ہی اس آنکھ نے تجاوز کیا بلکہ وہ اسی جگہ پر ثابت رہی اور جن عجائبات کو دیکھنے کا حکم تھا ان سے آنکھ نے روگردانی نہیں کی اور اس سے تجاوز نہیں کیا۔ لقد رایٰ من آیات الکبریٰ: یعنی اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں اور ملک وملکوت کے عجائبات معراج کی رات ملاحظہ فرمائے۔

علامہ عمادالدین اسماعیل ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر میں لکھتے ہیں[۳۸] کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کی عظمت وعزت اور اپنی پاکیزگی وقدرت بیان فرماتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کی سی قدرت کسی میں نہیں وہی عبادتوں کے لائق اور وہی ساری مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے۔ وہ اپنے بندے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک ہی رات کے ایک حصے میں مکے شریف کی مسجد سے بیت المقدس کی مسجد تک لے گیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے انبیاء علیہم السلام کا مرکز رہا۔ اسی لیے تمام انبیاء علیہم السلام وہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جمع کیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہیں انھی کی جگہ ان سب کی امامت کی جو دلیل ہے اس امر کی امامِ اعظم اور رئیسِ مقدم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس مسجد کے گرد برکت دے رکھی ہے پھل پھول اور باغات وغیرہ سے۔ یہ اس لیے کہ ہمارا ارادہ اپنے محترم رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی زبردست نشانیاں دکھانے کا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس رات ملاحظہ فرمائیں۔ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کی مومنوں اور کافروں کی یقین والوں اور منکروں کی سب باتیں سننے والا ہے اور سب کو دیکھ رہا ہے ہر ایک کو وہی دے گا جس کا وہ مستحق ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

علامہ نے معراج کی بابت کئی احادیث بیان کی ہیں جن میں صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم

شریف، صفۃ النبی، دلائل النبوۃ، مسند احمد، سنن ابی داؤد، مسند بزار، ابنِ ابی حاتم کے حوالے موجود ہیں۔ مسند احمد کے حوالے سے زر بن جیش کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجدِ اقصیٰ میں نماز ادا نہیں فرمائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام دونوں براق پر ہی رہے حتیٰ کہ آسمان کے دروازے ان کے لیے کھل گئے۔ مسند احمد ہی کے حوالے سے انھوں نے یہ بھی روایت کیا کہ شبِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے قائم ہونے کے خاص وقت کی بابت مذاکرہ ہوا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دجّال کے متعلق آگاہ کیا گیا اور ایک یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ اس رات جبرئیل علیہ السلام دائیں اور میکائیل علیہ السلام بائیں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اڑا لے گئے۔

ابنِ کثیر بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جاگتے میں نہ کہ خواب میں مکہ شریف سے بیت المقدس تک اسراء کرائی گئی۔ مسجدِ قدس میں اس کے قبلہ رخ تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعت نماز ادا کی پھر معراج سے واپس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیت المقدس کی طرف اُترے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہی تمام انبیاء علیہ السلام بھی اُترے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سب کو نماز پڑھائی جبکہ نماز کا وقت ہو گیا ممکن ہے وہ اس دن کی صبح کی نماز ہو، اس کی دلیل تو یہی ہے کہ جب آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ملاقات ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر ایک کی بابت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟ اگر بیت المقدس میں ہی ان کی امامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کرائی ہوتی تو اب چنداں اس سوال کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بیت المقدس سے بہ سواریِ براق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس رات کے اندھیرے اور کچھ یونہی سے اُجالے کے وقت مکہ شریف پہنچ گئے۔

احادیثِ معراج کے بیان کے بعد صاحبِ تفسیر نے معراج کے جسمانی اور بحالتِ بیداری ہونے کے متعلق یہ دلائل دیے ہیں کہ اس واقعہ کے بیان سے پہلے اللہ نے اپنی پاکیزگی بیان فرمائی ہے اگر یہ خواب کا واقعہ مان لیا جائے تو خواب میں ایسی بات دیکھ لینا اتنا اہم نہیں کہ اس کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ بطور احسان اور بطور اظہار قدرت اپنی پاکی بیان کرے۔ دوسرے یہ کہ خواب میں دیکھی ہوئی عجیب چیزیں بیان کرنے پر کفار کی فوری تکذیب کی ضرورت نہ تھی۔ پھر قرآن کا لفظ عبدہٗ ہے، عبد کا اطلاق روح اور جسم دونوں کے مجموعے پر آتا ہے پھر خود قرآن فرماتا ہے کہ نہ تو نگاہ بہکی، نہ بھٹکی، ظاہر ہے کہ پھر یعنی نگاہ کا وصف انسان کی ذات کا ہے نہ کہ صرف روح

کا۔ نیز سواریِ برّاق کی حاجت بھی انسانی جسم کو ہو سکتی ہے روح کے لیے سواری کی ضرورت نہیں۔
سورۃ النجم کی تفسیر میں ابنِ کثیر [۳۹] نے النجم کے حوالے سے یہ روایات نقل کی ہیں کہ ستارے کے جھکنے سے مراد فجر کے وقت ثریا ستارے کا غائب ہونا ہے یا زہرہ نامی ستارہ مراد ہے۔ اس کا جھڑ کر شیطان کی طرف لپکنا مراد ہے یا قرآن کا اُترنا مراد ہے اور اللہ نے قسم اس بات پر کھائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نیکی اور رشد وہدایت والے اور تابعِ حق ہیں۔ وہ بے علمی کے ساتھ کسی غلط راہ پر لگے ہوئے یا باوجود علم کے ٹیڑھا راستہ اختیار کیے ہوئے نہیں ہیں۔ گمراہی والے نصرانیوں اور جان بوجھ کر خلافِ حق کرنے والے یہودیوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا علم کامل، عمل مطابق علم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا راستہ سیدھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عظیم الشان شریعت کے شارع، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اعتدال والی راہِ حق پر قائم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی قول کوئی فرمان اپنے نفس کی خواہش اور ذاتی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کی تبلیغ کا حکم خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسے ہی زبان سے نکالتے ہیں جو وہاں سے کہا جائے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے ادا ہوتا ہے۔ کسی کمی بیشی، زیادتی، نقصان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلام پاک ہوتا ہے۔

بعد کی آیات میں ابنِ کثیر نے اسی بات کی حمایت کی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معلم ہیں اور جبرئیل علیہ السلام کو ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے افق اعلیٰ پر ان کی اصل صورت میں دیکھا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قریب ہوئے اور زمین کی طرف اُترے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اور جبرئیل علیہ السلام کے درمیان صرف دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی اور نزدیکی ہو گئی۔ یہاں لفظ "اَوْ" جس کی خبر دی جاتی ہے اس کے ثابت کرنے کے لیے آیا ہے اور اس پر جو زیادتی ہو اس کی نفی کے لیے پس اپنی خبر کی تحقیق ہے، شک وتردّد کے لیے نہیں۔ خبر میں خدا کی طرف سے شک کے ساتھ بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ قریب آنے والے جبرئیل علیہ السلام تھے۔ قاب آدھی انگلی کو بھی کہتے ہیں بعض کہتے ہیں دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ معراج والی رات دیدارِ باری تعالیٰ ہونے کے قائل ہیں۔ ایک جماعت سلف وخلف کا قول بھی یہی ہے اور صحابہ وتابعین کی کئی جماعتیں اس کے خلاف ہیں۔ یہاں ابنِ کثیر نے ان روایات کو معتبر قرار دیا ہے جن میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب کو دل کی آنکھ سے دیکھا۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ: سے یا تو یہ مراد ہے کہ

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف وحی کی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جبرئیل علیہ السلام کی معرفت اپنی وحی نازل فرمائی، دونوں معنی صحیح ہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ پر اس وقت فرشتے بکثرت تھے اور نورِ خدا اُس پر جگمگا رہا تھا اور قسم قسم کے رنگ جنھیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ اس وقت تین چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا فرمائی گئی پانچوں وقت کی نمازیں، سورۃ البقرہ کے خاتمہ کی آیتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت میں سے جو مشرک نہ ہو اس کے گناہوں کی بخشش۔ اس درخت کی شاخیں مروارید یاقوت اور زبرجد کی تھیں اور ہر پتے پر ایک فرشتہ کھڑا ہوا اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہیں دائیں بائیں نہ ہوئیں جس چیز کی طرف دیکھنے کا حکم تھا وہیں لگی رہیں۔ ثابت قدمی اور کامل اطاعت کی یہ پوری دلیل ہے کہ جو حکم تھا وہی بجالائے، جو دیے گئے وہی لے کر خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں جو اللہ کی کامل قدرت اور زبردست قوت پر دلیل بن جائیں۔ اگر خود خدا کا دیدار ہُوا ہوتا تو اسی دیدار کا ذکر ہوتا اور لوگوں پر اسے ظاہر کیا جاتا۔

صاحبِ "معالم التنزیل" امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: (۴۰)

سبحان الذی: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر اُس بُرے وصف سے پاک ہے جس کی برأت بطور مبالغے کے کی جائے۔ اس صورت میں سبحان بمعنی تعجب کے ہو گا۔ اسریٰ بعبدہٖ: اس کو سیر کرائی، عبدہٗ سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ من المسجد الحرام: اس سیر کی ابتدا مکہ سے ہوئی۔ الی المسجد الاقصیٰ: سے مراد بیت المقدس ہے۔ اللہ بارکنا حولہٗ: اللہ نے اسے نہروں درختوں اور پھلوں کے ساتھ برکت دی ہے۔ بعض نے مجاہد کا قول لکھا ہے کہ اسے مبارک اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انبیاء کے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور فرشتوں کے اُترنے کی جگہ ہے اور اس میں ایک چٹان ہے اسی کے گرد لوگوں کو قیامت کے دن جمع کیا جائے گا۔ لنریہٗ من اٰیٰتنا: اس کی عجیب قدرتوں کو دیکھے وہاں انبیاء علیہم السلام اور ہماری بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھے۔ سمیع کو اس لیے ذکر کیا کہ وہ ہماری دعاؤں کو خوب سننے والا ہے اور ان کو قبول کرنے والا ہے۔ بصیر کو اس لیے ذکر کیا کہ وہ رات کے اندھیرے میں موذی اشیاء سے بچانے والا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں کم و بیش وہی تفصیلات و روایات نقل کی ہیں جو امام بیضاوی کے ہاں ملتی ہیں۔ نیز "واقعہ اسریٰ" کے عنوان سے امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احادیث میں مرقوم مراحلِ معراج کو بعینہٖ نقل کیا ہے۔

سورۃ النجم کی تفسیر میں امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مختلف روایات کے تحت لکھا ہے (۴۱) کہ نجم سے مراد ثریا ہے یا ستاروں کی مار ہے یعنی شیطانوں کے بات چوری کرتے وقت جن ستاروں کے ذریعے ان کو مارا جاتا ہے یا وہ ستارے ہیں جو قیامت کے دن ٹوٹ جائیں گے یا نجم سے مراد قرآن ہے جو متفرق حصوں میں نازل ہوا یا وہ پودا جس کا تنا نہ ہو۔ ایک قول ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معراج کی رات نیچے اتر آنا۔ ھویٰ سے مراد ہے نیچے اترنا۔ ماضل بصاحبکم و ماغویٰ: یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہدایت کے طریقے سے گمراہ نہیں ہوئے۔ وماینطق عن الھویٰ: یعنی وہ باطل کلام نہیں کرتے۔ ان الاوحی یوحیٰ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دین کے بارے میں جو کچھ کہا اور قرآن وہ اللہ کی طرف سے وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھیجی جاتی ہے۔ علمہ شدید القویٰ، ذومرۃ فاستویٰ: یہاں جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں جو اپنی خلقت میں قوت اور شدت والا ہے، اچھے منظر والا ہے، اچھی خلقت والا ہے، وہ اپنی اس صورت میں کھڑا ہوا جس پر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔ وھو بالافق اعلیٰ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو اصل صورت میں مشرقی افق پر دیکھا۔ ثم دنیٰ فتدلیٰ، وکان قاب قوسین: اس کے معنی میں امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی متفرق روایات نقل کی ہیں۔ ایک یہ کہ جبرئیل علیہ السلام افق اعلیٰ پر استوا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب ہوئے، پھر نیچے اتر آئے اور ان سے دو کمان یا اس سے بھی کم قریب ہو گئے یا یہ کہ رب تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک ہوئے اور نیچے اُتر آئے حتیٰ کہ دو کمان یا اس سے کم فاصلہ تھا یا جبرئیل علیہ السلام اپنے رب کے قریب ہوئے یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے رب کے قریب ہوئے پس اُتر آئے اور سجدے کی طرف مائل ہوئے۔

مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ خبر دی گئی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان دو کمان کی مقدار ہے۔

> "مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے قصہ کی تاکید کی طرف اور اس کی اصل یہ ہے کہ عرب کے دو حلیف جب کسی معاہدہ کا معاملہ کرنے کا ارادہ کرتے تو دونوں اپنی کمانیں لے کر نکلتے اور ان کو ملا دیتے اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی کہ وہ ایک دوسرے کی پُشت پناہی کریں گے اور ایک دوسرے کی حمایت کریں گے۔" (۴۲)

امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں فاوحیٰ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ نے وحی کی بعض کے اقوال ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف وحی کی۔ ماکذب الفواد مارایٰ: سے متعلق ایک جماعت کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو

دیکھا۔

عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کے لیے چُن لیا اور موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے لیے چُن لیا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو "رویۃ" کے لیے چُن لیا۔"(۴۳)

افتمرون علی مایریٰ: یعنی کیا تم جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے کہا کہ ہمارے لیے بیت المقدس کا پورا نقشہ کھینچیں اور ہمارے قافلہ کی خبر دیں جو راستے میں ہے اور اس کے جو انھوں نے مجادلہ کیا۔ معنی یہ ہے کہ کیا تم اس سے جھگڑا کرتے ہو جس سے تمھارا مقصود اس کا انکار کرنا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا اور جانا۔ ولقد راہ نزلۃ اخریٰ: یعنی جبرئیل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ آسمان سے اُترتے ہوئے دیکھا ان کی اصل صورت میں جس پر وہ پیدا کیے گئے۔

بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معراج کی رات کئی مرتبہ اوپر گئے، نماز کی تعداد میں تخفیف کروانے کے لیے، پس ان میں سے کسی میں اپنے رب کو دیکھا۔ عند سدرۃ المنتہیٰ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔

"اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کا تذکرہ کرتے سُنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا سوار شخص اس کی ٹہنی میں سو سال چل سکتا ہے اور اس کی ایک ٹہنی کے سایہ میں ایک ہزار سوار سایہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس میں سونے کے پتنگے تھے گویا کہ اس کے پھل مٹکے ہیں اور مقاتل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ درخت ہے جو مختلف رنگوں کے پھل اُٹھائے ہوئے ہے۔ اگر اس کا ایک پتہ زمین میں رکھ دیا جائے تو تمام زمین والے روشن ہو جائیں۔"(۴۴)

عندھا جنت الماویٰ: یہ ایسی جنت ہے جس میں جبرئیل علیہ السلام اور فرشتے ٹھکانا حاصل کرتے ہیں۔ اور ایک قول ہے کہ شہداء کی روحیں ٹھکانا حاصل کرتی ہیں۔ اذ یغشی السدرۃ مایغشیٰ: اس میں مختلف اقوال ہیں کہ سونے کے پتنگوں نے سدرہ کو ڈھانپ لیا تھا یا فرشتوں نے ڈھانپ لیا تھا یا پرندوں نے یا مخلوق کے نور نے یا رب کے نور نے ڈھانپ لیا تھا۔ مازاغ البصر وماطغیٰ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ دائیں بائیں مائل نہیں ہوئی جو دیکھا اس سے تجاوز نہیں کیا یا جس کا حکم دیا گیا اس سے تجاوز نہیں کیا اور یہ اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ادب کا بیان ہے

کہ اِدھر اُدھر متوجہ نہیں ہوئے۔ لقد رایٰ من آیات ربہ الکبریٰ: یعنی بڑی آیت جو اس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفر اور واپسی پر دیکھا وہ مراد ہے یا جبرئیل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھنا مراد ہے۔ علقمہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ سبز پھڑپھڑانے والے کو دیکھا جس نے آسمان کے اُفق کو بند کر دیا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورۃ الاسراء کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں (۴۵) کہ سبحان سے مراد ہر نقص سے اللہ تعالیٰ کی برأت اور پاکی بیان کرنا ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا ذکرِ عظیم ہے اس کے سوا کوئی اور اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسریٰ کا معنی رات کے پہلے حصے میں چلنا ہے۔ بعبدہٖ سے مراد حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی اور اسمِ گرامی اس سے اشرف واعلیٰ ہوتا تو یقیناً اس حالت علیا میں اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر اس کے ساتھ فرماتا۔ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علامہ قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی بارگاہِ عالی کی طرف اٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ستاروں کی بلندی سے بھی اوپر لے گیا تو امت کے سامنے تواضع کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر اسمِ عبودیت کے ساتھ فرمایا۔ تمام کتبِ حدیث میں اسراء ثابت ہے اور جملہ اطرافِ اسلام میں یہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ پس اسی وجہ سے یہ متواتر اخبار میں سے ہے۔ قرطبی نے یہاں آجری اور سمرقندی کی منقولہ ان روایات کا ذکر کیا ہے جو صحیحین میں نہیں ہیں اور حضرت ابوسعید خذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے جو روایات بیان کی ہیں اس میں صحیحین سے اضافہ یہ ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میرے پاس ایک جانور لایا گیا، جو جانوروں میں سے خچر کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا تھا اور اس کے دونوں کان حرکت کر رہے تھے اور وہ وہی برّاق ہے جس پر اس سے قبل انبیاء علیہم السلام سواری کرتے تھے۔ پس میں اس پر سوار ہوا اور چل پڑا۔ وہ اپنا قدم انتہائے نگاہ پر رکھتا تھا۔ پس میں نے اپنی دائیں جانب سے ایک آواز سنی: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ٹھہر جایئے یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کچھ دریافت کرلوں، پس میں چلتا رہا اور میں نے اس پر کوئی اعتماد نہ کیا۔ پھر میں نے اپنی بائیں جانب سے ایک ندا سنی: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہر جایئے یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کچھ پوچھ لوں، لیکن میں چلتا رہا اور میں نے اس پر کوئی اعتماد نہ کیا۔ پھر میرے سامنے ایک عورت آئی جس پر دنیا کی ہر زینت و آرائش تھی اور وہ اپنا ہاتھ اٹھائے ہوئے کہہ رہی تھی ٹھہر جایئے یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کچھ پوچھ لوں، لیکن میں چلتا رہا اور میں نے اس کی

طرف کوئی توجہ نہ دی۔ پھر میں بیت المقدس مسجدِ اقصیٰ آیا اور اس جانور سے اُتر گیا اور میں نے اسے اسی حلقے سے باندھ دیا جس کے ساتھ انبیاء علیہم السلام باندھتے تھے۔ بعد ازاں میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں نماز پڑھی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ نے کیا سنا ہے؟ تو میں نے کہا: میں نے اپنی دائیں جانب سے ایک آواز سنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ٹھہر جایئے یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کچھ پوچھ لوں لیکن میں چلتا رہا اس پر اعتماد نہ کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا وہ یہود کی دعوت دینے والا تھا اگر آپ ٹھہر جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت یہودی ہو جاتی۔۔۔ فرمایا۔۔۔ پھر میں نے ایک ندا اپنی بائیں جانب سے سنی ہے ٹھہر جایئے یہاں تک کہ میں آپ سے کچھ پوچھ لوں لیکن میں چلتا رہا اور اس پر اعتماد نہ کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا وہ عیسائیت کی دعوت دینے والا تھا بلاشبہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہر جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت عیسائی ہو جاتی۔۔۔ فرمایا۔۔۔ پھر میرے سامنے ایک عورت آئی اس پر دنیا کی ہر قسم کی زیب و زینت تھی۔ وہ اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے کہہ رہی تھی ٹھہر جایئے لیکن میں چلتا رہا اور میں نے اس پر کوئی اعتماد نہ کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا وہ دنیا تھی اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہر جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے اور اسے پسند کرتے۔ فرمایا۔۔۔ میرے سامنے دو برتن لائے گئے۔۔۔ پھر وہ سیڑھی (معراج) لے کر آئے جس کے ساتھ بنی آدم علیہ السلام کی ارواح چڑھتی ہیں تو وہ اس سب سے حسین تھی جو کچھ میں نے دیکھا تھا۔ کیا تم نے مرنے والے کی طرف نہیں دیکھا وہ کیسی تیز نظر سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر ہمیں اوپر لے جایا گیا۔"(۴۶)

قرطبی نے بزار کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس گھوڑا لایا گیا۔ مزید لکھتے ہیں کہ معراج کے جسم کے ساتھ اور حالتِ بیداری میں ہونے میں کوئی استحالہ نہیں ہے اور ظاہر اور حقیقت سے تاویل کی طرف عدول تب کیا جاتا ہے جب کوئی استحالہ لازم آئے۔ اگر یہ خواب ہوتا تو اللہ تعالیٰ کہتا بروح عبدہٖ: یہ نہ کہتا: بعبدہٖ اور قولِ باری تعالیٰ ماذاغ البصر وماطغیٰ بھی اس پر دلالت کرتا ہے اگر یہ خواب ہوتی تو حضرت ابو بکر صدیق کو اس کے سبب فضلیت نہ دی جاتی اور نہ قریش کے لیے تشنیع و تکذیب ممکن ہوتی۔ مسجدِ اقصیٰ کا نام، مسجدِ حرام سے بہت دوری ہونے کے باعث رکھا گیا ہے۔ اس کے ارد گرد اللہ نے پھلوں کے ساتھ نہریں جاری کرنے کے ساتھ اور انبیاء اور صالحین کے مدفون ہونے کے ساتھ برکت رکھی ہے۔

سورۃ النجم کی تفسیر میں قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۴۷) نے والنجم اذا ھویٰ سے متعلق مختلف روایات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد ہے ثریا، جب فجر کے ساتھ غروب ہو جائے

عرب ثریا کو نجم کہتے ہیں اگرچہ تعداد میں یہ نجوم ہیں یا اس سے مراد ہے قسم ہے قرآن کی جب وہ نازل ہو کیونکہ وہ آیات در آیات نازل ہوتا تھا۔۔۔ یا اس سے تمام ستارے مراد ہیں جب وہ غروب ہوں۔۔۔ یا جب وہ قیامت کے روز گریں گے۔ یہ بھی مروی ہے کہ نجم سے مراد زہرہ ہے کیونکہ عربوں میں سے کچھ لوگ اس کی عبادت کیا کرتے تھے یا اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کو شیاطین کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے یا اس سے مراد ایسی نباتات ہیں جس کا تنا نہ ہو یا النجم سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہے۔ اذا ھویٰ جب معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آسمان سے اترے۔ ماضل بصاحبکم وما غویٰ: سے مراد ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حق سے گمراہ نہ ہوئے اور نہ اس سے پھرے اگلی آیات کی تفصیل میں روایات نقل کی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نطق اپنی رائے سے نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ کی جانب سے وحی ہوتی ہے۔ یہ دلالت بھی موجود ہے کہ سنت عمل میں نازل شدہ وحی کی طرح ہے۔ شدید القویٰ سے مراد اللہ کی ذات ہے یا جبرئیل امین علیہ السلام مراد ہیں۔۔۔ اس بارے میں ہر دو مکاتبِ فکر کی روایات منقول ہیں اور یہ بحث کی گئی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اپنی اصل صورت پر کھڑے ہوئے یا قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سینے میں قرار پکڑ گیا یا ثبت ہو گیا یا جبرئیل علیہ السلام اپنے مقام کی طرف بلند ہوئے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معراج کے ساتھ بلند ہوئے یا اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہوا اور قریب ہونے سے مراد جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب ہوئے یا اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب ہوا۔۔۔ یا۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا امر اور حکم قریب ہوا۔ قاب قوسین پر بحث کرتے ہوئے قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قاضی عیاض کے حوالے سے لکھا ہے:

> " یہ بات ذہن نشین کر لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنے رب سے جو قرب ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی سے جو قرب ہے یہ کوئی مکان کا قرب اور مسافت کا قرب نہیں۔ اس سے مقصود نبی کریم علیہ السلام کی عظمت مرتبہ کی بلندی، انوارِ معرفت کے اشراق، اس کے عیب اور قدرت کے اسرار کے مشاہدہ کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرب کا مطلب ہے احسان کرنا، انس عطا کرنا، معاملات کو وسیع کر دینا اور عزتیں عطا کرنا۔۔۔ جس نے ضمیر کو اللہ کی طرف لوٹایا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف نہیں لوٹایا تو یہ انتہائی قرب، لطف محل، ایضاح مرفت، حقیقتِ محمدیہ پر نگاہ رکھنا، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رغبت کو پورا کرنا، مقاصد کو شرفِ قبولیت سے نوازنا، شفقت کا اظہار کرنا اور اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنا ہے۔ "(۴۸)

ایک قول یہ کیا گیا کہ جبرئیل علیہ السلام اپنے رب کے قریب ہوئے۔ اس بارے میں بھی مختلف اقوال کیے گئے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی کی یا اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف وحی کی یا جبرئیل علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف وحی کی۔ نیز یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شبِ معراج اپنے رب کا دیدار کیا؟ یا ایک حجابِ نور دیکھا؟ یا جبرئیل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھا؟ جنت الماویٰ سے متعلق جو روایات مندرج ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ وہ جگہ ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اسے پالیا۔۔۔ یا یہ وہ جگہ ہے جہاں متقین پہنچتے ہیں۔۔۔ جہاں تک شہداء کی روحیں پہنچتی ہیں۔۔۔ یہ عرش کے دائیں جانب ہے۔ یہ وہ جنت ہے جس میں آدم علیہ السلام ٹھہرے تھے اور یہیں سے نکالے گئے۔۔۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام یہاں پناہ لیتے ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ کو جس چیز نے ڈھانپ لیا وہ سونے کے پلنگ ہوں گے یا سونے کے پتنگے۔۔۔ یا رب العالمین نے اسے ڈھانپ لیا تو وہ روشن ہو گیا۔۔۔ یا اسے رفرف یعنی سبز پرندوں نے ڈھانپا ہوا ہے۔۔۔ یا اس سے سونے کی چڑیا مراد ہے۔۔۔ یا یہ امر کی عظمت کے بیان کے لیے ہے کہ جب سدرہ کو ڈھانپ لیا ملکوت کے دلائل نے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا۔

مازاغ البصر وماطغیٰ: کے متعلق اقوال کیے گئے کہ اسے جو حکم دیا گیا اس سے تجاوز نہ کیا۔ آنکھ نے جو آیات دیکھیں ان سے وہ غیر کی طرف نہ اٹھیں۔ اٰیت الکبریٰ کے متعلق کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رفرف دیکھا جس نے افق کو بند کر دیا تھا۔۔۔ جبرئیل امین علیہ السلام کو سبز رفرف کے حلیہ میں دیکھا جنھوں نے آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیا تھا ۔۔۔ رفرف سے مراد قالین ہے یہ بھی کہا گیا کہ شر ہے۔۔۔ بلکہ وہ ایک کپڑا تھا جو ان کا لباس تھا ۔۔۔ یا یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو اس کی اصل صورت میں دیکھا۔۔۔ یا سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا۔۔۔ یا معراج (سیڑھی) کو دیکھا۔۔۔ اور ایک بہت اچھی تعبیر یہ ہے کہ جو اس سفر میں شروع کرتے وقت اور لوٹتے وقت دیکھا۔

سورۃ الاسراء کی پہلی آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "مفاتیح الغیب" میں لکھتے ہیں (۴۹) کہ سبحان اسم عَلَم ہے، اسریٰ اور سریٰ دو لغتیں ہیں اور عبدہٗ سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ جب شبِ معراج محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مقاماتِ رفیعہ اور درجاتِ عالیہ پر پہنچ گئے تو اللہ نے وحی کی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے تجھے کس چیز سے شرف بخشا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ عزوجل! تو نے عبودیت میں مجھے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری سبحان الذی

اسریٰ۔۔۔ لیل کا نکرہ ہونا اسریٰ کی مدت کی تقلیل کے بیان کے لیے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رات کے تھوڑے سے حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا جو چالیس راتوں کی مسافت بنتی ہے۔ یعنی لیل کا نکرہ ہونا بعضیت پر دلالت کرتا ہے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے کی کوئی رات تھی۔ صاحبِ کشاف نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ معراج ہجرت سے پہلے ہوئی۔۔۔ جس جگہ سے اسریٰ کا آغاز ہوا وہ مسجدِ حرام تھی اور اسی پر قرآن پاک کے الفاظ کی ظاہری دلالت ہے۔ رازی نے براق لائے جانے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حجر میں ہونے یا اُمِّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ہونے کی دونوں روایات نقل کی ہیں۔ اور ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حرم سارے کا سارا مسجد ہے اور یہی اکثر لوگوں کا قول ہے۔ نیز مسجد الاقصیٰ سے بیت المقدس مراد ہے اس کو اقصیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی مسجدِ حرام سے مسافت بہت دور کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے پھلوں اور پھولوں سے اس میں برکت دی ہے اور برکت کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ٹھکانا ہے اور ملائکہ کے نزول کی جگہ ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسریٰ کی کیفیت کی بابت (کہ معراج روح سے تھا یا جسم سے) کئی دلائل دیے ہیں اور لکھا ہے کہ جمہور مسلمین اور اربابِ ملل کا موٗقف یہی ہے کہ آسمانوں تک معراج جسم کے ساتھ ہوئی کیونکہ "عبد" روح و جسم کا مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے۔ معراج کے معجزے پر تعجب مستثنیٰ نہیں دیگر معجزات سے متعلق بھی عقل یونہی عاجز آجاتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے افعال پر اعتراض نہیں ہو سکتا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرلے اس کا فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت آسمانوں کی طرف اور پھر وہاں سے مافوق العرش کی طرف عروج کی دلالت نہیں کر رہی۔ کچھ لوگوں نے اس کا استدلال سورۃ النجم سے کیا ہے اور کچھ نے اس آیت سے کیا ہے (لترکبن طبقا عن طبق)۔

رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شُبہے کے ازالے میں کہ معراج خواب میں ہوئی یا بیداری میں سات طریقوں سے دلائل دیے ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ نہ صرف مسلمان بلکہ دیگر مذاہب میں بھی لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ ابلیس کا وجود ہے اور ابلیس بنی آدم کے دل میں وسوسے ڈالنے کے لیے چشم زدن میں مشرق سے مغرب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جب وہ ابلیس کے حق میں حرکتِ سریعہ کو تسلیم کرسکتے ہیں تو اکابر انبیاء کرام علیہ السلام کے بارے میں تسلیم کرنے کا زیادہ حق ہے۔۔۔ اس دلیل پر لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ شیطان ارواحِ خبیثہ و شریرہ میں سے ہے

اور جسم وجسمانیت نہیں رکھتا۔

رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ الزام غیر وارد ہے کیونکہ یہ بات بھی ثابت ہے کہ ارواح کی طرح جسمِ لطیف بھی منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے (اور گویا قبل از معراج شق الصدر کا عمل بھی جسم کثیف کو جسمِ لطیف میں بدلنے اور خلائی سفر سے ہم آہنگی پیدا کرنے کو تھا۔)

رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ قرآن میں ذکر ہے کہ ہوائیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی تھیں تو ایک مہینے کی مسافت صبح اور ایک مہینے کی مسافت شام میں طے کرتی تھیں۔ گویا ہوا جب تیز چلتی ہے تو کم مدّت میں لمبی مسافت طے کر جاتی ہے۔ یہ چیز بھی ثابت کرتی ہے کہ معراجِ جسمانی مدّتِ قلیل میں حرکتِ سریعہ کے تحت ہو سکتی تھی۔

یہ دلیل بھی پیش کی گئی ہے کہ انسان وحیوان کی آنکھ کا دیکھنا یہ ہے کہ ہم ان شعاعوں کے ذریعے دیکھتے ہیں جو آنکھ سے نکل کر اس چیز پر پڑتی ہیں جب ہم آنکھ کھولتے ہیں تو اس چیز کو دیکھتے ہیں لیکن یہ حرکت اتنی سریع ہوتی ہے کہ ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتی۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ اس حرکت سریعہ کا وجود تمام اجسام کے اندر ممکن ہے تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجود سے کیونکر ممتنع قرار دی جاسکتی ہے۔ جبکہ یہ بات دلائل قطعی سے ثابت ہے کہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسا امر ہے جو ممکن الوجود ہے۔ یہ تعجب کا مقام نہیں اس سے جو تعجب حاصل ہوتا ہے وہ تمام معجزوں سے حاصل ہوتا ہے جس طرح عصا کا اژدھا بن جانا، اس کا سارے اژدھوں کو نگل جانا پھر اس کے بعد ایک چھوٹے سے اژدھے کی صورت میں یعنی اپنی اصل صورت میں واپس آجانا، تمام معجزات انبیاء یہ عنصر رکھتے ہیں۔ لہٰذا صرف تعجب کا ہونا اس معجزے کے انکار کو کافی نہیں۔

سورۃ النجم کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [۵۰] نے اس کی بابت کئی اقوال بیان کیے ہیں کہ نجم سے مراد کون ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نجم سے مراد آسمان کا ستارہ ہے جس سے صحراؤں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے یا اس سے "الرجوم" مراد ہیں یعنی وہ ستارے جن سے شیاطین کو آسمان سے دور کیا جاتا ہے جب وہ باتیں سننے کے لیے اُوپر آتے ہیں۔ ستارے توڑ کر انھیں مارا جاتا ہے جنھیں "نجم الثاقب" کہتے ہیں۔ اور جن سے انبیاء زمین سے شیاطین کو دُور کرتے ہیں۔۔۔ زمین کی نباتات کو بھی نجوم کہتے ہیں، کہ نباتات کے جسمانی قوت اور جسم کی صلاح اور قوتِ عقلیہ کا ثبات ہے۔ اسی طرح رسول بھی سیدھے راستے کی وضاحت اور تفہیم کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ لیکن سیاقِ کلام کا تقاضا یہ نہیں یا نجوم القرآن مراد ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن نبی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدق کا معجزہ ہے۔

رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نجم سے مراد ثریا ہے کیونکہ وہ ستاروں میں سب سے واضح ستارہ ہے۔ دیکھنے والے کے لیے اس کی نشانی بھی یہی ہے کہ وہ ممتاز ہے کسی دوسرے ستارے سے اس کا التباس نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی نشانیوں کی وجہ سے سب نبیوں سے ممتاز ہیں اس لیے اس کی قسم کھائی گئی ہے۔ دوسری مشترک چیز یہ ہے کہ یہ ستارہ جب مشرق سے صبح کے وقت ظاہر ہوتا ہے تو پھل لاتا ہے اور جب یہ رات میں یا موسمِ خریف میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کی تاثیر سے امراض کم ہو جاتے ہیں، یونہی جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے تو شک وشبہ اور امراضِ قلبی کم ہوئے اور حکمتِ حلم کے ثمرات حاصل ہوئے لیکن ان سب میں مختار قول یہ ہے کہ النجوم سے مراد آسمان کے ستارے ہیں کیونکہ سامع کے لیے اس کا ظاہری معنی یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول "اذھویٰ" بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

ماضل صاحبکم وما غویٰ: رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اکثر مفسرین نے "الضلال" اور "ال غ ی" میں فرق نہیں کیا جبکہ بعض مرفوع روایات میں "الضلال"، "الہدیٰ" کے مقابل آتا ہے اور "الضی"، "الرشد" کے مقابل آتا ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ الضلال استعمال میں عام ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ "ضل بصیری ورحلی" (میرا اونٹ اور میرا کجاوہ گم ہو گیا)۔ ہم یہاں ضل استعمال کرتے ہیں۔ غویٰ نہیں۔۔۔ ضلال سے مراد یہ ہے کہ سالک کو اس کی منزل کی طرف صحیح راستہ ملے، یعنی غلط راستے پر ہو اور غوٰیۃ سے مراد یہ ہے کہ اسے اس کے مقصد کی طرف کوئی راستہ ہی نہ ملے۔ الضلال کا لفظ الکافر کی مثل ہے اور غاوی کا لفظ الفاسق کی مثل ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معاذاللہ نہ کفر کیا نہ فسق۔ صاحبکم میں بھی دو اقوال ہیں پہلا یہ کہ "تمھارے آقا" مراد ہے، دوسرا یہ کہ "تمھارے مصاحب یا ساتھی" مراد ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ماضل سے مراد ما جن ہو کیونکہ مجنوں شخص بھی ضال ہوتا ہے یعنی راہ پر نہیں ہوتا اور ماغویٰ کہنے میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ بلکہ وہ رشید ہیں اور مرشد ہیں۔ ہم اس ترتیب کی وضاحت یوں کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے فرمایا ماضل یعنی وہ راستے پر ہیں، پھر فرمایا وماغویٰ یعنی وہ راہِ راست پر ہیں۔ وما ینطق عن الھویٰ یعنی وہ اپنے مقصد پر سوار اپنی سمتِ مقصود کو پکڑنے والے ہیں اور ممکن ہے یہ بھی کہا جائے وماینطق عن الھویٰ: اس بات کی دلیل ہے کہ نہ آپ گمراہ ہوئے اور نہ راستے سے ہٹے کیونکہ جو اپنی خواہش سے نہ بولتا ہو وہ کیسے گمراہ ہو سکتا ہے یا راستے سے ہٹ سکتا ہے۔ گمراہ تو وہی ہو سکتا ہے جو خواہشِ نفس کی پیروی کرتا ہے۔ اللہ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ ولاتتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: ما

ینطق عن الھویٰ: تو کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ جب آپ خواہشِ نفس سے نہیں بولتے تو کیا دلیل سے بولتے ہیں یا اجتہاد سے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں وہ اللہ کی جانب سے کی گئی وحی سے بولتے ہیں۔ ان ھوالاوحی یوحیٰ: ھُو ضمیر کے بارے میں اختلاف یہ ہے کہ یہ ضمیر معلوم ہے یا ضمیر مذکور؟ مشہور ترین قول یہ ہے کہ یہ ضمیر معلوم ہے اور اس ضمیر کا مرجع قرآن ہے گویا اللہ تعالیٰ یہ فرمارہاہے کہ قرآن تو وحی ہے۔

الوحی، یا تو اسم ہے یا مصدر، یہاں بھی دو اقوال کا اہتمام ہے۔ اگر وحی اسم ہے تو اس کا معنٰی ہے کتاب اور اگر مصدر ہے تو اس کے دو معنی ہیں ارسال اور الہام، یا کتابت و طلام یا اشارہ اور افہام۔ اگر ضمیر ھُوَ سے مراد قران ہو تو مطلب یہ ہے کہ قرآن تو کتاب ہے اور یوحی، یرسل کے معنوں میں ہو گا۔ اور اگر یہ مصدر ہو تو معنی یہ کہ قرآن ارسال والہام ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ردّ کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شاعر کہتے تھے۔ اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گفتگو میں اجتہاد نہیں فرماتے ہیں۔ اگرچہ یہ خلافِ ظاہر بات ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنگوں میں اجتہاد فرمایا اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کی تھی اس کو حرام کیا اور ان لوگوں کو اجازت دی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا (اف اللہ عنک لم اذنت لھم) رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ان باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عدم اجتہاد پر دلالت نہیں کرتی۔

علمہٗ شدید القویٰ: اس میں بھی دو جہات ہیں۔۔۔ مفسرین کے نزدیک مشہور ترین قول یہ ہے کہ علمہٗ کی ضمیر وحی کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی یہ وحی ان کی طرف ایسی ذات کی ہے جو شدید القویٰ ہے۔ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس قول کی تقدیر یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شدید القویٰ یعنی جبرئیل علیہ السلام نے سکھایا، جبرئیل علیہ السلام کے تمام علمی و عملی قویٰ شدید ہیں۔ شدید القویٰ کہنے میں کئی فوائد ہیں۔ پہلا یہ کہ استاد کی تعریف شاگرد کی تعریف ہے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ ان کو جبرئیل علیہ السلام نے سکھایا اور صفت بیان نہ کی جاتی تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری فضیلت کے مطلوبہ معنی حاصل نہ ہوتے۔ دوسرا یہ کہ یہ ان لوگوں کا ردّ بھی ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفر شام کے دوران سُنیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں، یہ باتیں ان کو کسی انسان نے نہیں سکھائیں بلکہ شدید القویٰ نے سکھائیں۔ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا اور اسے علم بھی کم دیا گیا ہے۔ تیسرا یہ کہ جبرئیل علیہ السلام کے شدید القویٰ ہونے کا وثوق ایک اور آیت سے بھی ملتا ہے (ذی

قوت عند ذی العرش مقیم)۔

ذو مرۃ فاستویٰ۔۔۔: اس میں بھی کئی اقوال ہیں اگر مراد ذو قوۃٍ ہو تو یہ شدید القویٰ میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ ایک وصف بیان کر کے پھر اسی کو بیان کرنا مستحسن نہیں ہوتا۔ لہٰذا شدید القویٰ کے بعد ذو قوتٍ کہنا مستحسن نہیں ہو سکتا۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ ان کے قویٰ بھی شدید ہیں اور ان کی ذات میں بھی قوت ہے۔ ذو مرۃٍ، یعنی ان کا جسم مضبوط ہے۔ پس یہاں علمیت کو جسمیت پر مقدم کیا گیا ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (وزادہٗ بسطۃً فی العلم والجسم) فاستویٰ کے متعلق مشہور قول یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنی اصلی صورت میں استوا فرمایا۔

فھو بالافق الاعلیٰ: سے متعلق مشہور قول یہ بھی ہے کہ "ھُوَ" ضمیر کا مرجع جبرئیل علیہ السلام ہیں یعنی جبرئیل علیہ السلام نے جب اپنی اس صورت پر استوا فرمایا جس پر اللہ نے ان کی تخلیق کی ہے، تو وہ مشرقی افق پر تھے تب ان کی عظمت نے مشرق کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اور ظاہری معنی یہ ہیں کہ اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور یہاں استویٰ کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رتبے اور منزلت کے اعتبار سے بلند مقام پر تھے اور اس مقام کی حقیقت کا حصول ممکن نہیں۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فقد راٰہُ فی افق المبین، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو افقِ مبین پر دیکھا۔ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم افقِ مبین پر تھے جیسا کہ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ میں نے چاند کو دیکھا اور اس سے پوچھا جائے کہ تو نے کہا دیکھا؟ تو وہ یہ کہے کہ میں نے سطح زمین پر دیکھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والا سطح زمین پر ہے نہ کہ دکھائی دینے والی چیز۔

ثم دنیٰ فتدلیٰ: میں کئی اقوال مشہور ہیں ایک یہ کہ جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قریب ہوئے یعنی افق پر اپنی اصلی صورت میں لوٹنے کے بعد۔۔۔ اور ایک قول یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مخلوق اور امت کے قریب ہوئے اور ان کی خاطر نرم مزاج ہوئے اور انھی میں سے ایک بشر کی طرح ہو گئے۔ فتدلیٰ کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان سے اور قریب ہوئے نرم بات کے ذریعے اور دعائے رفیق کے ذریعے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے (اسے رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ضعیف کہا ہے) اور یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور مکان کے قائل ہیں اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک قول بھی ہے جس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔۔۔ جو ایک بالشت میرے قریب ہو گا میں ایک ہاتھ

اس کے قریب ہوں گا، جو ایک ہاتھ میرے قریب ہو گا میں دو ہاتھوں کے پھیلاؤ کے بقدر اس کے قریب ہوں گا اور جو میری طرف چل کر آئے گا میں اس کی طرف لپک کر جاؤں گا، یہاں معنی مجازی مراد ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فکان قاب قوسین او ادنیٰ، یعنی جبرئیل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان دو کمانوں کی مقدار فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم اور یہ جملہ عربوں کی عادت کے مطابق استعمال ہوا ہے۔ جب دو امیر یا دو سردار صلح کرتے یا کوئی معاہدہ کرتے تو دونوں اپنی کمان نکالتے اور ایک کا کنارہ دوسرے سے ملاتے اور جب رعایا میں سے کوئی ایسا ارادہ کرتا تو وہ ہتھیلی سے ہتھیلی ملاتا۔ اسی وجہ سے اس عمل کو مسایعت کہا جاتا ہے اور اس میں ایک پُر لطف بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول قاب قوسین سے ان دونوں یعنی جبرئیل علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سردار ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا اوادنیٰ، ان میں سے ایک کی دوسرے پر فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔ پس امیر جب رعایا سے بیعت لیتا ہے تو بیعت کرنے والا اپنے ساتھ کمان نہیں لایا کرتا بلکہ وہ امیر سے مصافحہ کرتا ہے۔ پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہ دونوں سردار اور امیر ہیں اور ان کے درمیان دو قوسوں کی مقدار فاصلہ رہا یا گویا کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان سفیر ہوں گے جو ہاتھ بڑھاتا ہے نہ کہ کمان۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو نبی علیہ السلام کو جبرئیل علیہ السلام پر افضل جانتے ہیں اور یہی اہلِ سنت کا مذہب ہے سوائے چند کے جو لوگ جبرئیل علیہ السلام کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے افضل جانتے ہیں ان کا قول ہے کہ چونکہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے قاصد ہیں تو واجب التعظیم و اتباع ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے متبع کی طرح ہوئے۔

ایک قول یہ ہے کہ القوس قاس اور یقوس سے ہے جو بعد یعنی دُوری سے عبارت ہے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بُعد نوعی تھا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر حال میں بشر ہیں اور جبرئیل علیہ السلام ہر حال میں فرشتے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اندر سے اگرچہ وہ تمام صفات زائل ہو چکی تھیں جو ملکیت ہونے سے منافی ہیں جیسے شہوت، غصہ، جہالت، خواہشِ نفس کی پیروی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریت پھر بھی برقرار تھی اور جبرئیل علیہ السلام کا وہ کمال اور لطافت جو رُوئیت کے مانع ہے لیکن پھر بھی وہ ملکیت سے خارج نہیں ہوئے۔ پس ان دونوں کے درمیان ان دونوں کی حقیقتوں کا اختلاف تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ممکنہ بشری صفات زائل ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بشریت کے افق اعلیٰ پر فائز ہوئے اور جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب آئے حتیٰ کہ وہ ملکیت کے افقِ ادنیٰ پر پہنچے۔ وہ

دونوں قریب ہوئے اور ان دونوں کے درمیان ان دونوں کی حقیقتوں کے علاوہ کچھ فاصلہ نہ تھا۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ مااوحیٰ، بیشک اللہ تعالیٰ نے وحی کی اور عبدہٗ میں دو اقوال ہیں اگر اوحی کا فاعل جبرئیل علیہ السلام ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی کی اور جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف وحی کی۔ اور اس میں اس بات کا بھی بیان ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کردہ کسی چیز میں خیانت نہیں کرتے اور عبدہٗ میں دوسرا قول یہ ہے کہ وحی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف وحی کی اور ماوحیٰ اس وحی کی تعظیم کے لیے ہے۔

رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان آیات کی ترتیب کو یوں بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے افق اعلیٰ پر انسانی مراتب حاصل کیے یعنی نبوت۔۔۔ پھر وہ جبرئیل علیہ السلام کے قریب آئے اور وہ نبوت کے مرتبے میں تھے پھر وہ رسول ہوئے اور انھوں نے استوا فرمایا اور کامل ہوئے اور لطف و کرم کے ساتھ اپنی امت کے قریب ہوئے اور قولِ رفیق کے ساتھ اور قریب ہوئے اور اپنی امت اور رب کے درمیان واسطہ بنتے رہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے واسطے کے بغیر ان کی طرف وحی کی جو وحی کی اور وحی کیا گیا تھا اس کے بارے میں بھی کئی اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ نماز کے متعلق وحی کی گئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وحی کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے کوئی نبی جنت میں نہیں جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت سے پہلے کوئی امت جنت میں نہیں جائے گی اور تیسرا قول یہ ہے کہ "ما" عموم کے لیے آیا اور اس سے مراد وہ سب ہے جو جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے۔

ماکذب الفواد مارایٰ: اس میں کئی مسائل ہیں۔ پہلا یہ کہ الفواد سے کس کا دل مراد ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ الفواد سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دل مراد ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل نے نہیں جھٹلایا اور لامِ تعریف لانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو ذکر پہلے گزر چکا ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے عبدہٖ اور وھو بالافق اعلیٰ، اور ماضل بصاحبکم، میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس لیے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لینے کی بجائے فواد کے ساتھ "ال" لگا دیا گیا اور اس کو معرفہ کر دیا گیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کہا گیا ہو کہ ماکذب الفواد یعنی اس سے دل کی جنس مراد ہو چونکہ جھٹلانے والا دل نہیں ہوتا بلکہ وہم خیال ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ وہم خیال یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کو کیسے دیکھا جاسکتا ہے یا جبرئیل علیہ السلام کو کیسے دیکھا جاسکتا ہے جبکہ وہ تو ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہیں اور دکھائی نہیں دیتے اور یونہی وہم خیال یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ اگر انھوں نے اپنے رب

کو دیکھا جو کسی جہت اور مکان میں دیکھا ہو گا اور کسی ہیئت میں دیکھا ہو گا اور یہ تمام چیزیں اس کے منافی ہیں کہ دکھائی دینے والی چیز "الٰہ" ہو۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ماکذب کے کیا معنی ہیں۔ اس میں کئی اقوال ہیں سب سے پہلا قول وہ علامہ زمخشری نے ارشاد فرمایا ہے یعنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی اور یہ نہیں کہا یہ صحیح نہیں ہے اور اگر دل ایسا کہتا تو وہ کاذب ہوتا اور اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ کَذب کی بجائے کذّب یعنی تشدید کے ساتھ ہو یعنی دل نے یہ نہیں کہا کہ دکھائی دینے والی چیز خیال ہے، حقیقت نہیں ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ دیکھنے والا کون تھا الفواد یا البصر (دل یا آنکھ) یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور چیز تھی۔ اس میں کئی اقوال ہیں پہلا یہ کہ وہ دل تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ماکذب الفواد یعنی دل نے جو دیکھا اسے جھٹلایا نہیں یعنی یہ نہیں کہا کہ یہ کوئی جن یا شیطان ہے بلکہ جو دیکھا اس پر پورا یقین رکھا کہ یہ سچ اور صحیح ہے۔ اور دوسرا یہ کہ دیکھنے والی چیز بصر یعنی نظر تھی تو ماکذب الفواد کا مطلب یہ ہو گا کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا دل نے اسے نہیں جھٹلایا اور یہ نہیں کہا کہ آنکھ جو کچھ دیکھ رہی ہے وہ خیال ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ ماکذب الفواد کا مطلب یہ ہو گا کہ جو نبی علیہ السلام نے دیکھا اس کو دل نے نہیں جھٹلایا۔ دل سے مراد دل کی جنس ہو گی یعنی مطلب یہ ہو گا کہ دل تو جھٹلاتا ہی نہیں ہے کیونکہ جھٹلانے والی چیز تو وہم و خیال ہوا کرتے ہیں۔ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ دکھائی دینے والی چیز کیا تھی۔ اس میں بھی اختلاف ہے جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ اس میں تین وجوہ ہو سکتی ہیں اوّل یہ کہ دیکھنے والی چیز سے مراد رب تعالیٰ ہیں اور دوسرا قول یہ کہ جبرئیل علیہ السلام اور تیسرا یہ کہ عجائبات الٰہیہ میں سے کچھ نشانیاں۔

افتمٰرونہ علی مایریٰ: یعنی تم کیسے ان سے اس معاملے میں جھگڑ سکتے ہو اور اس میں اپنے شکوک وارد کر سکتے ہو باوجود اس کے کہ انھوں نے جو بھی جلوہ دیکھا وہ یقینی آنکھ سے دیکھا اور دیکھنے کے بعد کوئی تشکیک نہ تھی۔ وہ متیقن اور جازم تھے اور تم کہتے ہو کہ انھیں جنون لاحق ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پچھلے معنی کو مؤکد کرنے کے لیے ہو اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید یوں فرمائی: ولقد راٰہ نزلۃً اخریٰ، عند سدرۃ المنتہیٰ، عندھا جنت الماویٰ اور یہ اس لیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ جلوہ دیکھا تو اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارضِ بسیط پر ہوتے تو اس چیز کا احتمال کرنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنون لاحق ہو گیا یہ بہت دور کی غایت تھی۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علم ضروری عطا فرمایا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جان لیا کہ دکھائی دینے والا جلوہ ایک مرسل فرشتہ ہے تو اس بات کا احتمال بہت دور ہو گیا اور یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جذب و یقین پر متاسف نہ ہوئی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس جلوے کو دوبارہ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چھٹے آسمان پر تھے وہاں تو کسی جن یا انسان کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اس میں کئی مسائل ہیں پہلا یہ کہ ممکن ہے واؤ عاطفہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ واؤ حال بیان کرنے کے لیے آئی ہو، یعنی تم ان کے دیکھے ہوئے میں کیسے شک کر سکتے ہو باوجود اس کے کہ انھیں اس میں شک نہیں اور اس میں شکوک کے وارد ہونے کا احتمال بھی نہیں ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نزلۃً، یہ فعلۃٌ کے وزن پر ہے اور نزول سے ہے جیسا کہ جلوس سے جلسہ آتا ہے تو یہ نزول کس کے لیے تھا۔ اس میں کئی اقوال ہیں ایک یہ کہ راٰہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوسری بار اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ماکذب الفواد مارایٰ، میں دیکھی ہوئی چیز مراد اللہ تعالیٰ ہے اور کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل کی آنکھ سے دوبار دیکھا۔ اس لیے انزل میں دو وجوہ کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور پھر آگے اس کے مزید دو اقوال ہیں۔ ان لوگوں کا قول جو اللہ تعالیٰ کے لیے حرکت اور انتقال کو جائز جانتے ہیں حالانکہ یہ باطل ہے اور دوسرا یہ کہ انزول سے مراد قربِ معنوی ہے نہ کہ حسی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے رحم اور فضل سے اپنے قریب کر لیتا ہے کہ وہ اپنے بندے کو دیکھتا ہے اور بندہ اس کو نہیں دیکھتا۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا ربی ارنیٰ: اے رب مجھے اپنا آپ دکھا، یعنی اپنی عظمت و جلال سے حجاب کو اٹھا دے اور رحمت اور فضل کے ساتھ اپنے بندے کے قریب ہو جا۔ اور اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب کا جلوہ دوسری بار دیکھا، یہاں نزلۃً میں دو وجوہات کا احتمال ہے ایک تو یہ کہ نزلۃً کا مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نازل ہوئے، اُترے، اپنے نفس اور خواہشِ نفس سے اُترے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص اپنی خواہش پر سوار ہوتا ہے اسے متکبر کہتے ہیں اور جو خواہشِ نفس سے اُترتا ہے اسے عاجز کہتے ہیں۔ اور دوسری مراد اس سے یہ ہے کہ یہاں نزلۃً کے معنی میں ہے عند سدرۃ المنتہیٰ مشہور یہ ہے کہ سدرۃ ایک درخت ہے جو ساتویں آسمان پہ واقع ہے اور اس پر بیری کی مانند پھل لگتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ چھٹے آسمان میں ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ "عند" ظرف مکان ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو عند سدرۃ المنتہیٰ کی آیت کیسے سمجھ میں آئے گی؟ اللہ تعالیٰ تو زمان و مکان سے وراہے اس میں پہلا قول یہ ہے کہ کچھ لوگ اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان جائز ہے جبکہ یہ قول باطل ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ عند سدرۃ المنتہیٰ کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ جلوہ دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کے

پاس تھے کیونکہ ظرف، دیکھنے والے کی وجہ سے ظرف ہوتا ہے جیسا کہ چاند دیکھنے کے متعلق مثال ہے کہ کوئی کہنے والا اگر کہے کہ تم نے چاند کو کہاں دیکھا تو وہ کہے گا کہ میں نے سطح ارض پر دیکھا یا کوئی کہے کہ میں نے فلاں شجر کے پاس دیکھا یعنی وہ چاند فلاں شجر کے پاس نہیں بلکہ دیکھنے والے کی نظر اسے وہاں یہ متصور کر رہی ہے۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے جلوے کو بھی یہی مراد لیا جائے کہ یہاں ظرفِ مکاں دیکھنے والے کے حساب سے تھا نہ کہ دکھائی دینے والے کے حساب سے۔

پھر فرمایا کہ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے اس جنت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے وہ جنت مراد ہے جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ جنت مراد ہے جہاں شہدا کی روحیں ہوں گی۔ ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں کی جنت یا مقام مراد ہے۔

اذ یغشیٰ السدرۃ ما یغشیٰ: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سدرہ پر چھانے والی چیز کیا تھی سونے کے پتنگے یا پروانے۔۔۔؟ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ یہ قول صرف دلیلِ سمعی سے ثابت ہے اور ایک روایت ہے کہ فرشتے پرندوں کی طرح سدرہ پر چھا گئے تھے اور یہی قول قریب ہے کیونکہ فرشتے شرف اور برکت حاصل کرنے کے لیے اس جگہ کی یوں زیارت کرتے ہیں جیسے انسان کعبے کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ چھانے والی چیز سے مراد اللہ تعالیٰ کے انوار ہیں اور یہی قول ظاہر ہے کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی ڈالی جیسا کہ پہاڑ پر ڈالی اور اللہ تعالیٰ کے انوار ظاہر ہوئے لیکن مقامِ سدرہ پہاڑ سے بھی زیادہ قوی ہے کہ وہ ثابت رہا جبکہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ سدرہ کے درخت نے حرکت بھی نہ کی۔ موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے تھے جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غیر متزلزل رہے۔

ماذاغ البصر وماطغیٰ: البصر کی شروع کا "ال" دو وجوہ کا متحمل ہو سکتا ہے اور ان میں سے معروف یہ ہے کہ اس سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر مراد ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ سدرہ پر چھانے والی چیز سونے کے پتنگے تھے تو معنی ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر ان کی طرف مائل و مشغول نہ ہوئی اور اپنے مقصود سے نہ ہٹی۔ اس قول کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سدرہ پر پتنگوں کا چھا جانا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امتحان کے لیے تھا اور اگر انوارِ الٰہی مراد ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر دائیں بائیں مائل نہ ہوئی اور اسی جلوے میں مشغول رہی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برخلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی بے ہوشی کا شکار نہیں ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی نظر قطع ہو گئی تھی اور ان پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ پہلے قول میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ادب جبکہ دوسرے میں ان کی قوت کا بیان ہے۔

وماطغیٰ، یہ ایک مستقل جملے کا دوسرے مستقل جملے پر عطف ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے انوار کے ظہور کے وقت فرمایا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر نہیں تھکی اور نہ ہی التفات کی وجہ سے حد سے آگے بڑھی اور سدرہ پر پتنگے چھانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان پر التفات نہیں فرمایا یعنی پتنگوں اور ماسوا اللہ کسی چیز پر توجہ نہیں فرمائی۔ لہٰذا مازاغ کا مطلب یہ ہوگا کہ انوارِ الٰہیہ کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف نگاہ مائل نہ ہوئی اور ماطغیٰ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس سے زیادہ کا مطالبہ بھی نہیں فرمایا۔ لقد رایٰ من اٰیٰت ربہ الکبریٰ: اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھیں اور اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ لیکن اس میں اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ قصہ ٔ معراج کو رؤیتِ آیات پہ ختم کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا سبحان الذی اسریٰ۔۔۔ لنریہٗ من اٰیٰتنا، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لقد رایٰ من اٰیٰت ربہ الکبریٰ سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت پر دیکھا اور رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں آیات سے مراد جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ نشانیاں مراد ہیں اور اگرچہ جبرئیل علیہ السلام بھی عظیم ہیں لیکن الکبریٰ، الاکبر کی تانیث ہے گویا کہ یہ کہا جارہا ہے کہ انھوں نے اپنے رب کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی کو دیکھا۔

(۴) کتبِ سیرت:

اصحابِ کتبِ سیرت نے واقعہ ٔ معراج کو بالتفصیل موضوع بنایا ہے اور مشہور روایات سے تقابل واستدلال کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "دلائل النبوۃ" میں لکھتے ہیں [۵۱] کہ روایات میں معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل یا بعض میں چھ ماہ قبل بتایا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں روانہ ہوئے اور دورانِ سفر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر یثرب (مدینہ) اور مدین میں شجرۂ موسیٰ کے پاس اور بیت اللحم میں نماز ادا کی۔ پھر مسجدِ اقصیٰ میں ایک ایسے دروازے سے داخل ہوئے جس سے چاند اور سورج دونوں جھک رہے تھے یا ڈھلتے نظر آرہے تھے۔ پھر مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھی اور شدید پیاس نے آن گھیرا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دودھ اور شہد سے بھرے دو پیالے پیش کیے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے دودھ کو چُن لیا۔ بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس ضمن میں تین طرح کی روایات نقل کی ہیں اوّل یہ کہ دودھ اور شہد پیش کیا گیا، دوم یہ کہ دودھ اور شراب پیش کی گئی، سوم یہ کہ پانی، دودھ اور شراب پیش کی گئی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اسی شہر کی ایک وادی تک لے چلے یہاں سے یکایک جہنم منکشف ہو

گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام قریش کے ایک قافلے کے ساتھ سے بھی گزرے جن کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا اور واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قریش سے سفر کی نشانیوں میں اس قافلے سے ملاقات کا ذکر بھی کیا۔ وہ قافلہ پہنچا تو نشانیاں درست ثابت ہوئیں نیز لوگوں نے بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ کے متعلق سوالات کیے تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے کر دیا۔ اُن لوگوں نے کہا بہر حال صفات اور نشانیاں تو انھوں نے درست بیان فرمائی ہیں لیکن پھر بھی اسریٰ و معراج پر یقین نہ لائے۔

بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت کا ذکر بھی کیا ہے کہ ایک قافلے کے شرکاء، رفقاء، قافلے کی علامت اور نشانی بتائی تو لوگوں نے پوچھا قافلہ کب پہنچے گا؟ جب وہ دن آپہنچا تو کفار ایڑیاں اٹھا اٹھا کر اس کی آمد کا انتظار کرنے لگے جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُعا فرمائی تو سورج آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقصد پر رُک گیا۔ لیکن بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں احادیث کے راوی مجہول ہیں اور اسناد منقطع ہیں۔ بعض مقامات پر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیت المقدس میں نماز نہیں پڑھی اور نہ ہی جانور کو باندھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے مسخر تھا۔ بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ برّاق ایک جانور اور مخلوق تھا اور عادت اسی طرح جاری و ساری ہے کہ جانور باندھے ہی جایا کرتے ہیں گو کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بغیر باندھے بھی اس کی حفاظت کرے اور احادیث یہ بھی ثابت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیت المقدس میں نماز پڑھی۔

سفر معراج کے متعلق بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہی احادیث مفصل بیان کی ہیں جو صحیحین میں مروی ہیں۔ جنت و دوزخ کے مشاہدات بھی درج کیے ہیں۔ یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک پاکیزہ خوشبو پہنچی جو فرعون کی بیٹی کی مشاطہ کے محل سے آرہی تھی جسے اس کے بچوں سمیت فرعون نے آگ میں ڈال دیا تھا مگر وہ موحدّ و صابر رہی۔ سورۃ النجم کی آیات کے حوالے سے بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آسمانوں پر جبرئیل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھا جس کی کیفیت ایسی تھی کہ انھوں نے افق سماء کو بھر رکھا تھا۔ علامہ نے رؤیتِ الٰہی کے متعلق شریک کی حدیث کو زیادتی اور اضافہ قرار دیا ہے جس کے ساتھ (شریک) منفرّد ہے۔

امام ابن قیّم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "زاد المعاد" [۵۲] میں واقعۂ معراج کی روایات کو فرداً فرداً دہرانے کے بجائے اجمالاً بیان کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیدارِ الٰہی کے

متعلق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اختلافِ رائے کا ذکر کیا ہے اور بچشمِ سر دیدارِ الٰہی کی روایات کو بعض اصحاب کے تصرّف کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ خبرِ معراج پر کفار کا ردّ عمل بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی قوم کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ عظیم آیات دکھائیں تو انھوں نے سختی سے تکذیب کی، ایذا رسانی پر اُتر آئے اور ان کو بیت المقدس کی صحیح نشانیاں بتانے کے باوجود بھی متنفر و منکر رہے۔

ابنِ قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ معراج ایک سے زیادہ بار ہوئی یہ تمام خبط ہے اور اربابِ نقل کے ظاہر پرست ضعفاء کا کارنامہ ہے کہ جب انھوں نے دیکھا کہ واقعۂ معراج میں بعض الفاظ دوسری روایات کے سیاق کے خلاف پڑتے ہیں تو انھوں نے اسے ایک مرتبہ اور ہونا قرار دے دیا۔ اس کے بعد جوں جوں اختلافِ روایات محسوس کیا معراج کے مزید واقعات مانتے چلے گئے اور صحیح وہی ہے کہ جس پر آئمہ حدیث متفق ہیں کہ واقعۂ اسراء بعثت کے بعد اور ایک ہی بار ہوا۔

ابنِ قیم نے شبِ معراج اور شبِ قدر کے مابین تفاضل کے مسئلے پر بھی ابنِ تیمیہ کی رائے پیش کی ہے[۵۳] کہ کسی مخصوص جگہ یا وقت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کوئی حکمت عطا فرمائی تو اس جگہ یا وقت کو جمیع امکنہ یا ازمنہ سے زیادہ محترم ثابت کرنے کے لیے نعمتوں کی مقدار کا یقینی اور اشیاء کی اصلیتوں کا صحیح علم ضروری ہے جو وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا اور علم کے بغیر ان مباحث میں حصہ لینا کیس کے لیے بھی روا نہیں۔ بعض لوگوں کا یہ قول بھی یہاں منقول ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں ہونے کے باعث ان کے لیے زیادہ افضل ہے اور لیۃ القدر امت کے حق میں ہونے کے باعث امت کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

قاضی عیاض نے "الشفا" کے ایک باب میں وہ روایات مجتمع کی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام و مرتبہ اور فضیلت کو ثابت کرتی ہیں ان میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں شبِ معراج برّاق لایا گیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ شوخی کی تب جبرئیل علیہ السلام نے اس کو کہا کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ شوخی کرتا ہے؟ تم پر ان سے بڑھ کر خدا کا کوئی مکرم سوار نہیں ہوا پھر وہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔[۵۴] اسی طرح ابنِ قانع قاضی الحمراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جب مجھ کو آسمان کی سیر کرائی گئی تو میں نے عرش پر لکھا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔[۵۵] قاضی عیاض بیان کرتے ہیں کہ قصۂ معراج آپ صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفعت وترقی کے درجات پوشیدہ ہیں۔ انھوں نے معراج سے متعلق احادیث میں سے کامل تر کو مقدم کیا ہے جو انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابنِ شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔ بزار کی ایک روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُذان سکھائے تو برّاق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس پردہ تک لے گیا جو اللہ تعالیٰ تک ملا ہوا تھا۔ پردہ میں سے ایک فرشتہ نکلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے استفسار پر جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ میں نے اس فرشتے کو پیدائش سے اب تک نہیں دیکھا تھا۔ اس فرشتے نے اُذان کے الفاظ ادا کیے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آگے لے گیا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آسمان والوں کی امامت کی جن میں آدم علیہ السلام ونوح علیہ السلام سے تھے۔ قاضی عیاض نے صراحت کی ہے کہ پردہ ذاتِ الٰہی سے مختص نہیں۔

> "اس حدیث میں پردے کا جو ذکر ہے تو وہ مخلوق کے حق میں ہے نہ کہ خالق کے حق میں۔ پس وہ لوگ محجوب ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اس کو چھپائے کیونکہ حجاب اس کو چھپاتے ہیں جو کہ اندازہ میں آئے اور محسوس ہو لیکن اس کے پردے اس کی مخلوق کی آنکھوں اور عقلوں اور سمجھوں پر ہیں جس کے ساتھ چاہے اور جیسے چاہے۔"(۵۶)

مزید لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام اسی مقام پر سنا لیکن پردہ کے پیچھے سے پھر اگر یہ بات صحیح ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا تو یہ احتمال ہے کہ اس مقام کے علاوہ اس کے بعد یا پہلے اور موقع پر دیکھا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھ سے پردہ اٹھا دیا ہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا ہو۔

قاضی عیاض اس کے قائل ہیں کہ معراج جسم کے ساتھ اور بیداری میں ہوئی کہ اس پر آیت اور صحیح احادیث وقیاس دلالت کرتے ہیں اور ظاہر وحقیقت سے تاویل کی طرف اس وقت جانا چاہیے جن کے ظاہری معنی لینا محال ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیدارِ الٰہی کیا اس ضمن میں اختلافاتِ سلف کو قاضی عیاض نے مفصل بیان کیا ہے اور اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی ہو کر دیدارِ الٰہی کا سوال کیا تھا تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ امر خدا پر جائز تھا تبھی سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں اس لیے منع ہے کہ اہلِ دنیا کی ترکیب اور قویٰ میں ضعف ہے آخرت میں انھیں ثابتہ باقیہ قوتیں عطا ہوں گی تو انھیں دیدار کی قوت دی جائے گی۔ لیکن اگر اللہ اپنے بندے کو دیدار کے بوجھ اٹھانے پر قادر کر دے تو اس کے حق میں یہ

محال نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا کلام سننا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں بعید ہے۔ دو کمانوں کے برابر قرب کے متعلق قاضی عیاض نے کئی روایات سے تصریح کی ہے جن کا ذکر تفسیرِ رازی کے باب میں دنا فتدلیٰ، فکان قاب قوسین، کی تفسیر کے ضمن میں آچکا ہے۔

علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں (۵۷) کہ واقعۂ معراج معجزات میں سب سے بڑی نشانی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمومِ کرامات کے ساتھ تخصیص پر سب سے زیادہ مکمل دلالتوں میں سے ہے۔ انھوں نے نقاطِ اختلاف کی حد بندی کرتے ہوئے، اختلاف کا یہ مناقشہ تفصیل سے بیان کیا ہے جو حضرات فرماتے ہیں کہ اگر مسجدِ اقصیٰ سے اوپر کا اسراء بھی جسم کے ساتھ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ذکر فرماتا۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اگر مسجدِ اقصیٰ تک کا ذکر قریش کے سوال کی بنیاد پر تھا کہ انھوں نے بیت المقدس کی جو صفت مشاہدہ کی اور اسے پہچانا اس کے ذریعے ان کا امتحان لینا مقصود تھا اور انھیں معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی اس طرف سفر نہیں کیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علم کے مطابق ان باتوں کا جواب دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھی تھیں اور ان کے خلاف حجت قائم ہوگئی اور انھیں آسمانوں کی معلومات نہ تھیں اس لیے اس چیز کا سوال نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آسمانوں میں کیا دیکھا رات کو معراج کرانے میں یہ حکمت بیان کی ہے کہ رات کا وقت محبین کے لیے خاص ہے۔

علامہ قسطلانی نے اسراء سے متعلق تصانیف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اسراء و معراج سے متعلق صحیحین کی احادیث درج کرنے کے بعد "فتح الباری" از ابنِ اسحاق کی طرز پر یوں جمع کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات کے وقت حضرت امِ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھے اور ان کا گھر شعبِ ابی طالب کے پاس تھا۔ چنانچہ گھر کی چھت کھل گئی اس گھر کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اس لیے کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں رہائش پذیر تھے۔ پس وہاں سے فرشتہ اُترا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گھر سے مسجد کی طرف لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں لیٹے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اونگھ کا اثر تھا پھر فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مسجد سے باہر لایا اور برّاق پر سوار کر دیا۔ شقِ صدر کے تین واقعات کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پہلی بار شقِ صدر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب سے زائد حصہ نکالنے کے لیے ہوا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کامل حالت میں پروان چڑھیں۔ بعثت کے وقت شقِ صدر کی حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وحی کو قوی دل کے ساتھ پاکیزگی کے نہایت کامل حال کے ساتھ قبول کریں۔ تیسری بار شقِ صدر کی حکمت یہ تھی

کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ملاءِ اعلیٰ تک جانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ بلند و بالا مقام پر رہیں اور اسماء حسنیٰ کی تجلیات کے لیے قوت حاصل ہو۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایسی تیاری نہ ہوئی کیونکہ انھیں دیدارِ خداوندی نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شقِ صدر پر صبر فرمانا اسی قسم کی فضیلت ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حاصل ہوئی کہ آپ علیہ السلام نے ذبح کے مقامات مثلاً باندھا جانا، پیشانی کے بل لٹایا جانا نیز آپ علیہ السلام کے مبارک گلے پر چھری پھیرنا وغیرہ امور پر آپ علیہ السلام نے صبر کیا۔

حدیث کے ان لفاظ پر کہ ایمان و حکمت سے بھر اتھال لایا گیا، سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا معانی کا مجسم ہونا جائز ہے؟ اس ضمن میں مؤلف نے حدیث اور متکلمین کے اقوال کو یوں جمع کیا ہے کہ مخلوقات میں سے وہ چیزیں جن کا حواس ادراک نہیں کر سکتے اور نہ کسی نبی نے ان کی حقیقت کی خبر دی ہو ان کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتے اور نہ وہ ثابت ہیں۔ شقِ صدر اور پھر اس میں ایمان و حکمت کو بھرنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تصدیق کی قوت، مشاہدہ کی قوت، تمام ہلاکت خیز طریقوں سے بے خوف ہونے کی قوت حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے غیر سے نہ ڈرنے کا وہ کمال حاصل ہو گیا جو مقصود تھا تبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سدرہ سے آگے مقامِ نور میں بے جھجک داخل ہو گئے۔ مزید لکھتے ہیں کہ برّاق کے خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا سفید جانور ہونے اور گھوڑے کی صورت نہ ہونے میں یہ حکمت تھی کہ یہ امن و سلامتی کی سواری ہے لڑائی اور خوف کی نہیں۔ یہ برّاق نبیوں میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوار ہونے کے وقت اس کی شوخی کا باعث نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملنے والے اعزاز کی خوشی اور تفاخر تھا۔ پھر سفر معراج اور انبیاء و ملائکہ سے ملاقات کا حال بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ ملائکہ کا یہ پوچھنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کون ہے؟ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کا علم ہو چکا تھا ورنہ وہ یوں کیوں پوچھتے کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ اور موسیٰ علیہ السلام کا رونا (نعوذ باللہ) حسد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ یہ ان کی طرف سے اپنی امت پر رحمت تھی ۔یہ فضل و کرم اور جود و سخا کا وقت تھا اور وہ اُمید رکھتے تھے کہ اس وقت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی امت پر رحمت فرمائے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونے کے متعلق مختلف روایات کو استاذ عبد العزیز المھدوی کے حوالے سے یوں جمع کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معراج سے واپسی پر لوگوں کو ان کے مراتب اور عقل کے

مطابق خبر دی۔ پس کفار کو جو لوگوں میں آخری درجے پر ہیں وہ بات بتائی جو راستے میں دیکھی اور جو کچھ مسجدِ اقصیٰ میں دیکھا نیز جن چیزوں کی ان کو پہچان حاصل تھی کیونکہ وہ جسموں کے فلک میں تھے حتیٰ کہ انھوں نے اسراء (زمین سفر) کی تصدیق کی پھر ترقی کرتے ہوئے آسمانی فلک کے بارے میں بتایا۔ اسی طرح ہر آسمان میں جو کچھ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر فلک میں جو کچھ دیکھا ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے مقام و مرتبے کے مطابق بتایا۔ ساتویں آسمان تک کا ذکر کیا جب مقامِ جبرئیل علیہ السلام تک پہنچے تو افق مبین کے بارے میں بتایا اور اس سے اوپر جو قربِ خداوندی حاصل ہوا جہاں سے وحی آتی ہے اور صورتیں اور تخلیق سب ساکت ہو جاتی ہیں تو اس کے بارے میں اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا۔ پس ان میں سے بعض نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو افقِ مبین پر دیکھا تو انھوں نے سچ کہا۔ بعض نے دل اور بصیرت سے دیکھنے کا قول کیا تو انھوں نے بھی سچ کہا اور بعض نے کہا کہ بچشم سر رب کو دیکھا تو انھوں نے بھی سچ کہا تو ہر ایک نے اسی بات کی خبر دی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے مقام کے مطابق اس سے بیان کی اور اس کو وہی پیالہ پلایا جو اس کے لائق تھا۔ پس جب یہ معراج صحیح ہے تو یہ سب باتیں صحیح ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "مدارج النبوۃ" میں لکھتے ہیں (۵۸) کہ صحابہ، تابعین اور اتباع کے مشاہیر علماء اور ان کے بعد محدثین، فقہاء اور متکلمین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معراج بحالتِ بیداری جسم کے ساتھ ہوئی۔ اس پر احادیثِ صحیحہ اور اخبارِ صریحہ متواتر ہیں۔ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اسرات اور معاریج بہت تھیں اور بعض نے چونتیس کہا ہے جن میں سے ایک تو بچشم، بیداری سے تھی باقی خواب میں روحانی تھیں۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ نشانیوں کا دکھانا اور غایت کرامات و معجزات کا ظاہر فرمانا آسمانوں میں تھا جو مسجدِ اقصیٰ میں واقع ہوا۔ اس پر انحصار نہیں بلکہ وہ اس معراج کا مبدا ہے اور واقعہ اگر خواب میں ہوتا تو قریش اسے مستعبد نہ جانتے۔ مشاہدۂ ملکوت اگرچہ بیداری میں ہے مگر وہ ایک قسم کی عالم محسوسات سے غیبوبیت ہے اسی کو بین النوم والیقظہ یعنی نیند و بیداری کی درمیانی حالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ معراج کے بحالتِ خواب ہونے کے متعلق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال کے متعلق شیخ لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حال کا مشاہدہ نہیں کیا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی سے سنا کیونکہ یہ قصۂ معراج ہجرت سے پہلے کا ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ہجرت بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اس وقت بھی وہ سات آٹھ سال کے بچے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس نہ تھیں اور نہ ضبط و حفظ کی عمر ہی تھی بلکہ ممکن ہے پیدا ہی نہ ہوئی ہوں۔

صاحبِ سیرت نے اثباتِ معراج شریف، ذکر برّاق، سدرۃ المنتہیٰ تک رسائی، رویت الٰہی، مراجعت از معراج شریف اور دیدارِ الٰہی میں اختلافِ سلف، کے عنوانات سے تفصیلاتِ معراج بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شقِ صدر کا مقصد یہ تھا کہ کمال طہارت و صفا کے ساتھ عالمِ ملکوت میں پہنچنے میں مستعد و منتہیٰ ہوں۔ اسی قیاس پر وضو ہے کہ نماز سے پہلے پاکیزگی ہوتی ہے۔ اسی لیے نماز معراج کا نمونہ ہے اور برّاق کے بھیجنے میں یہ حکمت تھی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم و تکریم مقصود تھی جس طرح کے محبین اپنے محبوب کے لیے گھوڑا بھیجتے ہیں اور اخص و خواص جو محرم و انیس مجلسِ خاص ہو اس کے بلانے کے لیے پیادوں کو بھیجتے ہیں اور رات کے وقت جو خلوتِ خاص کا وقت ہے غیروں کی آنکھوں سے بچا کر بلاتے ہیں۔ حمیر سے پست اور حمار سے بلند نہ بر شکل فرس، برّاق بھیجنے کی حکمت یہ ہے کہ بلانا سلامتی و امن میں ہے نہ کہ حرب و خوف میں اور برّاق کی تیز رفتار اظہار معجزہ کے لیے تھی۔ مسجدِ اقصیٰ میں امامتِ انبیاء کے بعد آسمانوں کا سفر کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک رسائی ہوتی ہے جس کا سایہ طویل، مزا اور بُو لطیف ہے۔ یہاں سے چار نہریں نکلتی ہیں دو ظاہر ہیں اور دو باطن ہیں جو نیل و فرات کہلاتی ہیں۔ مصنف نے یہاں بیت المعمور کے عجب العجائب مظاہر بیان کیے ہیں اور ابنِ قیم کے حوالے سے اقلام کی بارہ اقسام کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشاہدہ میں جنت و دوزخ لائی گئی انہی صفات کے ساتھ جو کتاب و سنت میں مذکور ہے۔

رویئت الٰہی اور وصل کے عنوان سے شیخ رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تنہا ستر نورانی حجاب (جو ایسے ہیں کہ ایک حجاب دوسرے حجاب کے ہم مثل نہ تھا) کو حق تعالیٰ کی امداد و اعانت سے قطع فرمایا اور اس وقت کی خاص قسم کی حیرت و دہشت اور حق تعالیٰ کی جلالت و عظمت سے انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو پیدا فرمایا کہ وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشابہ آواز میں نِدا پیدا کرے ۔۔۔ "قف یا محمد فان ربک یصلی" (جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے کلام کے وقت عصا کے ذکر سے انسیت ہوئی)۔ پھر رب تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان بے کیف و حد بڑھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اوّلین و آخرین علم عطا فرمایا گیا۔ پھر سبز رنگ کی رفرف بچھائی گئی جس سے مراد نرم اور دیبا و غیرہ سے بنا بچھونا ہے۔ اس رفرف کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لے کر روانہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امرِ عظیم کا مشاہدہ کیا جس کی توصیف سے زبانیں قاصر

ہیں۔ پھر عرش سے ایک شیریں قطرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب آیا اور زبان پر گرا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل کو روشن کر دیا۔ عرش کے نور نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھ کو ڈھانپ لیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام چیزوں کو دل سے دیکھا اور اپنے پس پشت بھی ایسا ہی دیکھا جیسا اپنے سامنے دیکھتے ہیں۔ شیخ محقق نے مراحلِ معراج کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مفسرین کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایات بیان کی ہیں اور معراج سے واپسی پر کفار اور مسلمانوں کے ردِ عمل میں مشہور روایات کا ذکر کیا ہے۔ دیدارِ الٰہی میں اختلافِ سلف کی بابت بھی مستند حوالے پیش کیے ہیں۔ قدیم و جدید صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال کے بعد شیخ نے اپنی رائے یوں پیش کی ہے:

> "دلائل و اخبار اور آثار پر نظر کرتے ہوئے علماء کا کلام یہی ہے لیکن اتنا خلجان رہتا ہے کہ یہ معراج جو اتم مقامات اور اقصیٰ کمالات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے اور کسی ایک نبی کی شرکت نہیں اور نہ اس مقام میں کسی انسان یا فرشتہ کی گنجائش ہے تو جائے تعجب ہے کہ اس مقام میں لے جایا جائے اور خلوتِ خاص میں حضوری کرائی جائے اور سب سے اعلیٰ و اقصیٰ مطلوب جو کہ دیدار نہ کرنے پہ راضی ہوں۔ اگرچہ کمال بندگی اور حق تعالیٰ کی کبریائی کی سطوت کا ادب اس کا متقفی ہے کہ سوال نہ کیا جائے اور ذوقِ کلام سے مست ہو کر خوشی و مسرت کا اظہار کریں اور دیدار کی خواہش نہ کریں۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا لیکن کمال محبت و محبوبیت جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنابِ قدس سے ہے، کہاں باز رکھتا ہے درمیان میں کوئی حجاب باقی رہے اور یہ دولت، طلب سے ہاتھ نہ آئے۔"(۵۹)

ابنِ ہشام نے اسراء اور معراج کے سفر کی بابت ابنِ اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے(۶۰) کہ واقعۂ معراج میں عقلمندوں کے لیے درس و عبرت اور ہدایت و رحمت ہے۔ ایمانداروں، تصدیق کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر یقین رکھنے والوں کے لیے ثابت قدمی ہے۔ واقعۂ معراج کے بیان، کفار کی تکذیب اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق کے ذکر کے بعد ابنِ ہشام نے ان روایات کو درج کیا ہے کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ حقیقت کیا تھی۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں (یعنی بیت المقدس) تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو چیزیں دیکھیں خواہ وہ کسی حالت میں ہوں چاہے نیند میں ہوں یا بیداری میں غرض یہ واقعہ حق اور سچ ہے۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تسلیم کرتے ہیں(۶۱) کہ اسراء و معراج بیداری میں ہوئی اور حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جسم مبارک کے ساتھ تشریف لے

گئے ۔(اس ضمن میں علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کچھ ایسی روایات بھی نقل کی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بستر سے غائب پا کر لوگ انھیں ڈھونڈتے رہے اور جبکہ دیگر کتب میں یہ ذکر بہ تکرار ملتا ہے کہ زمینی وقت کے حصار سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ مراحل طے کیے اور یہاں کے وقت کے مطابق ایک پل میں واپس پہنچ گئے)۔اسراء کے موقع پر شقِ صدر کے حوالے سے کئی روایات نقل کی ہیں اور بیان کیا ہے کہ تابوت سکینہ کے طشت میں تمام نبیوں کے قلوب دھوئے گئے لیکن شقِ صدر کا ایک سے زیادہ بار ہونا صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیت ہے۔ برّاق کے نام سے اسباب پر بھی بات کی ہے۔ برّاق کا تفصیلی حلیہ بھی بیان کیا ہے۔ ان روایات سے بھی بحث کی ہے کہ آیا گزشتہ پیغمبر بھی اسی براق پر سوار ہوئے یا برّاق کی سواری صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیت ہے۔ وہ روایت بھی بیان کی ہے کہ ابو سفیان نے قیصرِ روم کے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرتبہ کم کرنے کو معراج کی بات سنائی تو دربار میں موجود راہب نے واقعۂ معراج کی تصدیق کر دی۔ صحرہ مقدسیہ (یعنی بیت المقدس کا پتھر) کے عجائبات اور اس کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حورانِ جنت سے ملاقات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُذان و تکبیر کی تعلیم دینے اور انبیاء وملائکہ کی امامت کرانے کا بیان ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم برّاق پر سوار ہو کر ہی جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں مکہ واپس پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جن انبیاء کرام علیہ السلام کے حلیے بیان کیے ان روایات کے اشکالات پر بحث کی ہے۔ بیت المقدس سے معراج کیے جانے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ آسمان کا وہ دروازہ جس کو مصعدِ ملائکہ کہا جاتا ہے ٹھیک بیت المقدس کے سامنے ہے۔ لہٰذا یہاں سے معراج ہونے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سیدھے بلندی کی طرف تشریف لے گئے اور راستے میں پیچ و خم اور گھماؤ پھیراؤ نہیں ہوا۔ اسراء کے سفر کے عجائبات بالتفصیل بیان کرنے کے بعد، واقعۂ معراج کو الگ عنوان سے تفصیلاً بیان کیا ہے [۶۲] کہ یہ واقعہ حقیقت میں جاگنے کی حالت میں پیش آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بچشمِ سر اپنے رب کا دیدار کیا۔ حق تعالیٰ نے اس مقصد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وہ عظیم بینائی اور آنکھوں کو وہ طاقتور نور دیا جس کے سبب آپ علیہ السلام ذاتِ کبریائی کا جلوہ کر سکے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سفر آسمانی اور ہر آسمان پر پیغمبروں سے ملاقات کے متعلق تفصیلی روایات درج ہیں جن میں ان پیغمبروں کے اہم خصائص وواقعات کا بھی بیان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سدرۃ المنتہٰی تک پرواز، اس درخت کی ہئیت، اس درخت کے پھل، جنت کی زیارت، نیل وفرات، نہرِ کوثر اور نہرِ رحمت کا بھی ذکر ہے۔ سدرہ کے سنہری پروانوں جبرئیل علیہ السلام کے اصل شکل میں دکھائی دینے اور صریرِ اقلام کا ذکر ہے۔ یہاں تک جبرئیل علیہ السلام کا

سفر رُک گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تنہا بذریعہ رفرف بڑھے، ربِ عزوجل کی تجلیات سے بہرہ مند ہوئے، اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف علوم کا القا کیا گیا۔ پانچ نمازوں کی فرضیت قائم ہوئی۔ علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہ روایات بھی لکھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج سے واپسی بذریعہ برّاق نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بغیر برّاق ہی واپس پہنچا دیا۔ نیز دیدارِ الٰہی کی نوعیت سے متعلق بیشتر روایات اور ان کے اشکالات بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ اسراء اور معراج ایک ہی رات میں ہوئیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے لوگوں سے بتدریج بیان کیا۔

(۵) کتبِ تاریخ:

کتبِ تاریخ میں واقعہٴ معراج کا ذکر نسبتاً مختصر ہے۔ موٴرخین نے تفاسیر واحادیث کی مشہور روایات کو دہرانے سے بالعموم گریز کیا ہے۔ احمد بن یحییٰ البلاذری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "انساب الاشراف" میں بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حجرِ اسود کے پاس سو رہے تھے جب جبرئیل علیہ السلام برّاق لے کر آئے اور اسے ہجرت سے ایک یا ڈیڑھ سال قبل کا واقعہ قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں ابنِ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایات کا مختصر ذکر کیا ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آسمانوں میں انبیاء سے ملاقات، دودھ اور شراب کے پیالے کا ذکر، قریش کے بطلان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نشانیاں بیان کرنے کا ذکر ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج روحانی تھی یا جسمانی اس کے متعلق روایات کا بھی ذکر ہے۔[۶۳]

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون نے "تاریخ ابنِ خلدون" میں معراج سے متعلق مختلف آراء کا ذکر کیا ہے۔ کتاب "الشفا" اور "تفسیرِ کبیر" میں درج روایات کو یہاں نقل کیا ہے۔ ابنِ خلدون نے معراجِ جسمانی یا علم رؤیا کے واقعات کو بوجہٴ شہرت ذکر نہیں کیا اور خیال ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضروریات دین کے اعتقادی اور عملی دونوں احکام جو معراج میں مرحمت فرمائے وہ بیشتر سورۃ اسراء میں مذکور ہیں۔ اور اس خیال کی تائید میں سورۃ اسراء کی آیات ۲۲ تا ۳۹ درج کی ہیں۔[۶۴]

"تاریخ ابنِ کثیر" میں معراج کے زمانہٴ وقوع کے متعلق جملہ اقوال وروایات پیش کی گئی ہیں مثلاً ابنِ عساکر نے اسے اوائل بعثت جبکہ ابنِ اسحاق، بیہقی، موسیٰ بن عقبہ اور ابنِ لہیعہ نے اسے نبوت کے دسویں سال یا ہجرت کے سال کا واقعہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح مختلف راویوں نے اسے رجب، رمضان، ذیعقد یا ربیع الاول کی ایک رات قرار دیا ہے۔ اس کے بعد آیتِ اسراء کی

وضاحت کے لیے جو روایات درج کی ہیں وہ بیشتر ابنِ اسحاق کی روایات کا خلاصہ ہیں۔ پھر سورۃ النجم کی آیات کی جو وضاحت "تفسیر ابن کثیر" میں ہے اس کو مختصراً بیان کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج کو عینی مشاہدہ تسلیم کرنے والوں میں ابنِ جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام سُہیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام لکھے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (اور دیگر) کی اس بات کو مدلّل اور قرینِ قیاس قرار دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب سیر سماوات سے بیت المقدس واپس تشریف لے آئے ہوں گے تو انبیاء نے نمازِ فجر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتدا میں اس وقت ادا کی ہو گی کیونکہ نمازِ فجر کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم برّاق پر سوار ہو کر واپس مکہ تشریف لائے تھے جب صبح ہو گئی تھی۔ (۶۵)

علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "تاریخِ طبری" میں معراج کا مختصراً ذکر کیا ہے جن میں یہ روایات بھی شامل ہیں کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبوت ملی تو جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کعبے کے گرد سو رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیٹ چاک کر کے شک، شرک، جاہلیت یا ضلالت کا میل کچیل دھو ڈالا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آسمان میں لے گئے (جبکہ دیگر واقعات میں ملتا ہے کہ یہ بعثت کے بعد شقِ صدر کا یہ واقعہ معراج کے واقعے سے الگ ہے) نیز یہ روایت بھی لکھی ہے کہ دوسرے آسمان پر جبرئیل علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ننھیالی بھائی ہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت پر پچاس نمازوں میں کمی عشر کی وجہ کی گئی۔ (۶۶)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن سعد البصری نے "طبقات ابنِ سعد" میں یہی روایت کیا ہے کہ شبِ معراج ۱۷ رمضان یا ۱۷ ربیع الاول کو ہوئی اور جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام دونوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے۔ پھر ابنِ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُمّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات نقل کی ہیں جن میں محض بیت المقدس کے سفر، آسمانوں میں انبیاء سے ملاقات، جنت و دوزخ کے مشاہدے کا ذکر ہے۔ رؤیتِ الٰہی یا معراج کے آخری مقام کے متعلق کوئی بحث نہیں اٹھائی۔ (۶۷)

فصل سوم:

مراحلِ معراج النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

معراج النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دو حصوں پر مشتمل ہے اوّل: مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر، دوم: بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ اور لامکاں تک کا سفر۔

شیخ محمد متولی الشعراوی لکھتے ہیں :

"الاسراء: المعراج پر ایمان کے لیے عملی ایناس تھا، اللہ سبحان و تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خاطر مسافت اور زمان کا قانون توڑا۔" (۶۸)

انسانی فطرت تدریج کا مادہ رکھتی ہے، عقلِ انسانی عجائبات کا مرحلہ وار تجزیہ کرتی ہے۔ یوں اسراء گویا ایک مقدمہ کی طرح تھا تاکہ لوگ معراج کی خبروں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق کریں۔ بیت المقدس تک کے سفر کا تحیر، سفرِ آسمانی کے لیے ذہنِ انسانی میں اُنسیت پیدا کرتا ہے۔ اسراء کا فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا جب اس فعل کو کرنے والی قوت بشری نہیں تو اسے قوتِ بشری سے ناپنا بھی ناممکن ہے۔ الشعراوی نے سبحن الذی اسراء۔۔۔ میں بیان کردہ آیتِ ارضی میں فعل "الارأہ" کی وضاحت یوں کی ہے کہ اس سے مراد ہے جو نہ دیکھ سکے اسے دیکھنے کے قابل بنانا، دیکھنے والے کی نظر کے قانون کو دکھانے والے کے قانون کے مطابق کر دیا گیا۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی آنکھوں کا مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، جن دور لکھے ہوئے حروف کو وہ پڑھ نہیں سکتا، ڈاکٹر کے چشمہ لگا دینے سے وہ انھیں با آسانی پڑھ لیتا ہے اور قریب محسوس کرتا ہے۔ یہاں نظر تو نہیں بدلی، لیکن دکھانے والے کا قانون لاگو ہو گیا نظر کے زاویے کو تبدیل کر دیا گیا۔ یہ اسی ارأت کی وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان انبیاء کرام علیہ السلام کو دیکھا جو وصال فرما چکے تھے۔ الاسراء میں اللہ تعالیٰ نے خود کو فاعل بنایا جبکہ معراج پہ چلے جانے کے بعد یہ ارأت تبدیل ہو گئی۔ یہاں فاعل خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اس لیے فرمایا گیا کہ ان کی آنکھ نے جلوے دیکھے۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سفرِ معراج کو تین اصطلاحات میں بیان کیا ہے:

"معراج کا ذکر نکلا، ایک عزیز حاضر تھے انھوں نے عرض کی کہ معراج کی کیا نوعیت تھی۔ خواجہ نے فرمایا کہ مکے سے بیت المقدس اسریٰ تھا اور بیت المقدس سے پہلے آسمان تک معراج تھی اور پہلے آسمان سے قاب قوسین کے مقام تک اعراج! اُن

عزیز نے دوبارہ اپنے سوال میں اضافہ کر کے پوچھا کہ کہتے ہیں کہ جسم کو بھی معراج ہوئی اور روح کو بھی ہر ایک کو (الگ) کس طرح ہو سکتی ہے؟ خواجہ یہ مصرع زبان پر لائے:

فظن خیر اًولا تسئل عن الخبر

یعنی اچھا گمان رکھو اور تحقیق حال میں مت لگو۔ اس موقع پر فرمایا کہ اس پر بھی ایمان رکھنا چاہیے اور زیادہ تحقیق و تفتیش میں نہیں لانا چاہیے ۔ پھر ان دونوں شعروں کو پورا پڑھا اور فرمایا کہ کسی کا محبوب رات کو آ گیا تھا اس نے اس کا حال نظم کیا ہے:

جارنی فی قمیص الیل مستتراً
یقارب الخطوٰ من خوف و من حذر

فکان ماکان ممالست اذکرہٗ
فظن خیراً ولا تسئل عن الخبر

رات کے (اندھیرے) لباس میں چھپا ہوا خوف و اندیشے سے دبے پاؤں وہ میرے پاس آیا، پھر ہوا جو کچھ ہوا، میں اس کا ذکر نہیں کروں گا، گمان اچھا رکھو اور کیفیات مت پوچھ!"(۶۹)

مرحلۂ اوّل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیت اللہ سے بیت المقدس کا سفر طے کیا، جہاں انبیاء کرام علیہ السلام کی جماعت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا استقبال فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس جماعت کی امامت فرمائی۔ اگلے مرحلے پر بیت المقدس سے پہلے آسمان پر تشریف لے گئے جہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اسی طرح دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ۔ تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سے ، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے اور پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر سدرۃ المنتہٰی تک رسائی ہوئی جو عالمِ امکاں کی آخری حد اور لامکاں کا ابتدائی کنارہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنت کے احوال کا مشاہدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے سبز نورانی تخت "رفرف" بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جبرئیل علیہ السلام سے معیت سدرۃ المنتہٰی تک تھی اس سے آگے کا سفر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تنہا طے کیا اور حصارِ نور میں داخل ہوئے۔ معراج کا نقطۂ عروج قربِ الٰہی کی منزل تھی جب پروردگار نے وحی فرمائی اور امت کے لیے پچاس نمازوں کا تحفہ عطا فرمایا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "الخصائص الکبریٰ" میں ابن منیر کے حوالے

سے لکھتے ہیں کہ

"اولاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بیت المقدس تک لے جانے اور اس کے بعد آسمانوں پر لے جانے میں یہ حکمت ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دو ہجرتیں حاصل ہو جائیں کیونکہ اکثر انبیاء کرام علیہ السلام نے بیت المقدس تک ہی ہجرت فرمائی ہے کیونکہ بیت المقدس تک جانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فی الجملہ سفر کرنا پڑا اور یہ اس لیے تھا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مختلف فضائل کے جامع ہو جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صدق بیانی کی تمہید ہو جائے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو بیت المقدس کی علامات سے مطلع کیا۔۔۔ اور ایک سِرّ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اکرام مناجات کے ساتھ بر سبیل مفاجات تھا جیسا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اس فرمان: بینا انا۔۔۔ سے اس چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا اکرام بالمناجات ایک میعاد اور استعداد پر موقوف تھا اور اس میں انتظار تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے انتظار کا الم مرتفع کر دیا گیا۔"(۷۰)

ابنِ حبیب کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ آسمان و زمین کے درمیان ایک دریا جسے مکفوف بولتے ہیں یہ دریا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے پھٹ گیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے پار کر لیا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کے پھٹ جانے سے بڑھ کر ہے اور آسمان کے دروازوں کو پہلے سے نہ کھولنے، جبرئیل علیہ السلام کے کھلوانے میں حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معلوم ہو جائے کہ یہ دروازے ہمیشہ کھلے نہیں رہتے۔ محض آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے استقبال کے لیے کھولے گئے ہیں اور یہ بھی منشائے الٰہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علم ہو جائے کہ اہلِ سماء آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جانتے ہیں کیونکہ جب جبرئیل علیہ السلام نے ہر آسمان کے دروازے پر فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں تو یہ پوچھا گیا کہ کیا ان تک پیغامِ الٰہی بھیجا گیا ہے یہ نہیں پوچھا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کون ہیں؟(۷۱)

"بحیثیت مجموعی معراجِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بشریت، نورانیت اور مظہریت و حقیقت کے تمام کمالات کی بدرجہ اتم جامع ہے۔ در آنحالیکہ کوئی شان دوسری شان سے متناقص نہیں ہے اور ان تمام کمالات کی انتہا کو پہنچنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام عبدیت و معبودیت کا امتیاز بہر حال قائم رہا۔ انوار و تجلیات کی بارش میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مقامِ بندگی پر ہی رونق افروز رہے۔"(۷۲)

علامہ سعد الدین تفتازانی "شرح عقیدۃ النسفیہ" میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنے وجود کے ساتھ آسمانوں کی طرف اور وہاں سے جس بلندی تک اللہ نے چاہا۔۔۔ معراج حق ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ سلف نے اختلاف کیا ہے کہ کہاں تک گئے۔ معراج کے نقطۂ آخر کی تصریح کرتے ہوئے علامہ لکھتے ہیں کہ سلف میں سے بعض کا خیال ہے کہ اس کا اختتام بیت المقدس تک تھا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ بعض کے مطابق سفر معراج جنت تک، عرش تک، فوق العرش تک یا طرفِ عالم تک تھا۔

مزید لکھتے ہیں :

> "مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک اسریٰ قطعی ہے یعنی قرآن سے ثابت ہے اور زمین سے آسمان تک مشہور روایات سے ثابت ہے اور آسمان سے جنت یا عرش یا اس کے علاوہ کے متعلق اخبار احاد سے ملتی ہیں۔"(۷۳)

سفر معراج شانِ خداوندی اور شانِ نبوت کا مظہر تھا۔ اس سفر سے زمین کی طرف واپسی بھی شوکتِ مصطفیٰ کی مظہر ہے۔ بعض کتب میں اس امر کی تصریح ملتی ہے کہ واپسی پر بھی برّاق پیش کیا گیا مگر جاتے ہوئے جس طرح ہر آسمان پر انبیاء سے ملاقات کا حال بیان کیا گیا ہے واپسی پر ایسی جزئیات کا ذکر نہیں۔ لہٰذا سفر معراج سے واپسی کی تفصیلات اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی جانتے ہیں۔ کتبِ احادیث میں دورانِ واپسی چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر ملتا ہے جب انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی پچاس نمازوں میں تخفیف کی درخواست کیجیے۔

گزشتہ صفحات میں "تفسیر ابنِ کثیر" کے حوالے سے یہ روایت بیان ہو چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معراج سے واپسی پر مسجدِ اقصیٰ میں انبیاء کی امامت کرائی۔ اگر بیت المقدس میں ہی امامت معراج سے قبل فرمائی ہوتی تو آسمانوں پر انبیاء سے ملاقات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جبرئیل علیہ السلام سے ان کی بابت سوال نہ کرتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سفر معراج سے زمین پر واپسی لازمۂ نبوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زمین پر واپس تشریف لائے کہ بنی نوع انسان کو وحشت و بربریت سے نجات دلائیں۔ دنیا گہوارۂ امن بن جائے اور انسانی معاشرہ عدل و انصاف سے معمور اور استحصال سے پاک ہو جائے۔ جیسا کہ اقبال نے مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول (محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فلک الافلاک تک گئے اور لوٹ آئے واللہ اگر میں گیا ہوتا تو ہرگز واپس نہ آتا) کے حوالے سے لکھا ہے کہ

"شیخ موصوف کے اس ایک جملے سے ہم اس فرق کا ادراک نہایت خوبی سے کر لیتے ہیں جو شعورِ ولایت اور شعورِ نبوت میں پایا جاتا ہے۔ صوفی نہیں چاہتا وارداتِ اتحاد میں اسے جو لذّت اور سکون حاصل ہوتا ہے اسے چھوڑ کر واپس آئے۔ اگر آئے بھی جیسا کہ اس کا آنا ضروری ہے تو اس سے نوعِ انسانی کے لیے کوئی خاص نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ بر عکس اس کے نبی کی باز آمد تخلیقی ہوتی ہے وہ ان واردات سے واپس آتا ہے تو اس لیے کہ زمانے کی رَو میں داخل ہو جائے اور پھر ان قوتوں کے غلبہ و تصرّف سے جو عالمِ تاریخ کی صورت گر ہیں مقاصد کی ایک نئی دنیا پیدا کرے۔"(۷۴)

فصل چہارم:

اسلامی ادب میں واقعۂ معراج

مسلم خیالات و افکار پر واقعۂ معراج نے مستقل اثرات مرتب کیے۔ مسلمانوں کی ہر زبان کے ادب میں روایتِ معراج کا سراغ ملتا ہے۔ دوسری صدی ہجری کے صوفیاء نے اپنے روحانی تجربات وواردات کو معراج کی اصطلاحوں میں بیان کیا۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے روح کے تزکیے اور عروج وارتقاء کے بعد تجلیِ ذات تک رسائی کے جو مراحل طے کیے وہی ایک صوفی کا منتہاو مقصود ہیں۔ اسی کوشش میں درپیش روحانی تجربات کو صوفیا نے تصانیف کی شکل بھی دی ہے۔ کہا جاتا ہے یہ روحانی معراج حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی نصیب ہوئی۔ ''رسالۃ القشیریہ'' میں آپؒ سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو میں نے عرض کیا یااللہ میں تجھے کیسے پاؤں؟ فرمایا: اپنے نفس سے جدا ہو کر چلے آؤ۔(۷۵) ''تذکرۃ الاولیاء'' میں حضرت بایزید بسطامی کے حوالے سے عرش کے نزدیک جانے اور مقام قرب میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔(۷۶) فرمایا کہ مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور عالم ملکوت میرے مشاہدے میں آگیا تو مجھے وہاں سے رضا و محبت حاصل ہو گئے۔(۷۷) ''حضرت بایزید بسطامیؒ کے معراج کی کیفیت'' کے عنوان سے یہ ذکر کچھ تفصیل سے کیا گیا ہے کہ خدا نے انہیں تمام موجودات سے بے نیاز کر کے اپنے نور سے منور فرمایا، اسرار و رموز سے آگاہی عطا کی اور آپؒ نے چشم یقین کے ساتھ خدا کا مشاہدہ کیا۔(۷۸)

ابنِ عربی تصوف و طریقت میں اجتہادی مقام رکھتے ہیں۔ "فتوحاتِ مکیہ" میں انھوں نے اکثر وہ باتیں بیان کی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بیت مکرّم کے طواف اور حرم شریف میں مراقبے کے دوران عطا فرمائیں یہ ہزاروں صفحات پر مشتمل کتاب ہے جس میں شیخ کے روحانی تجربات، واردات اور مکاشفات کا بیان ہوا ہے۔ ابنِ عربی کی معراج بنیادی طور پر سات افلاک کی سیر پر مشتمل ہے۔ اس آسمانی سفر پر دو کردار روانہ ہوتے ہیں۔ فلسفی برّاق پر سوار ہے اور عارف رفرف پر۔ اس سفر کے تمام مراحل تصوف اور الٰہیات کی صوری تشکیلات سے عبارت ہیں۔ دنیا میں روحِ انسانی کا یہ سفر اس آخری نصب العین کی تکمیل کا مرحلہ ہے کہ روحِ انسانی کی بلند ترین غایات کو غیبی مدد اور معرفت کے ذریعے حاصل کر لیا جائے۔

شروحِ احادیث، قرآنی آیات کی مختلف تفاسیر اور صوفیانہ تعبیرات سے روایتِ معراج

میں ایک حکایتی انداز پیدا ہو گیا۔ اسلامی عقائد میں معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وہ تمام تفاصیل موجود تھیں جن میں بہشت اور دوزخ کے خاکے اور منازل و مدارج جزا و سزا، مشاہدات و مناظر، افراد کی حرکات و سکنات کے انداز، اس عظیم سفر کی واردات اور رموز و کنایات و اشارات کا خزینہ ہیں۔ معراج کی اسلامی روایت تمام طبقاتِ مسلمین کے لیے ایک مسلمہ حقیقت اور بحیثیت معجزۂ رسول نظامِ عقائد میں ایک اہم جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ بعض اور پیغمبروں کے متعلق بھی معراج کا ذکر ملتا ہے لیکن معراج کی واضح ترین روایت کی مثال صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزۂ معراج سے ملتی ہے جسے اسلامی معاشروں میں ایک تہوار کی حیثیت مل چکی ہے۔

ادب و فن پر روایتِ معراج کا ایک اثر یوں ظاہر ہوا کہ شعراء و ادباء نے معراج ہی کے مدارج و مقامات کی سیر کے نمونے پر تخیلی سطح پر کسی دوسری دنیا کی سیر کی، عالمِ ارواح یا عالمِ بالا کا سفر کیا۔ ڈاکٹر اسلم انصاری لکھتے ہیں

> "معراج کے نمونے پر پہلی ادبی کاوش عربی کے شاعر ابوالعلا المعری کی "رسالۃ الفقران" ہے۔"(۷۹)

ابوالعلیٰ المعری نے "رسالۃ الغفران" میں جنت و دوزخ کی خیالی سیر کے ذریعے رحمتِ الٰہی کی وسعت کو ظاہر کیا، بو علی سینا نے "رسالۃ الطیر" میں معراج کا اطلاق پرندوں کی پرواز پر کیا ہے۔ یہاں گناہگاروں کی روحوں کا احوال علامتی طور پر بیان ہوا ہے جو دنیاوی بندھنوں کو توڑ کر آٹھ پہاڑوں کی بلندی کو عبور کر کے خالقِ مطلق کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ حکیم سنائی غزنوی نے مثنوی "سیر العباد الی المعاد" میں ایک جہانِ دیگر کے سفر کی روداد بیان کی ہے۔ اپنے ممدوح ابو المفاخر محمد منصور کی وفات کے بعد عالمِ مثال میں اس کے نور تک رسائی گویا شاعر کے لیے روحانی معراج کے مترادف تھی۔ شیخ فرید الدین عطار نے "منطق الطیر" میں تیس ثابت قدم پرندوں کا سات پُر صعوبت وادیوں سے بے حد مشکل سفر بیان کیا ہے جو ایک اعتبار سے سالک کے روحانی سفر کی تمثیل ہے۔ عبد الکریم الجیلی نے "الانسان الکامل" میں عالم مثال یا عالم افلاک کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں اور انھیں اپنے ذاتی مشاہدات قرار دیا ہے۔ اکابر صوفیا کی تحریروں میں روحانی واردات کے بیان میں عروجِ روحانی اور مشاہداتِ تجلّیٔ ذات کے کئی بیانات اشارۃً یا صراحتاً ملتے ہیں جو حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریروں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔(۸۰) اردو ایراف زرتشتی مذہب کے بزرگوں میں سے ایک تھا اس کا افسانہ معراج دسویں سے چودھویں صدی ہجری کے دوران کسی وقت لکھا گیا ہے۔ وہ سات دن بحالتِ خواب عالمِ بالا میں رہا اور اعراف، دوزخ اور برزخ کے مناظر دیکھ کر لوٹا۔ ڈاکٹر

محمد ریاض لکھتے ہیں:

> ''گناہگاروں کو اس کی بتائی ہوئی سزائیں اور نیکوں کی جزا، احادیثِ معراج کے مطابق ہے یا ان احادیث سے بہت قریب اور یہ افسانہ بالضرور واقعۂ معراج کے تابع لکھا گیا ہے۔''(۸۱)

واقعۂ معراج کا ایک اہم اثر شعری تخلیقات پر ہوا، معراج نامہ کو بطور صنف اپنایا گیا۔ اسلامی ادب میں اس موضوع کو حمد و نعت کے بعد سب سے زیادہ پذیرائی ملی۔ ہر عہد میں شعراء نے مکمل یا جزوی معراج نامے لکھے اور واقعہ کی روایات کو عصری تخیلات سے آمیز کر کے شعری تجربے کا جزو بنایا۔

چودھری محمد حسین کے بقول:

> "معراجِ پیغمبر کی روایت کا مسلمانوں کے عقیدہ و تصوّر پر اتنا تسلط ہے کہ کوئی زبان دنیا میں ایسی نہ ہو گی جسے عام طور پر مسلمان بولتے ہوں اور اس میں "معراج نامہ" موجود نہ ہو۔"(۸۲)

معراج کا موضوع مسلم شعرا کے لیے دلکش رہا ہے جس کی مثال میں تمام اہم زبانوں کے شعرا کی تخلیقات موجود ہیں۔ معراج کے آغاز و مراحل کے متعلق کثیر روایات کو شعرا نے نظم کیا ہے اور اس کے تحت دیگر انبیائے عظام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تفوق، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سدرۃ المنتہیٰ سے آگے تک رسائی، آسمانی اسرار اور رموز کا کھلنا، اسمائے الٰہیہ کی تعلیم، حجابات کا اٹھنا اور تجلّیٔ الٰہی کی عطا کے مضامین باندھے ہیں۔ معجزہ معراج ان حالات میں رونما ہوا کہ جب کفار کی ایذائیں بہت بڑھ چکی تھیں اور ان آزمائشوں کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مددگاروں کی تعداد کم تھی۔ ایسے میں یہ خارقِ عادت واقعہ نہایت اہم تھا اور زمانۂ نبوی سے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنے اشعار میں بیان کرنا شروع کر دیا تھا۔ شعرائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام شامل ہیں۔ اگرچہ ابتداً اسلامی شاعری قریش کے ہجو گوؤں کے جواب میں وجود میں آئی لیکن اس میں حقیقی مدح کے نمونے ملتے ہیں جو تاثیر اور حکمت سے مزین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ مبارک بیان کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ثناخواہوں نے معجزات کا بیان بھی کیا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵۷۳ء-۶۳۴ء) نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزۂ معراج کو احساناتِ الٰہی میں شمار کیا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دلی صدق و یقین اس بین معجزے میں کوئی اشکالات نہیں دیکھتا بلکہ ربِ عظیم کی جانب سے کی گئی وحی کو سوال

اور تجسس کرنے والوں کے لیے نصیحت، شفا اور رحمت قرار دیتا ہے۔ یقینا عظیم القدر رب نے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف جو وحی فرمائی اس کے احکام کبھی پرانے اور بوسیدہ نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کتاب میں جو لکھ دیا اس میں کوئی اشکال نہیں۔

عجبت لما اسری اِلا لہٗ بعبدہ
من البیت لیلاً نحو بیت مقدس

کلا طلقیہ کان من بعضھا
ذھابا واِقبالاً و ما من معرّس

فآ منت اِیمانا بربی وبینت
لنا کتب من عندہ لم تلبّس

مبینۃ فیھا شفاء ورحمۃ
وموعظۃ اللسائل المتجسّس

نری الوحی فیھا مستبینا وخطۃ
من الوحی تمحو کل امر معمّس

الہ عظیم القدر اوحی کتابہ
الی مصطفی ذی عفۃ لم یدنس(۸۳)

(اللہ کا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جانا تعجب خیز امر ہے۔ وہ دونوں (رات اور دن) بغیر رُکے ایک دوسرے کے آگے پیچھے جا رہے تھے آپ نے ان میں سے کچھ پر احسان کیا۔ میں اپنے ربّ پر ایمان لایا اور ہم پر واضح ہو گیا کہ اس کے کہے ہوئے میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ روشن ہے اس میں شفا اور رحمت ہے اور مسائل و متجسس کے لیے سامانِ نصیحت ہے۔ ہم نے روشن وحی کو دیکھا کہ وحی کا لکھا ہوا ہر امر شکوک کو مٹا ڈالتا ہے۔ خدائے عظیم القدر نے اپنی کتاب صاحب عفت جناب مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جانب وحی کی جو کبھی بوسیدہ نہ ہو گی۔)

بعد کے ادوار میں مداحانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اہم نام امام البوصیری (۱۲۱۳ء-۱۲۹۴ء) کا ہے۔ ان کے قصائد میں توصیفِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مضمون جابجا تذکرہ و معجزات سے مزیّن ہے اور معراج کا ذکر ان معجزات میں نمایاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زمین و آسمان سے بلند مقام تک پہنچنا اور اس عروج کو پانا، جس سے زیادہ کی خواہش کسی بشر سے

ممکن نہیں اور لوگوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس معجزے کو بیان کرنا، ان سب باتوں کا ذکر ان کے قصائد میں ملتا ہے۔

فطوی الارض سائر او السموا
ت العلا فوقھا لہ اسراء

فصف اللیلۃ التی کان للمخ
تار فیھا علی البراق استواء

وترقی بہ الیٰ قاب قوسی
ن و تلک السیارۃ القعساء

رتب تسقط الامانی حسری
دونھا ماورا ء ھن وراء

ثم و افی یحدث الناس شکرا
اذ اتتہ من ربہ الغماء

وتحدّی فار تاب کل مریب
اویبقی مع السیول الغثاء(۸۴)

(تمام زمین کو لپیٹ دیا گیا آپ ﷺ کے لیے اور تمام بلند آسمانوں کو بھی کیونکہ آپ ﷺ کو معراج کرائی جا رہی تھی۔ اے بوصیری اب اس رات کی تعریف کر نبی مختار کے لیے، کہ جس میں براق پر استوا فرمانا تھا۔ اس میں قاب قوسین تک ترقی کر گئے اور آپ ﷺ کے لیے ہی یہ سرداری ثابت ہے۔ وہ رتبے آپ ﷺ کو ملے کہ تمام خواہشات حسرت سے ساقط ہو گئیں وہ خواہشات جن کے پیچھے اور آرزوئیں ہیں۔ پھر آپ ﷺ مقررہ وقت پورا کر کے آئے، شکر بجا لاتے ہوئے لوگوں کو یہ واقعہ بتایا جس میں ربّ کی نعمتیں ملی تھیں۔ آپ ﷺ نے مقابلہ کیا اور ہر شک والے کے شک کو دور کیا جو سیلاب میں کمزور تنکوں کی طرح باقی تھے)

قصیدہ بردہ شریف میں امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معراج کا خوبصورت بیان کیا ہے کہ جس طرح بدر کامل سیر کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے سے اقصیٰ تک گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدارج کو طے کرتے ہوئے قاب قوسین کا وہ بلند مقام پایا کہ جو حدِ ادراک سے پرے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے راز و نیاز سے آگاہ کرنے کو یہ وصل فرمایا اور مسلمانوں کے لیے

خوشخبری ہے کہ خیر الرسل کے باعث وہ خیر الامم قرار پائے۔

سریت من حرم لیلاً الی حرم
کما سری البدر فی داج من الظلم

وبت ترقیٰ الی ان نلت منزلۃ
من قاب قوسین لم تدرک ولم ترم

وقد متک جمیع الانبیاء بھا
والرسل تقدیم مخدوم علی خدم

وانت تخترق السبع الطباق بھم
فی موکب کنت فیہ صاحب العلم

حتیٰ اذالم تدع شاوً المستبق
من الدنو ولا مرتی لمستنم

خففت کل مقام بالاضافہ اذ
نوریت بالرّفع مثل المفردالعلم

کما تفوز بو صل ای مستتر
عن العیون وسریٰ مکتتم

فخر کل فخار غیر مشترک
وجزت کل مقام غیر مذرحم

وجل مقدار ماولیت من رتب
وعذادراک ما اولیتم من النعم

بشریٰ لنا معشر الاسلام ان لنا
من العنا یۃ رکنا غیر منھدم

لما دعی اتہ داعینا بطاعتہ
باکرم الرسل کنا اکرم الامم(۸۵)

(معراج میں آپ ﷺ اس طرح مکے سے اقصیٰ گئے جس طرح بدرِ کامل رات میں سیر کرتا ہے۔ سارے مدارج طے کیے اور ایسا مقام پایا جو قاب قوسین سے کم اور ادراک سے پرے ہے۔ مسجدِ اقصیٰ میں سارے انبیاء کے پیشوا بن کر آپ

مخدوم تھے اور باقی سب انبیاء خدم تھے۔ سات آسمانوں کا سفر انبیاء کے ساتھ طے کیا اور آپ باشان وعلم افواجِ ملائک میں تھے۔ بڑھنے والوں کے لیے مرتبہ باقی نہ رکھا۔ آپ ﷺ کا فیضِ قدم ہر بلند و پست پر تھا۔ آپ ﷺ نے سب کے مدارج و مقام پست کر دیے جب بلندی پر باحشم مدعو ہوئے تاکہ آپ ﷺ وصل کے بعد اسرارِ پوشیدہ سے واقف ہوں۔ حق نے فضل و کرم سے سارے راز ظاہر کر دیے۔ سب فضائل غیر شرکت آپ ﷺ میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے سب مرتبوں کو تنہا طے کیا۔ آپ ﷺ کو جو رتبے ملے عظیم الشان ہیں۔ جو کچھ نعمتیں حاصل ہوئیں وہ ادراک سے پرے ہیں۔ اے مسلمانو یہ اپنے واسطے خوش خبری ہے کہ فضل و کرم سے ایسا مضبوط ستون ملا، جبکہ ان کو حق نے خود خیر الرسل فرما دیا۔ طاعتِ حق کے سبب ہم خیر الامم ہو گئے۔)

جدید شعرائے عربی نے بھی واقعۂ معراج کے حوالے سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقامِ اعلیٰ، قدر و منزلت اور عروج کو بیان کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ ارتقا اور مقام وصل حاصل کیا کہ جس کی تعلیل و تشریح کسی کے بس میں نہیں اور نہ ہی یہ تکریم کسی کا مقدر ہوئی۔

محمود سامی (۱۸۳۰ء-۱۹۰۴ء) کے اشعار کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

وحبذا لیلۃ الاسرا حین سری
لیلا الی المسجد الاقصی بلا اتم

رای بہ کرام الرسل طائفہ
فأ ھم ثم صلی خاشعا بھم

بل حبذا نھضۃ المعراج حین سما
بہ الیٰ مشھد فی العزلم یرم

سماء الی الفلک الا علیٰ فینال بہ
قدر یجل عن التشبیہ فی العظم

وسارفی سبحات النور مرتقیا
الی مدارج اعیت کل معتزم

وفاز بالجوھر المکنون من کلم
یست اذ اقرنت بالوصف کالکلم

سر تجار بہ الالباب قاصرہ
ونعمۃ لم تکن فی الدّھر کالنعم

ھیھات یبلغ فھم کنہ مابلغت
قربا ہ منہ وقد ناجاہ من امم

فیا لھا وصلۃ نال الحبیب عصا
مالم ینلہ من التکریم ذو نسم(٨٦)

(شبِ اسریٰ کیا ہی خُوب ہے کہ جب آپ ﷺ کو بغیر کسی رہنما کے رات میں مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں معزز رسولوں کی جماعت کو دیکھا پھر انہیں خشوع کے ساتھ نماز پڑھائی۔ معراج کا رتبہ کیا ہی خُوب ہے۔ جب آپ ﷺ اس جلوہ گاہ کی طرف بلند ہوئے جس کا کبھی قصد نہیں کیا گیا۔ آسمان سے فلک اعلیٰ تک پہنچے اور آپ ﷺ کو وہ قدر و عزت ملی جو اپنی عظمت میں ہر تشبیہ سے بالا ہے۔ پھر آپ ﷺ نور کی کرنوں میں ان مدارج تک چڑھتے گئے جہاں پہنچنے سے صاحبانِ عزم عاجز ہیں اور آپ ﷺ نے اس جوہر مکنون تک رسائی کی مراد پائی اور جب اس کے قریب ہوئے تو کلام کے شرف سے مشرف ہوئے۔ یہ وہ راز ہے کہ عقل اس تک رسائی سے قاصر ہے اور وہ نعمت ہے کہ زمانے بھر کی نعمتیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ وہ مرتبہ کیا ہی اچھا ہے جو حبیب ﷺ نے پایا اور جو تکریم آپ ﷺ کو ملی وہ کسی ذی روح کو نہ ملی۔)

نجیب محفوظ (١٩١١ء-٢٠٠٩ء) نظم "معجزہ" میں لکھتے ہیں کہ معجزات کو عقل سمجھ نہیں سکتی۔ معجزہ پر ایمان ویقین کے سلسلے میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال پیش کرتے ہیں کہ کفار کے استفسار پر انھوں نے معجزہ کی تصدیق کی۔

وعند ما کانت ثمرہ العقل الفاسدہ تر قدفی الطین
کان ابو بکر یضرب لہ المثل فی الایمان والیقین
ففی یوم المعراج احاط الکفار بہ
یسمعو فی المسالۃ رأ یہ
بزعم انہ اسری بہ ھناک وخالط الملائک
وانہ ارتقیٰ سبع سماوات، قابل اللہ(٨٧)

(اور جبکہ تم دیکھتے ہو کہ عقلِ فاسد کا ثمر یہ ہے کہ دوسروں پر کیچڑ اُچھالا جائے

ابو بکرؓ کی ایمان و یقین کے باب میں مثال پیش کی جاتی ہے۔ معراج کے دن کفار نے انہیں گھیر لیا کہ ان سے نبی کریم ﷺ کے اس زعم کے متعلق رائے جان سکیں کہ وہ راتوں رات وہاں تک لے جائے گئے اور فرشتوں سے ملے اور سات سماوات سے بھی اوپر گئے اور اللہ سے ملاقات کی۔)

فارسی زبان کے سخن ور بھی واقعۂ معراج سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ شعرائے فارسی کی شاعری اسلام کے اعتقادات اور قرآن سے بہت اثر پذیر ہے۔ لہٰذا انھوں نے اس واقعے پر خاص توجہ کی۔ کچھ لوگوں نے اس کو حکایت، تلمیح، استشہاد یا اقتباس کے انداز میں برتا۔ قصیدے کی پابند فضا کی نسبت مثنوی کے حکایت کے انداز اور قافیے کی سہولت کے باعث یہ واقعہ مثنوی میں بالعموم نظم کیا گیا۔ ان معراج ناموں کا موضوع اس واقعے کی تائید و تصدیق، معراج جسمانی کو ثابت کرنا اور رویئتِ الٰہی پر بحث تھا۔ شعرا نے آیات و احادیث کی روایات کے ذریعے، خیال انگیزی اور منظر نگاری کی آمیزش سے اسے پیش کیا۔ اختلافِ روایات کو بھی بیان کیا گیا۔ معراج کے آغاز و انجام، مراحل اور زمینی وقت سے ماورا تناظر میں اس کے وقوع پر بطور خاص لکھا گیا۔ نیز برّاق کی تعریف جبرئیل علیہ السلام کی مدح، آسمانوں کی کیفیت میں شعرا نے خوب زورِ قلم صرف کیا ہے۔ پھر اپنے کلام کی وقعت میں معراج سے مربوط آیات و احادیث کو بھی تلمیحات کی صورت بخشی ہے۔ اس کے علاوہ معراج سے متعلقہ شاعری میں عرفان و اخلاق پر مشتمل مضامین بھی آئے ہیں جن میں جذبہ عشق کے تحت سیر و سلوک کے مراحل طے کرنے میں انسان کا تمام مخلوقات پر مقامِ شرف متعین ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

مجید حاجی زادہ نے ابنِ سینا کے حوالے لکھا ہے کہ معراج کے موضوع کی مستقلاً اثر پذیری دسویں صدی کے بعد کے شعرا پر دکھائی دیتی ہے مثلاً جمال الدین محمد کی مثنوی یا معراج نامۂ اعظم بیجارودی یا مداح خوانساری کی منظومات وغیرہ وقت گزرنے کے ساتھ "معراج نامہ" بالخصوص فارسی شاعری میں مقبول ہوا مثلاً نظامی، خسرو، جامی کے معراج ناموں کے علاوہ دیگر شعرا کا بھی معمول تھا کہ وہ کلام میں حمد و مدح کے بعد اس مضمون کو باندھتے تھے۔[۸۸]

ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری لکھتے ہیں:

"حکیم سنائی فارسی زبان و ادب کا پہلا شاعر ہے جس نے نعت کے ضمن میں معراج نامے داخل کیے۔ اس کے بعد تقریباً نعت کے ہر بڑے شاعر نے معراج نامے لکھے اور اس طرح شعرائے نعت نے معراج سے متعلق جزئیات جمع کر دیں۔"[۸۹]

"حدیقۃ الحقیقہ" میں نعت پیامبر کے باب میں "فی ذکر معراجہ صلوات اللہ علیہ" کے عنوان سے مثنوی لکھی ہے اور جملہ انبیائے عظام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فوقیت کو معراج کے ذریعے واضح کیا ہے۔ سنائی (۱۰۸۰ء-۱۱۳۱ء) نے ذکر معراج میں سب سے پہلے وہ تلمیحات استعمال کیں جنھیں بعد کے شعرا نے برتا۔

بلبل گلستان ماا وحی
شمسہ چرخ الذی اسری

محترم بودہ درجھان قدم
نور اور پیش آدم و عالم(۹۰)

(اس گلستان کا بلبل کہ جس پر وحی اتری، ذاتِ باری تعالیٰ جس نے انہیں آسمانوں کے روشن دان سے سیر کرائی۔) وہ ہستی کہ جسے سبقت لے جانے والوں کے جہان میں عزت و تکریم حاصل ہوئی۔ ان کے نور کو حضرت آدمؑ اور دنیا کی ہر شے پر تقدم حاصل ہوا۔)

اسدی طوسی (۹۹۹ء-۱۰۷۲ء) نے "گرشاسپ نامہ" میں "در معراجِ پیغمبر" کے عنوان سے اشعار درج کیے ہیں۔ یہ فارسی میں اولین معراج ناموں میں شمار ہو سکتے ہیں لیکن بعد کے ادوار کے معراج ناموں کی نسبت اس میں تنوعِ مطالب، شاعرانہ مہارت کم ہے اور اشعار کی تعداد بھی مختصر ہے۔

زھاموں بہ چرخ بریں شد سوار
سخن گفت بر عرش باکردگار

گہ رست خیز آب کوثر وراست
لو او شفاعت سرا سرو راست

مرا ندامش ایزد یکایک ستود
ھرہاش رابر ھنر بر فزود

ورابدبہ معراج افتن زجای
بہ یک شب شدن گردھر دوسرای

مہ از ہر فرشتہ بدش پا یگاہ
براز قاب قوسین بہ یزدانش راہ

سرافیل ھم راز ش وھم نشست
براق اسپ وجبریل فرماں پرست (۹۱)

(وہ صحرا سے آسمان معلّٰی پر سوار ہوئے اور عرش پر اللہ سے ہمکلام ہوئے۔ قیامت کے وقت وہ صاحبِ آبِ کوثر ہوں گے اور منصبِ شفاعت پر سرورِ راست کی طرح فائز ہوں گے۔ ان کے جسمِ ناز کو اللہ تعالیٰ نے بلند کیا۔۔۔ ایک صاحب اور سردار کا معراج میں ایک جگہ سے اُٹھنا اور ایک ہی شب میں ہر دو جہاں کے گرد پہنچ جانا، چاند سے لے کر ہر فرشتہ ان کے قدموں کے زیرِ اثر آ گیا اور مقام قاب قوسین پر پہنچ کر انہوں نے اپنے اللہ کی راہ کو پالیا۔ اسرافیل ان کے ہمراز اور ہمنشیں ہو گئے براق، گھوڑا اور جبریل ان کے زیرِ فرمان آ گئے۔)

اس سفر آسمانی کا انجام یوں لذت بخش ہے کہ رب تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے یہ رتبہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پاک کو بخشا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قربِ الٰہی کی بلند منزلوں پہ فائز ہوئے۔ مقام قاب قوسین کی تشریح محال بلکہ ناممکن ہے لیکن شعرا نے کمالِ عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل اپنی استعداد و قابلیت اور ادراک و ہنر مندی کے مطابق اس مقامِ وصل کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔

نظامی لکھتے ہیں:

از حجلۂ عرش برپریدی
ھفتاد حجاب رادریدی

تنھا شدی از گرانی رخت
ھم تاج گزاشتی وھم تخت

بازار جهت بہ ھم شکستی
از زحمت تخت وفوق رستی

حزگاہ برونِ زدی زکونین
درخیمۂ خاص قاب قوسین (۹۲)

(جب آپ ﷺ عرش کی آراستہ آرائش گاہ کی طرف (بسلسلۂ معراج) پرواز کر رہے تھے آپ ﷺ نے (اسرار و معارف) کے ستر چاک کر رہے۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ ﷺ کو ساز و سامان کے بوجھ سے علیحدہ کر لیا۔ آپ ﷺ نے تاج و تخت کو خیرباد کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے اطراف و جوانب

کے بازار کو توڑ ڈالا اور تخت و تاج کی زحمت سے خود کو نجات دے دی۔
آپ ﷺ نے بوقت معراج اپنی نگاہ یا جلوہ گاہ کونین سے باہر اختیار کی جو مقام قاب قوسین کا خیمہ خاص تھا۔)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

فرس بیرون جھانداز کل کونین
علم زد بر سریر قاب قوسین

قدم برقع زروی خویش برداشت
حجاب کائنات از پیش برداشت

جھت راجعد برجبھت شکستند
مکان رانیز برقع باز بستند

محمد درمکانِ لامکانی
بدید آمد نشان بی نشانی(۹۳)

(ان کے گھوڑے نے جہاں اور سب دنیاؤں سے باہر قدم ڈالا اس نے اپنا جھنڈا قاب قوسین کے تخت پر گاڑا۔ پہلے انہوں نے اپنا نقاب چہرے سے اُٹھایا۔ گویا کائنات کا پردہ اپنے سامنے سے ہٹالیا۔ سمت اور جہت کو گھنگھریالے بالو اور ملبوسِ ناز کے سامنے توڑ دیا گیا اور دنیا کی چار دیواری یعنی مکان کو حدودِ دنیا کو نقاب سے باندھ دیا گیا۔ محمد ﷺ لامکانی کے مکان میں میں بے نشانی کے نشان معرفتِ ظہور میں لائے۔)

امیر خسرو (۱۲۵۳ء-۱۳۲۵ء) اس مرحلے کے متعلق لکھتے ہیں:

چوں بہ رخ عرش رامنور کرد
زان مکان سر بہ لامکان برکرد

جلوہ کرد ازوری کونینش
سربہ درگاہ قاب قوسینش

بر گرفت ازمیان حجاب خیال
تادر آمد بہ جلوہ گاہ خیال

شد بہ جای کہ جان نمی گنجید
خودھم اندر میاں نمی گنجید(۹۴)

(جب آپ نے اپنے چہرۂ انور سے عرش کو منور کر دیا اور دنیا کی حدود سے لامکاں کی طرف بلند ہوئے۔ جب آپ ﷺ ماورائے کونین جلوہ فرما ہوئے تو آپ ﷺ کا سرِ نیاز مقام قاب قوسین کے آستانۂ ناز پر تھا۔ آپ ﷺ کی ذات اور اللہ کی ذات کے درمیان سے خیال کا پردہ اُٹھا لیا گیا۔ وہ اس مقام کے نوازش یافتہ ہوئے جہاں جان نہیں سما سکتی اور خود اپنے درمیان بھی نہیں سما سکتی۔)

واقعۂ معراج کی کفار و مشرکین کی طرف سے تکذیب کا سبب معراج کا اس مدتِ قلیل میں وقوع پذیر ہونا تھا، کہ اس مختصر وقت میں اتنی طویل زمینی مسافت اور پھر عالمِ ملکوت کا سفر کر کے واپسی کیونکر ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ اس نے اپنی قدرت سے مراحلِ معراج کو اتنی سرعت سے طے فرمایا۔ شعرا نے اس مضمون کو کئی رنگ سے باندھا ہے۔

شدہ از صخرہ تاسوی رفرف
قاب قوسین لطف کردہ بکف

گفتہ و شنیدہ وآمدہ باز
ھم درآن شب بہ جا یگاہ نماز(۹۵)

(حکیم سنائی)

(وہ عظیم الشان پتھر جو بیت المقدس میں ہوا میں معلق ہے اور جس کا نام صخرہ ہے، آپ ﷺ صخرہ سے رفرف کی جانب روانہ ہوئے۔ رفرف عرش معلٰی تک آپ ﷺ کی ذات کو لے گئی اور مقام قاب قوسین کے الطاف و عنایات آپ ﷺ کی ہتھیلی پر رکھ دیے گئے۔ آپ ﷺ نے اللہ سے شرف گفت و شنید حاصل کیا اور اسی شب اپنی نماز کی جگہ پر واپس بھی تشریف لے آئے۔)

بہ گامی گزشتہ ھفت آسماں
زدہ خیمہ درعالم لامکان

حضرت چنان بازگشتہ سبک
کہ جای قرارش نگشتہ خنک(۹۶)

(عماد کرمانی)

(ایک قدم میں آپ ﷺ سات آسمان سے گزر گئے اور انہوں نے جہاں لامکان میں اپنا خیمہ گاڑ دیا۔ حضور عالی مقام اتنی جلدی لامکاں سے واپس آئے کہ ان کی آرام کی جگہ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی۔)

معراج جسمانی اور شبِ معراج میں رویئتِ الٰہی سے متعلق امیر خسروؔ کے اشعار نظامیؔ اور کسائیؔ سے زیادہ صریح ہیں۔

ناظر دیدار پسندیدہ گشت
وزپی دیدن ھمہ تن دیدہ گشت

یافتہ عین اللہ وعین الیقین
دیدہ بہ دو عین خدارا امبین

اوبہ یقین دیدہ جمال عزیز
ماھم امیر است کہ بینیم نیز

دیدو شنید آنچہ نگنجد بہ ھوش
دیدہ ھمیں بود و ھمین بود گوش(۹۷)

(دیدارِ خاص کو دیکھنے والا شرفِ پسندیدگی سے بہرہ یاب ہوا اور اس طرح کے دیکھنے میں تمام جسم نگاہِ شوق میں تبدیل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو عین الیقین کے درجے پر دیکھنے کے شرف سے رسول اللہ ﷺ فیض یاب ہوئے۔ آپ ﷺ نے نہایت یقین سے اللہ کے حسن و جمال، جو لائق صد محبت ہے، کامشاہدہ کیا۔ ہمیں بھی امید ہے کہ ہم اس جمال سے بہرہ یاب ہوں گے۔ وہ دیکھنا اور وہ سننا جس کا کیفیت ہوش میں بھی احصاء نہیں کیا جاسکتا۔ نگاہ اور کان، سماعت وبصارت کیفیتِ دید وشنید میں ڈھل گئے۔)

خاقانی لکھتے ہیں:

در سرسوررسیدہ ودیدہ بہ چشم سر
خلوت سرای قدمت بی چون و بی چرا(۹۸)

نظامی، امیر خسرو، عطار، سلمان ساوجی اور دیگر شعرا نے معراج ناموں میں برّاق کی سرعت، شگفتگی، نورانیت، درخشندگی، ظاہری زیبائی، خوش عنائی، عمدہ مسافرت، بزرگی وعظمت، خوشبو، اس کا جنتی ہونا اور ایسی تمام صفات بیان کی ہیں جو معروف تفاسیر سے اخذ و مربوط ہیں۔ معراج ناموں کا ایک پہلو یہ بھی رہا ہے کہ شعرا نے سیر آسمانی کے ذکر میں ساتوں افلاک اور اجرامِ

فلکی، اصطلاحات، علمِ نجوم اور سیارات کی خیال انگیز تصویر کشی سے کلام کو پیچیدہ اور ادق بنا رہا ہے اور بعض اوقات ستاروں کی دیدارِ پیغمبر پر خوشی کی کیفیت کا بیان اصطلاحات فلکیات و نجوم سے واقفیت و استفادے کا ساختہ اظہار معلوم ہوتا ہے۔ پروفیسر حسن سرباز نے مثنوی "اسرار نامہ" کے حوالے سے فرید الدین عطار (۱۱۴۶ء-۱۲۲۱ء) کے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں۔

زنب چوں رأس پیش او کشیدہ
زسهمش همچو عقرب دم بریدہ

بہ سر هنگیش چوں جوزا کمر بست
ترازو آمد و شاہین دربست

کمان پیشش کمان از زہ فرو کرد
دو خانہ داشت وقف جان اوکرد

حمل برجدی در بریان نهادند
زمہ تاگا وماہی خوان نها دند

اسد چوں شیر شاد روان اوشد
چو چرخی دلوسرگردانِ اوشد

چوهر خواہران رویش بدیدند
زشوقش مقنع از سر بر کشید ند

دونسرین بی صفت گشتند حاضر
کہ تاواقع نگر ددهیچ طائر[۹۹]

(جب بھڑ نے اپنا سر اس کے سامنے کھینچا تو اس کے خوف سے بچھو کی مانند اس کا سانس کٹا رہ گیا۔ جب آپ ﷺ کی محافظت کرنے والے ابو بکر صدیقؓ نے ایک مقابل کی طرح کمر باندھ لی عدل و انصاف کے ترازو کی ڈنڈی سے در باندھ دیا گیا کمان کو کمان کے سامنے کنارے سے الگ کر دیا وہ دو گھر رکھتے تھے جو انہوں نے ان کی جان کے لیے وقف کر دیے۔ برج حمل برج جدی پر کمال طیش سے جیسے کچھ بھون رہا ہے اور چاند سے لے کر مچھلی تک یعنی فراز آسمان سے تہِ آب تک جیسے خوردونوش کا دستر خوان بچھا دیا گیا ہے۔ برج اسد شیر کی طرح خوش و

خرم اس کے گرد چل رہا ہے اور برج دلو گھومنے والی چرخی کی طرح اس کے گرد سر گرداں ہے۔ جب بہنیں اس کے چہرے کو دیکھتی ہیں تو اپنی باریک اوڑھنی اپنے سر پر کھینچ لیتی ہیں۔ نسرین کے نام سے منسوب سیوتی کے پھول علاوہ نسر واقع اور نسر عائز جو اپنی صفت اور اوصاف کے بغیر ہی حاضر ہو جاتے ہیں۔ نسر واقع، نسر طائر نہ بن جائے۔)

"اسراءنامہ" میں یہ مضمون بھی بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ لطیف کو اس قابل کیا گیا کہ روح و جسم باہم عروج تک جا سکیں نیز جبرئیل علیہ السلام کی آمد تیاریِ سفر اور عالمِ افلاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے استقبال کو حوران و ملائک کی تیاریوں کا بھی ذکر ہے۔

شیخ سعدی (۱۲۱۰ء–۱۲۹۱ء) نے "بوستان" میں نعتیہ اشعار میں جبرئیل علیہ السلام کے مقام سدرہ تک پہنچ کر رک جانے اور آگے پرواز نہ کرسکنے کو یوں بیان کیا ہے۔

شبی بر نشت از فلک برگزشت
بہ تمکین و جاہ از ملک درگذشت

چناں گرم درتیہ قربت براند
کہ برسدرہ جبرئیل از او بانماند

بدو گفت سالار بیت الحرم
کہ ای حامل وحی برتر خرام

چو در دوستی مخلصم یافتی
عنانم زصحبت چرا تافتی

بگفتا فراتر مجالم نماند
بما ندم کہ نیروی بالم نماند

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

زمانہ بہ عصیاں کسی در گرو
کہ دارد چنیں سیری پیشرو

چہ نعت پسندیدہ گویم ترا
علیک السلام ای نبی الوری(۱۰۰)

(معراج کی رات سوار ہوئے اور آسمانوں سے آگے نکل گئے جبکہ مرتبہ اور مقام میں فرشتوں سے بھی بڑھ گئے۔ میدان قرب میں سواری کو ایسا دوڑایا کہ جبریل امیں بھی سدرہ پر دیکھتا رہ گیا۔ آپ ﷺ نے جبریل کو فرمایا: اے حاملِ وحی میرے ساتھ کیوں نہیں چلتا۔ جب تو نے مجھے دوستی میں مخلص پایا ہے تو جبریلؑ نے عرض کیا کہ میں تو تھک گیا ہوں اور اتنا کہ اب میرے پروں میں سکت نہیں رہی۔ اگر بال برابر بھی آگے جاؤں گا تو اللہ کے انوار و تجلیات کو برداشت نہ کرتے ہوئے جل جاؤں گا۔)

جن فارسی شعرا نے توصیفِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بالخصوص معجزاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قلم فرسائی کی ہے۔ ان میں ایک اہم نام مولانا عبدالرحمن جامیؔ (۱۴۱۴ء-۱۴۹۲ء) کا ہے۔ معجزۂ اسریٰ و معراج میں خاص عنایتِ الٰہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں جو منازلِ اسرار طے کی گئیں۔ جامی نے جابجا انھیں بیان کیا ہے۔ شبِ معراج آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عرش کی طرف روانگی، موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں تحفۂ دیدارِ الٰہی، انوار و تجلیات کے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تنہا سفر، جامی نے ان امتیازات کو شان رسالتِ محمدی کا غماز قرار دیا ہے۔ یہ شرف و عنایات واضح کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محبوبِ خداوند اور انسانِ کامل ہیں۔

برد بیدار حق شب از بطحا
بہ تن او را بہ مسجد اقصیٰ

کرد از آنجا مقربہ پشت براق
متوجہ بہ قطع سبع طباق

بر سماوات یک بہ یک بگذشت
بہ ھما انبیاء ملاقی گشت(۱۰۱)

(حق تعالیٰ ان کے جسمِ پاک کو بیداری کی حالت میں بطحا سے مسجدِ اقصیٰ لے گئے۔ انھوں نے براق کی پشت پر سواری کی یعنی پشتِ براق کو شرف تقرب بخشا گیا۔ اور آپ سات آسمانوں کے سات طبق کے فاصلوں کو قطع کرنے کی طرف

متوجہ ہوئے وہ آسمانوں پر چشم زدن میں گزر گئے اور تمام انبیاء سے ملاقات کی۔)

زحدجہت پای بیرون نھاد
قدم از حد ھرکس افزون نھاد

بدید آنچہ موسیٰ بجست وندید
شنید آنچہ موسیٰ چنان کم شنید

دل پاک اومخزن راز گشت
فقیر آمد اماغنی باز گشت(۱۰۲)

(انہوں نے طرف اور سمت کی حد سے اپنے پائے ناز کو باہر رکھا اور ہر شخص کی حد سے قدم آگے رکھا۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک جست میں دیکھا اور نہ دیکھ سکے اور جو حضرت موسیٰؑ نے سنا ویسا تو کم ہی سنا گیا ہو گا۔ ان کا پاک دل رازوں کا خزانہ بن گیا وہ معراج میں کیفیت فقر میں آئے تھے اور مالامال اور غنی ہو کر واپس گئے۔)

بی پردہ جمال دوست دیدی
وز پردہ بہ پردگی رسیدی

گشتی ھمہ دیدہ پای تافرق
در پر تو نور او شدی غرق۔۔۔

گفت ز زبان بی زبانی
بشنید کلام جاودانی

دریافت بہ تیز ھوشی ذوق
از تحت ھمان حدیث کز فوق

ھر نکتہ از آن شنیدۂ پاک
سرمایۂ صد ہزار ادراک(۱۰۳)

(آپ نے جہاں دوست کو بے پردہ دیکھا اور آپ ﷺ پردے سے پردوں میں چھپی ذاتِ حق تک پہنچے۔ آپ سر سے پاؤں تک دیدۂ شوق بن گئے اور اللہ کے عکس نور میں غرق ہو گئے۔ انہوں نے زبانِ بے زبانی سے گفتگو کی اور ایک زندہ و

پائندہ کلام کو سننے کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے تیز اور مستعد ہوش اور ذوق کے ساتھ تمام کلام اور گفتگو کو سر تا پا انہماک کے ساتھ سنا اور دریافت کیا۔)

پاز عالی نھی سوی اعلیٰ
سرفرازی بہ اوج او ادنیٰ

ایں مقام نیست وآن کہ قوی
باشد اندرو راثت نبوی(۱۰۴)

(آپ ﷺ نے جب اپنے پائے ناز اس اعلیٰ و برتر ہستی سے شرف معراج حاصل کرنے کے لیے رکھے تو آپ اس بلندی سے بہرہ یاب ہوئے جس کو قرآن مجید میں (اوادنیٰ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ مقام میسر نہیں آ سکتا مگر اس کو جس کو اللہ وہ قوت عطا کرے جو کسی نبی کا ہی ورثہ ہو سکتی ہے۔)

فارسی شاعری کا مطالعہ کیجیے تو شائد ہی کوئی شاعر یا عارف ہو گا جس نے موضوعِ معراج سے نبرد آزما ہو کر اسے شعری تجربے کا جزو نہ بنایا ہو۔ مولانا جلال الدین رومی (۱۲۰۷ء-۱۲۷۳ء) کا کلام معرفت کا خزانہ ہے۔ عالم جبروت ولاہوت کے فراق میں بے چین روحِ انسانی کو رومی نے اس زندانِ مکانی سے رہائی پانے اور عالمِ لامکاں تک راہ ڈھونڈنے کا درس دیا۔ اس تصور کی لاشعوری کڑیاں واقعۂ معراج سے جڑی ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید
خیرہ یوسف وارمی باید دوید

تاکشا قفل ورہ پیدا شود
سوئی بیجائی شمار اجا شود(۱۰۵)

(اگرچہ دنیا کا کوئی شگاف نظر نہیں آتا ہے۔ یوسف کی طرح اندھا دھند بھاگنا چاہیے تاکہ تالا کھلے اور رستا ظاہر ہو جائے لامکاں کی جانب تمہارے لیے جگہ ہو جائے)

مختلف نکتہ ہائے دلکشا کے بیان میں فکرِ رومیؔ، روایتِ معراج سے کسبِ فیض کرتی نظر آتی ہے۔ انھوں نے مختلف پہلوؤں سے اپنے نکتہ ہائے نظر کو معراج سے مربوط کیا ہے۔

قصد گنجے کن کہ ایں سودوزیاں
در تبع آید توآں رافرع داں

ہر کہ کار دمقصد گندم باشدش
کاہ خود اندر تبع می آیدش

قصد در معراج دید دوست بود
در تبع عرش و ملائک ہم نمود(۱۰۶)

(خزانے کا ارادہ کر کیونکہ یہ نفع ونقصان تبعاً حاصل ہو جائے گا۔ اس کو تو فرع سمجھ جو بھرتا ہے اس کا قصد گیہوں کا ہوتا ہے۔ بھوسا تبعاً اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔ معراج میں دوست کے دیدار کا قصد تھا۔ تبعاً عرش اور فرشتے بھی دکھائی دے گئے۔)

عشق کی عظمت کو واضح کرتے ہوئے واقعہ ٔمعراج اور واقعہ ٔجبل طور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ عشق ہی سے جو ایک خاکی جسم کو افلاک تک لے گیا اور یہ عشق ہی تھا جس سے کوہ طور رقص کرنے لگا اور ہوشیار ہو گیا۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمدو چالاک شد(۱۰۷)

(خاکی جسم عشق کی وجہ سے آسمانوں پہ پہنچا۔ پہاڑ ناچنے لگا اور ہوشیار ہو گیا۔)

فارسی میں معراجِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسرار وحقائق پر مبنی شاہکار تخلیق "جاوید نامہ" ہے۔ جاوید نامہ فکری اعتبار سے اقبالؔ کی اہم تصنیف ہے۔ اقبال نے اپنے اس روحانی سفر کی روداد میں دقیق، فلسفیانہ مباحث پیش کیے ہیں۔ یہ فکر اقبال کے ارتقا کا انتہائی مقام ہے اس عظیم شعری وفکری تخلیق میں اقبال کا یہ پیغام تکمیل کو پہنچتا ہے کہ محمد ﷺ کی پیروی کرے تو انسان افلاک تک رسائی پا سکتا ہے انتہائی عظمت وبلندی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ اقبال کا مدعا یہ ہے کہ مسلمان اس تب وتاب کا حاصل ہو کہ انسانی صلاحیتوں کی انتہائے کمال کا مظہر ہو تبھی دیدار کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔

مردِ مومن در نسازد باصفات
مصطفیٰ راضی نشد اِلّا بذات

چیست معراج؟ آرزوئے شاہدے
امتحانے روبروئے شاہدے(۱۰۸)

(مردِ مومن صفاتِ الٰہی پر قناعت نہیں کرتا چنانچہ حضور اکرم محمد مصطفیٰ ذات سے سوا پر راضی نہ ہوئے۔ معراج کیا ہے؟ کسی شاہد / گواہ کی آرزو ہے کہ اس کے روبرو اپنا امتحان کیا جائے۔)

نہ صرف اسلامی ادب بلکہ اسرارِ معراج اور خود صوفیا کہ اپنی سیاحتِ علوی اور مشاہدۂ تجلیات کے ذکر نے غیر اسلامی ادب کو بھی متاثر کیا۔

دانتے نے اپنے تخیلی معراج کے مشاہدات کو "ڈیوائن کامیڈی" میں بیان کیا۔ اس کتاب میں دانتے نے اپنے عہد کے یورپ کے تمام شعبہ ہائے زندگی کا محاکمہ کیا ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب یورپ میں تموجِ احساس و شعور کا باعث ہوئی۔ ایک مشہور ہسپانوی مستشرق اور محقق پروفیسر میگوائل آسن پلاسیوس نے ۱۹۱۹ء میں کتاب "اسلام اور ڈیوائن کامیڈی" میں ثابت کر دیا کہ دانتے کی ڈیوائن کامیڈی معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلامی تصوف و اسلامی ادب کی روایات سے ماخوذ ہے۔ دانتے کے اس شاہکار پر واقعہ معراج کی روایات، ابنِ عربی کی "فتوحاتِ مکیہ" اور ابو العلا المعری کی "رسالۃ الغفران" کے اثرات کا پروفیسر موصوف نے بخوبی تجزیہ کیا ہے۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ "ڈیوائن کامیڈی" سے "جاوید نامہ" تک کسی اور مسلم صوفی یا مفکر کی اس موضوع پر عام معراج ناموں کے علاوہ کوئی نمایاں علمی و ادبی، فلسفیانہ یا روحانی کاوش کا ذکر نہیں ملتا۔ اردو کے ابتدائی ادب میں بھی معراج کا ذکر روایتی حد تک ہے۔ البتہ جدید دور میں حکیمانہ نکتہ رسی کے ساتھ بیشتر اصنافِ سخن میں اسرارِ معراج کا بیان ملتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابنِ منظور، الافریقی ،المصری، لسان العرب(المجلد الثانی)، بیروت: دار صادر، س ن ، ص:۳۲۱۔۳۲۲

۲۔ السیّد محمد مرتضیٰ الزبیدی ،الحسینی، تاج العروس(الجز السادس)، مطبعہ حکومت الکویت: ۱۹۶۹ء،ص:۹۵

۳۔ محمد بن یعقوب فیروز آبادی، القاموس المحیط، لبنان: موٴسسہ رسالہ بیروت، س ن، ص:۱۹۸

۴۔ مولانا مفتی محمد شفیع، المنجد (عربی-اُردو)، کراچی: دارالاشاعت، س ن

۵۔ مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی، القاموس الجدید (عربی-اُردو)، لاہور: ادارہ اسلامیات، جون ۱۹۹۰ء

۶۔ مولانا ابو لفضل عبد الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات (عربی-اُردو)، لاہور: المیزان، ۲۰۰۴ء

۷۔ فیروز اللغات (عربی-اُردو)، لاہور: فیروز سنز، س ن

۸۔ سیّد احمد دہلوی، مولوی، فرہنگِ آصفیہ (جلد دوم)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء

۹۔ خواجہ عبد الحمید، جامع اللغات (جلد دوم)، لاہور: اُردو سائنس بورڈ، س ن

۱۰۔ وارث سرہندی، قاموس مترادفات، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۶ء

۱۱۔ وارث سرہندی، علمی اُردو لغت، لاہور: علمی کتب خانہ، ۱۹۸۳ء

۱۲۔ پروفیسر عبد العزیز مینگل، زبانی لغت، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۹ء

۱۳۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی، اُردو لغت، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۸ء

۱۴۔ اشفاق احمد، فرہنگِ اصطلاحات (جلد اول)، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۴ء

۱۵۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، قومی انگریزی لغت، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۱۹۹۴ء

۱۶۔ ابوالعزیز دمشقی ، شرح العقیدۃ الطحاویہ، الریاض: وزارۃ الشوٴن الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد، س ن

۱۷۔ سیّد محمد نور بخش، معراجیہ، (مترجم) غلام حسن حسنو، بلتستان: ہارون بکس، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۔۴

۱۸۔ مولانا عزیز الرحمٰن، (مترجم) صحیح مسلم شریف (جلد اوّل)، کتاب الایمان ،حدیث نمبر: ۴۱۶، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن

۱۹۔ ایضاً، حدیث نمبر: ۴۱۱

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ مولانا عبد الرزاق دیوبندی، (مترجم) صحیح بخاری شریف (جلد دوم)، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۳۴۰، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن

۲۵۔ صحیح بخاری، جلد ۴، حاشیہ، حدیث نمبر: ۴۵۰۸

۲۶۔ صحیح مسلم، جلد ا، حدیث نمبر: ۴۳۱

۲۷۔ صحیح بخاری، جلد ۴، حدیث نمبر: ۴۵۰۵

۲۸۔ صحیح مسلم، جلد ا، حدیث نمبر: ۴۳۹

۲۹۔ صحیح مسلم، جلد ا، حدیث نمبر: ۴۴۲

۳۰۔ صحیح بخاری، جلد ۴، حدیث نمبر: ۴۵۰۶

۳۱۔ صحیح مسلم، جلد ا، حدیث نمبر: ۴۴۳

۳۲۔ صحیح مسلم، جلد ا، حدیث نمبر: ۴۴۴

۳۳۔ صحیح بخاری، جلد ۴، حدیث نمبر: ۴۳۶۱

۳۴۔ صحیح بخاری، جلد ۴، حدیث نمبر: ۴۳۶۲

۳۵۔ صحیح مسلم، جلد ا، حدیث نمبر: ۴۳۰

۳۶۔ ناصر الدین ابو الخیر، عبد اللہ بن عمر بن محمد الشیرازی الشافعی البیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل ، الجزالثالث، بیروت: داراحیاء التراث العربی، موسسۃ التاریخ العربی، س ن، ص: ۲۴۷ ۔ ۲۴۸

۳۷۔ ایضاً، الجزالخامس، ص: ۱۵۷۔۱۵۸

۳۸۔ عماد الدین اسماعیل ابن کثیر دمشقی، تفسیر ابنِ کثیر (مترجّم) (جلد سوم)، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۲۰۔۱۳۸

۳۹۔ ایضاً، جلد پنجم، ص: ۱۷۵۔۱۸۱

۴۰۔ امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی، معالم التنزیل، (مترجم: مفتی محمد تقی عثمانی)، جلد سوم، ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، س ن، ص: ۳۱۲۔۳۱۶

۴۱۔ تفسیرِ بغوی، جلد ۶، ص: ۱۴۲۔۱۴۸

۴۲۔ ایضاً، ص: ۱۴۴۔۱۴۵

۴۳۔ ایضاً، ص: ۱۴۶

۴۴۔ ایضاً، ص: ۱۴۷

۴۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی، الجامع الاحکام القرآن (جلد پنجم)، (مترجمین: مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی، مولانا محمد انور گھالوی، مولانا شوکت علی چشتی)، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص: ۶۲۰۔۶۲۹

۴۶۔ ایضاً، ص: ۶۲۲۔۶۲۳

۴۷۔ تفسیرِ قرطبی، جلد نہم، ص: ۹۹۔115

۴۸۔ ایضاً، ص: ۱۰۶

۴۹۔ امام محمد فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب، الجزالعشرون، بیروت: دارالفکر، ۱۹۸۱ء، ص:۱۴۶۔۱۵۳
۵۰۔ مفاتیح الغیب، الجزالثامن والعشرون، ص:۲۷۷۔۲۹۵
۵۱۔ امام ابی بکر احمد بن الحسین بیہقی، دلائل النبوۃ (جلد اوّل)، (مترجم: مولانا محمد اسماعیل الجاوری)، کراچی: دارالاشاعت پاکستان، ۲۰۰۹ء، ص:۴۷۵۔۵۰۵
۵۲۔ علامہ حافظ ابی عبداللہ محمد ابنِ قیم، زادالمعاد (حصہ دوم)، (مترجم: رئیس احمد جعفری)، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۹۰ء، ص:۶۹۲۔۶۹۵
۵۳۔ ایضاً، ۷۹۔۸۱
۵۴۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، الشفا، (مترجم: سید احمد علی شاہ بٹالوی)، لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۱ء، ص:۱۵۱
۵۵۔ ایضاً، ص: ۱۶۱
۵۶۔ ایضاً، ص: ۱۷۳
۵۷۔ علامہ احمد بن محمد قسطلانی، المواھب اللدینہ (جلد ثانی)، (مترجم: علامہ محمد صدیق ہزاروی)، لاہور: فرید بک سٹال، س ن، ص:۴۵۰۔۵۲۷
۵۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ (جلد اوّل)، (مترجم: علامہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی)، لاہور: شبیر برادرز، ۲۰۰۴ء، ص:۲۲۷
۵۹۔ ایضاً، ص: ۲۲۷
۶۰۔ ابو محمد عبدالملک ابنِ ہشام، سیرت ابنِ ہشام (حصہ دوم)، (مترجم: مولانا قطب الدین احمد صاحب محمودی)، لاہور: اسلامی کتب خانہ، س ن، ص:۹۔۱۴
۶۱۔ علامہ علی ابن برہان الدین حلبی، سیرتِ حلبیہ (جلد اول)، (مترجم: مولانا محمد اسلم قاضی)، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء، ص: ۴۷۱۔۵۴۰
۶۲۔ ایضاً، ص: ۵۴۱۔۵۹۵
۶۳۔ احمد بن یحییٰ البلاذری، انساب الاشراف، مصر: دارالمعارف، ۱۹۵۹ء، ص: ۲۵۵۔۲۵۷
۶۴۔ علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، (مترجم: حکیم احمد حسین الٰہ آبادی)، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۲۰۰۳ء، ص:۳۸۔۴۲
۶۵۔ امام ابوالفداء عمادالدین ابنِ کثیر، تاریخ ابنِ کثیر، (مترجم: پروفیسر کوکب شادانی)، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۸ء، ص:۱۵۹۔۱۷۰
۶۶۔ علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخِ طبری، (مترجم: سید محمد ابراہیم)، کراچی: نفیس اکیڈمی، س ن، ص:۸۰۔۸۱
۶۷۔ ابو عبداللہ محمد بن سعد البصری، طبقات ابن سعد، (مترجم: علامہ عبداللہ العماوی)، کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۳ء، ص:۲۰۶۔۲۰۸
۶۸۔ شیخ محمد متولی الشعراوی، الاسراوالمعراج، لبنان: دارالجیل بیروت، ۲۰۰۳ء، ص:۴۹

۶۹۔ امیر حسن علا سنجری دہلوی، (موئلف) فوائد الفوائد، ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، (مترجم: خواجہ حسن نظامی دہلوی)، جلد چہارم، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۹ء، ص: ۴۷۹
۷۰۔ علامہ جلال الدین سیوطی، الخصائص الکبریٰ، (مترجم: راجا رشید محمود، سید حامد لطیف)، لاہور: فرید بک سٹال، ۱۹۸۹ء، ص: ۳۶۴
۷۱۔ ایضاً، ص: ۳۶۵
۷۲۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری، فلسفۂ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص: ۱۶۵
۷۳۔ علامہ سعد الدین تفتازانی، شرح العقیدۃ النسفیہ، الجزائر: دار الھدیٰ، س ن، ص: ۱۱۱
۷۴۔ ڈاکٹر محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، (مترجم: سید نذیر نیازی)، لاہور: بزمِ اقبال کلب روڈ، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۸۸
۷۵۔ ابو القاسم قشیری، رسالۃ القشیریۃ، مترجمہ: پیر حسن، اسلام آباد: تحقیقاتِ اسلامی، ص: ۳۱۸
۷۶۔ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیا، لاہور: الفاروق بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۱۰
۷۷۔ ایضاً، ص: ۱۱۷
۷۸۔ ایضاً، ص: ۱۱۷-۱۲۰
۷۹۔ ڈاکٹر اسلم انصاری، ادبیاتِ عالم میں سیر افلاک کی روایت، لاہور: اردو اکیڈمی، ۲۰۰۶ء، ص: ۱۹
۸۰۔ ایضاً، ص: ۲۰۔۳۷
۸۱۔
۸۲۔ چودھری محمد حسین، مضمون: جاوید نامہ، (مشمولہ) "نقوش" اقبال نمبر، ۱۹۷۷ء، ص: ۱۴۲
۸۳۔ دیوان ابی بکر الصدیق، بیروت: دار صادر، الطبعۃ ثانیہ، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۶۔۵۷
۸۴۔ دیوان امام البوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، (مترجم: حافظ محمد ذکاء اللہ سعیدی)، جہلم: بک کارنر شوروم، س ن، ص: ۵۰
۸۵۔ البوصیری، امام، قصیدہ بردہ شریف، (مترجم: فیاض الدین نظامی)، کراچی: تاج کمپنی، ۱۳۷۷ھ، ص: ۲۸۔۳۰
۸۶۔ محمود سامی باشا البارودی، کشف الضمۃ فی مدح سید الامۃ، طبع اول، المصر: مطبعۃ الجریدہ، ۱۳۲۷ھ، ص: ۱۷۔۱۸
۸۷۔ نجیب فاضل، دیوان السلام، (ترجمہ و تحقیق و تعلیق: عبد الرزاق برکات)، طبع دوم، القاہرہ، دار الھدایہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۲۸
۸۸۔ مجید حاجی زادہ، تابستان معراج پیامبر (ص) در شعر فارسی، مشمولہ: مجلہ عرفانیات در ادب فارسی، ۱۳۹۱ھ، سال سوم، شمارہ ۱۱، ص: ۶۱۔۶۲

۸۹۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، فارسی ادب کا اولین قد آور نعت گو شاعر، مطبوعہ دبستان نعت، انڈیا: شمارہ نمبر ۲، جنوری، دسمبر ۲۰۱۷ء، ص:۱۱۰

۹۰۔ دیوان حکیم سنائی غزنوی، اصفھان، مرکز تحقیقات رایانہ ای قائمیہ، س ن، ص:۵۹۲

۹۱۔ مجید حاجی زادہ، مجلہ عرفانیات درادب فارسی، بحوالہ سابقہ، ص:۶۸

۹۲۔ ایضاً، ص:۷۱

۹۳۔ ایضاً

۹۴۔ ایضاً

۹۵۔ ایضاً، ص:۷۲

۹۶۔ ایضاً

۹۷۔ ایضاً، ص:۷۴

۹۸۔ ایضاً

۹۹۔ پروفیسر حسن سرباز، بررسی تطبیقی اسراو معراج در مدائح نبوی بوصیری و عطار نیشاپوری، (مشمولہ) دوفصلنامہ ٔادبنامہ ٔتطبیقی، سال اول، شمارہ دوم، بہاروتابستان، ۱۳۹۶ھ، ص:۱۷

۱۰۰۔ شیخ سعدی، بوستانِ سعدی، بہاولپور: نظامیہ کتاب گھر، س ن، ص:۹

۱۰۱۔ عبدالرحمٰن جامیؔ، مثنوی ہفت اورنگ، جلد اول، چاپ اول، تہران: مرکز مطالعات ایرانی، ۱۳۷۸ھ، ص:۲۴۰

۱۰۲۔ ایضاً، جلد دوم، ص:۴۲۳

۱۰۳۔ ایضاً، ص:۲۳۳

۱۰۴۔ ایضاً، جلد اول، ص:۲۷۹

۱۰۵۔ جلال الدین رومی، مثنوی مولوی معنوی (دفتر پنجم)، (مترجم: قاضی سجاد حسین)، لاہور: حامد اینڈ کمپنی، ۱۹۷۸ء، ص:۱۱۷

۱۰۶۔ جلال الدین رومی، مثنوی مولوی معنوی (دفتر دوم)، لاہور: حامد اینڈ کمپنی، ۱۹۷۶ء، ص:۲۱۵

۱۰۷۔ جلال الدین رومی، مثنوی مولوی معنوی (دفتر اول)، لاہور: حامد اینڈ کمپنی، ۱۹۷۴ء، ص:۳۳

۱۰۸۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، مترجمہ: پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، لاہور: مکتبہ دانیال، ۱۹۸۱ء، ص:۷۰۶

باب دوم

اُردو شاعری میں روایتِ معراج

(بحوالہ معراج نامے، مثنویات، قصائد)

فصل اوّل: دکنی شاعری
فصل دوم: شمالی ہندوستان کی شاعری
i۔ قدیم شعرائے دہلی
ii۔ میرؔ و سوداؔ کا دور
iii۔ انشاؔ و مصحفیؔ کا دور
iv۔ آتشؔ و ناسخؔ کا دور
v۔ غالبؔ و مومنؔ کا زمانہ
vi۔ امیرؔ و محسنؔ کا زمانہ
فصل سوم: دورِ جدید کی شاعری (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء)
فصل چہارم: عصرِ حاضر کی شاعری (۱۹۴۷ء تا حال)

فصل اوّل:

دکنی شاعری

اُردو زبان اپنے ابتدائی تشکیلی عہد میں گلی کوچوں سے اُٹھ کر تہذیب و اقتدار کے عوامل و عواقب سہتی ہوئی، جذب و قبول کا دامن پھیلائے آگے بڑھتی رہی۔ وقت کے تقاضوں نے اسے مشترک اظہار و ابلاغ کا ذریعہ تو بنا دیا لیکن ''بولی'' کو ادبی و تخلیقی زبان کا اعتبار پانے کے لیے مزید وقت درکار ہوتا ہے۔ اس تشکیلی دور میں بھی مختلف علاقوں میں اس زبان کے ادبی نمونے مخصوص ماحول کی پہچان سمیت دستیاب ہیں۔ بارہویں صدی عیسوی تک اردو زبان و ادب نے ایک ادبی معیار پالیا جو علاقائی تخصیص سے ماورا تھا۔ اس فصل میں دکنی دور کی شاعری میں معراجیہ عناصر کا جائزہ لیا جائے گا جو مثنویات یا قصائد کے اجزا کی حیثیت سے یا باقاعدہ معراج ناموں کی صورت میں موجود ہیں۔ مذہبی نظموں اور مثنویوں کے علاوہ دیگر مثنویوں میں بھی حمد، نعت اور منقبت کے بعد معراج کا بیان مثنوی کی روایتی ہیئت کا جزو بن چکا تھا۔ دکنی شاعری کے موضوعات بالعموم دلچسپ، مشہور قصوں، تصوف و اخلاق اور مذہبی یا تاریخی واقعات سے عبارت ہیں۔ شعرا کا تخیل حیرت انگیز، محیر العقل واقعات کی فضا میں پرواز کرتا ہے۔ بادشاہوں کی جنگیں، اولیاء کی کرامات، عشقیہ داستانیں، مذہبی عقائد پر مبنی نجات نامے، وفات نامے، مولود نامے، نور نامے، معراج نامے، شہادت نامے، دکنی شاعری کا خاصہ ہیں۔ دکنی شعرا میں پہلا صاحب دیوانِ شاعر قلی قطب شاہ ہے۔ قلی قطب شاہ کی شاعری میں دکنی تہذیب کی سبھی مذہبی رسوم کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں محرم کی رسومات، عید میلاد النبی ﷺ، عید غدیر، عید مولود علی، شبِ معراج، شبِ برات، عید الفطر، بقر عید، نوروز، بسنت جشنِ برسات وغیرہ شامل ہیں۔ اگرچہ اُردو شاعری کا آغاز مذہبی حیثیت سے ہوا۔ صوفیائے کرام کی مذہبی سرگرمیاں اس کے ابتدائی فروغ کا باعث ہوئیں۔ ولادت نامے، شمائل النبی ﷺ، معجزاتِ نبی ﷺ اور معراج نامے تخلیق ہوئے لیکن بعد میں اکثر شعرا کے ہاں یہ مضامین روایتی ذکر سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ قلی قطب شاہ کی شخصیت کے برعکس اس کی شاعری مذہبی موضوعات سے پُر ہے لیکن دیگر مضامینِ شعر جو عیش کوشی، ہوس پرستی اور تلذّذ سے عبارت ہیں، ان کی بھرمار میں مذہبیات کا یہ ذکر رسمی و روایتی رنگ ہی رکھتا ہے۔ قلی قطب کی شاعری میں غزل کی ہیئت میں بھی مدحِ نبویؐ میں کافی اشعار ملتے ہیں اور ان نعتیہ اشعار میں معراج النبی ﷺ کی سمت اشارے موجود ہیں، جبکہ ایک نظم بالخصوص ''شبِ

معراج" کے عنوان سے ہے:

شاہِ مرداں و محمد ہیں ہمارے سرتاج
خدا باتاں حبیب اپنے سوں کیا شبِ معراج
چاند ہور سور انن نور تھے پیدا ہوئے
دین ہور دنیا انن اسلام تھے پایا رواج
قدرت حق دیکھو ان میں سہتے بیچون گت
خدا ان دونوں کو دیتا ہے دو عالم کا راج
یک کرامت انوں کا نیں کسی پیغمبر میں
سب نبیاں میانے ہمارے نبی سہتے معراج
سدا بارہ اماماں میرے نگہ دار اہیں
ہوا ہوں ان کی غلامی تھے قطب راج دھراج[1]

وجہیؔ نے مثنوی "قطب مشتری" میں حمد، مناجات اور نعت کے بعد ذکر معراج میں (۳۴) اشعار کہے ہیں۔ جن میں عام مضامین کا بیان ہے۔ ابتداء میں معراج النبی ﷺ کی خبر سن کر آسمانوں پر خوشی کا عالم بیان کیا ہے:

اتھا اس رین کوں عجب کچھ نور — کہ لاکھاں تے چاند کروڑاں تے سور
ملک زر گراں زر لے کر سور کا — ملما انبر کوں کئے نور کا[2]

پھر لکھتے ہیں کہ قدسیوں نے حضور ﷺ کی آمد اور دیدار کی نوید سنائی تو تمام اہل سماء پہلے آسمان پر آ گئے۔

فرشتے سورج چاند تارے تمام — نو اسمان کے رہنہارے تمام
قدم بوسی کے شوق تے دھاے کر — رہے پیلے اسماں میں آے کر[3]

اس کے بعد جبرئیل کی بارگاہ نبوت میں آمد اور بذریعہ برّاق آسمانی سفر کی ابتدا کا ذکر ہے۔ وجہیؔ نے جس طرح آپ ﷺ کو دیکھ کر فرشتوں کے یکدم کھڑے ہونے اور ایک ایک کر کے پاؤں پڑنے کا ذکر کیا ہے یہ سنی سنائی روایات کی ترسیل ہے۔ اشعار کا اختتام اثنا عشری عقائد پر ہے۔

محمد کوں جس رات معراج ہوی — نہ تھا دوسرا واں علی باج کوی
انو تینوں کوں بات یو فام ہے — سمجھنا وہ چوتھے کا نیں کام ہے[4]

آپ ﷺ کے لامکاں کی خلوتِ خاص میں تنہا تشریف لے جانے کا بھی بیان ہے لیکن وجہیؔ نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے اور ان جزئیات کو نظم نہیں کیا جو ان مثنویوں میں ملتی ہیں جو بالخصوص معراج پر مبنی ہیں۔

غواصیؔ نے مثنوی "طوطی نامہ" کے آغاز میں حمد کے بعد نعت کے اشعار درج کیے ہیں۔ دیگر صفات کے علاوہ آپ ﷺ کی قدر و منزلت کو معراج کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔

حرم کبریا کا سو اس کا مقام — بندا شمس ہور بدر اوس کا مقام
دسیں سیوک اس کے چمارے تمام — کنکر اوس کے انگن کے تارے تمام
جو تیزی براق اس کے ہے ران کا — سچا برق ہے وہ نو اسمان کا(۵)

غواصیؔ کی دوسری اہم مثنوی "سیف الملوک و بدیع الجمال" ہے۔ یہاں بھی نعت کے ضمن میں آپ ﷺ کے معجزات بیان کرتے ہوئے معراج کا ذکر کیا ہے۔

توں ظاہر تو پنہاں اچھے سب سیتے — ولے ہر کڑی مل اچھے رب سیتے
زمیں تھے عرش پر گئے شہ سوار — کرے توں گزر پل میں کئی لاکبار
ملائک یو پروانہ تج نور کے — ولیاں سارے ذرہ ہیں تج سور کے
طلب کا جو سر پہ رکھیا تاج توں — دیا تل میں جا نور معراج توں
خدا ہور تج میں جدائی نہیں — کسے رب سے یوں آشنائی نہیں(۶)

شیخ احمدؔ گجراتی نے مثنوی "یوسف زلیخا" میں مناجات باری تعالیٰ اور نعت سیّد المرسلین کے بعد "صفت شبِ معراج رسولؐ" کے عنوان سے (۷۰) اشعار کہے ہیں۔ شروع میں شبِ معراج کی کیفیت بیان کرنے کے بعد جبرائیلؑ کی آمد کا ذکر ہے:

سلونی سانولی لکھی لکھن رین — سبھاوین جس نگہ تیئں سادگی نین
سہاگن کیاں پٹیاں کالیاں سہن ہار — سو اس میں مانگ سیدھی کہکشاں سار
سو اس مشکیں پٹیاں میں مشک چھنکائے — تھنڈا چندنا چندن سہاگ کالائے
بھلیا چو زا دیکھت اس کے شمائل — کھڑا اس پین گل لے کر حمائل
سو جب وہ نار سانولی ہوے کر داس — تلاسن آئی تلوے مصطفیٰ پاس
سو سکھ کی نیند موندے نین دوئے — ولے بخت اور من اس کا نہ کد سوئے
جو اتنے میں یکایک جبرئیل آئے — جگت کرتار تھے صلواۃ انپڑائے
کہتے نبی بہو دھاتوں سرا کر — کہ اڑ چل آ تماشا عرش کا کر(۷)

اس کے بعد براق کی تعریف میں تقریباً پندرہ اشعار کہے ہیں چند مثالیں یہ ہیں:

جو سر تھے پاؤں سب تن نور نرمل — دیسیں کند اس کیرے تیزی سوں بجّل
سو کچ نازک دیسے پشم انگ پر کا — جو ریشم سرگ کانا ہووے سرکا
سم اس کے چار جیسے چودھویں چاند — ہلال اس تل دکھائے نعل اس باند

سہارے دوم اس کی جب پھلاوے   کہ جانوں حور کا جوڑا سہاوے(۸)

پھر بیت المقدس پہنچ کر تمام انبیاء کی امامت کرانے اور دو رکعت نماز ادا کرنے کا ذکر ہے اس کے بعد سفر آسمانی کا بیان ہے۔ آپ ﷺ تمام افلاک سے ہوتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تلک پہنچے حضرت جبرائیلؑ وہاں رُک گئے:

سو اکہے یا اخی جبرئیل منج کوں   یہاں تھے کیوں یکیلا چھوڑتا توں
کہے جبرئیل جے آنکھیں رکھوں پاؤں   تو نور غیب سوں سرلگ جل جاؤں(۹)

عالمِ لامکاں کی کیفیت کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

نہ ٹھاوں ہے وہاں نہ اشٹ دکی ہے   جچیچ ہے فکر اندیشے تھے ادک ہے
نبی میں تھا جو مخلوقی کیرا رنگ   سو دریا خالقی میں نا رہیا تنگ
نپٹ رہیا دوئی تھے ہوئے خالی   نہ رہیا ہور کچ بن ایک جالی
خدائی میں سو کج کھویا خدائی   خدائی پن نہیں گویائی جدائی(۱۰)

آپ ﷺ کی نگاہوں سے پردہ واسرار اُٹھا دیئے گئے۔ اللہ سے ہمکلامی ہوئی۔ طالب و مطلوب نے ایک دوسرے کا دیدار کیا۔ آپ ﷺ نے امت کی بخشش کی بات کی۔ اللہ نے آپ ﷺ کی دُعا پر اُمت کو اکرام سے نوازا۔۔ شاعر نے یہ باتیں بڑی بے ساختگی سے مختصر لفظوں میں بیان کر دی ہیں۔ اس روایت کا ذکر بھی کیا ہے کہ آپ ﷺ معراج سے واپس آئے تو بستر ابھی گرم تھا۔ نبی ﷺ اور آلِ نبی ﷺ پر صلوات و سلام کے ساتھ اشعار کا خاتمہ ہے۔ شیخ احمد گجراتی نے صفتِ معراج کے ان اشعار میں مختصر اور جامع انداز اپنایا ہے۔ اشعار میں مراحلِ معراج کی طرف ترتیب وار اشارے ہیں جن میں شعری رمزیت کے باعث معنوی وسعت پیدا ہو گئی ہے۔

ابن نشاطی نے مثنوی ”پھول بن“ کے آغاز میں نعتیہ اشعار کی ذیل میں خاتم النّبیین ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے معراج کے حوالے سے جو اشعار کہے ہیں۔ ان میں بے ساختگی اور جوش ہے۔ اگرچہ شنیدہ روایات پر تکیہ کرنے کا انداز یہاں بھی کار فرما ہے۔

شبِ معراج ہے تجہ مہ سوں روشن   فلک کا سبز ہے تجہ شہ سوں گلشن
دیسا سو حال وو معراج کی رات   جگت کی عقل سوں پیلا رہی بات
نوازیا پل میں توں افلاکیاں کوں   کیا پل میں مشرف خاکیاں کوں
ہے تیرے خلق سے جنت معطر   کرم سوں ہے ترے طوبیٰ مثمر
زمیں رہی اس سبب یوں پست ہو کر   کہ سایہ نیں پڑیا تیرا تِس اوپر

اسی تے عرش ہے سب میں بلند آج　　جو تج نعلین کو کیتا سر تاج[۱۱]

محمد ابراہیم صنعتی نے بھی ''قصہ ٔ بے نظیر'' کے آغاز میں نعتیہ اشعار لکھے ہیں جن میں واقعہ ٔ معراج کی طرف اشارہ قرآنی تلمیحات کے ذریعے کیا ہے:

و ما زاغ کا کحل انکھیاں میں کر　　نہ واں زاغ دکھیا نہ واں باغ پر

دیا جب یو تشریف رب العباد　　کیا آخر امت کوں بھی اس میں یاد

فاوحی علی عبدہ کا شرف　　بزان حق تے نازل ہوا تج طرف[۱۲]

جن مثنویوں میں اصل قصے کے بیان سے پہلے حمد و نعت اور معراج کا ذکر ہے۔ ان میں بالعموم معراجِ آسمانی کا بیان ہے۔ بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ تک کے سفر کا ذکر مفقود ہے۔ البتہ با قاعدہ معراج ناموں میں یہ تفصیلات مذکور ہیں۔ اس زمانے میں کثرت سے وفات ناموں، معراج ناموں، قلندر ناموں کا ذکر ملتا ہے جو با قاعدہ محافل میں بڑھے جاتے ہیں۔ میلاد اور بیانِ معراج پر منّتیں مانی جاتی تھیں۔

سیّد بلاقی نے ۱۶۴۶ء میں ''معراج نامہ'' لکھا۔ (معراج نامہ کے سنِ تصنیف پر محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے) جس کے نسخے پیرس، لندن، حیدرآباد اور کراچی کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ بعد کے ادوار میں بھی دیگر شعرا نے اپنی تصانیف میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے متعلق رائے دی ہے۔ اس کا رنگ عوامی، بحر رواں اور مترنم ہے۔ سہ ماہی ''فروغِ نعت'' میں سیّد بلاقی کے معراج نامے کا ایک خطی نسخہ جو مخدومہ امیر جان لائبریری، نڑالی تحصیل گوجر خان، ضلع راولپنڈی میں موجود ہے، ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کے تعارف کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔[۱۳] معراج نامے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے کم و بیش ہر مرحلے کے بیان میں ضعیف و موضوع روایات کا بلا تکلف اضافہ کر دیا ہے۔ مثلاً یہ کہ جبرئیل ہزاروں لاکھوں فرشتوں کے ہمراہ اترے اور براق نے آپ ﷺ کی سواری کے وقت تندی کا مظاہرہ کیا۔ جبرئیلؑ بولے کہ کیا تم حضور ﷺ کو نہیں جانتے تو براق نے جواباً عرض کی کہ میں اُس وقت آپ ﷺ کو اپنے اوپر سوار کراؤں گا جب آپ ﷺ وعدہ فرمائیں گے کہ قیامت کے روز جنت کے ہزاروں براق کے بجائے آپ ﷺ مجھ پر سواری کریں گے۔ آپ ﷺ نے یہ بات قبول کی اور پھر براق پر سوار ہوئے اور سب فرشتے قطار میں ہمراہ چلے۔

اس کے بعد ایک شیر کے راستہ روکنے کا ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے انگوٹھی اتار کر اس کے منہ میں ڈال دی تو اس نے راستہ چھوڑ دیا یہ روایت بھی موضوع ہے:

کہ جبریل بولا محمد تائیں　　نکالو تمین اب انگوٹھی تئیں

انکو تہی دیو ڈال اس مکہہ مینے | کہ غائب ہووی باکہہ اب بلمینے
فکر کر کر ایہی نبی پاک یوں | نکالیا انکو تہی کو اب ہاتھ سوں
دئی باکہہ کی منہ مینی ڈال کر | نبی بول بسم اللہ انکو تہی پکر(۱۴)

مسجد اقصیٰ میں آمد کے بعد قبہ الصخرا کے معلّق ہونے کی روایت بھی ضعیف ہے۔ پھر بیان کیا ہے کہ اس مقام پر جبرئیل نے اذان دی تمام انبیا آپ ﷺ کے اقتدا میں نماز پڑھنے کو آ موجود ہوئے۔ پھر آپ روانہ ہونے لگے تو نور کا طبق اترا اور آپ ﷺ کو پانی، دودھ، شہد اور شراب پر مشتمل چار پیالے پیش کیے گئے جبکہ مستند روایات میں دودھ اور شراب کے پیالوں کا ذکر ہے۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ، دوسرے آسمان پر حضرت ادریس، تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ، چوتھے آسمان پر حضرت عیسیٰؑ، پانچویں آسمان پر عزرائیل اور ہارونؑ جبکہ چھٹے آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کا بیان ہ۔ حضرت عزرائیل سے ملاقات کے وقت ان کے حلیے اور قبضِ ارواح کے متعلق آپ ﷺ سے مکالمے میں کئی اشعار نظم کیے ہیں۔ نیز ہر آسمان پر فرشتوں کی جانب سے استقبال کے مناظر بھی بیشتر تخیل پر مبنی ہیں۔ آپ ﷺ کے مشاہدۂ جنت و دوزخ کا ذکر ہے۔ جس میں شاعر نے منظر نگاری کا فن دکھایا ہے۔

ایک روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے عالمِ بالا میں اونٹوں کی قطار دیکھی جن پر صندوق دھرے تھے۔ نبیؐ کی خواہش پر اللہ نے جبرائیلؑ سے کہا کہ ایک اونٹ کو روک کر صندوق کھول کر دکھائیں اور یہ صندوق آپ ﷺ کے کلمہ پڑھنے سے کھل گیا۔ صندوق میں شہر بسا تھا۔ جس کی خلقت دل و جان سے تسبیح و ثنا میں مصروف تھی۔ یہ دیکھ کر نبیؐ نے اللہ کی تعریف کی اور جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کہاں جارہے ہیں تو جبرئیلؑ نے کہا میں نے ساری عمر یونہی انہیں رواں دواں دیکھا ہے۔ ان کے آغاز اور انجام کا حال خدا کو معلوم ہے۔

کہ یہہ اونہتہ جاتي کیتی روز سون | کہ جبرئیل کون پہر پوچھا بات یوں
ایویں دیکہتا ہون میں ساري عمر | فرشتي ني بولیا نہیں مجہ خبر
یہ آتي کہان سون وہ جاتي کہاں(۱۵) | نہین انت معلوم بولوں بیاں

اس کے بعد سدرۃ المنتہٰی اور وہاں کی چار نہروں کا بیان ہے۔ جبرئیلؑ یہاں رک گئے اور حضرت محمد ﷺ کو تنہا آگے جانے کو کہا:

یہاں سیں اگے میں چلوں بال بھر
لگے آگ تن کوں جلے بال و پر(۱۶)

پھر یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ تعظیماً نعلین کو اتارنے لگے تو آواز آئی کہ

آپ ﷺ نعلین سمیت سیدھے عرش پر تشریف لے آئیں آپ ﷺ کے قدموں سے آسمانوں کے تزلزلِ قدیم کو استقامت ملی ہے۔

کہ ساتھوں فلک از تزلزل قدیم
تیرے پاوسیں اب ہوئے مستقیم (۱۷)

معراج کے متعلق اس روایت کو اکثر شعرا نے نظم کیا ہے کہ آپ ﷺ نے نعلین اتارنے کا قصد فرمایا تو ارشاد ہوا کہ اے محمد تم اپنے نعلین نہ اتارو تا کہ آسمان ان سے شرف حاصل کرے۔ اس روایت کو علما نے موضوع قرار دیا ہے۔ علامہ عبدالحئ لکھنوی فرماتے ہیں:

"اس قصے کا تذکرہ اکثر نعت گو شعرا نے کیا ہے اور اسے اپنے تالیفات میں درج کیا ہے اور ہمارے زمانے کے اکثر واعظین اسے طوالت و اختصار کے ساتھ اپنی مجالسِ وعظ میں بیان کرتے ہیں جبکہ شیخ احمد المقری نے اپنی کتاب "فتح المتعال فی مدح النعال" میں علامہ رضی الدین قزوینی اور محمد بن عبدالباقی زرقانیؒ نے "شرح مواہب اللدنیہ" میں زور دے کر وضاحت کی ہے کہ یہ قصہ مکمل طور پر موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گھڑنے والے کو برباد کرے۔ معراج شریف کی کثیر روایات میں کسی ایک روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کہ نبی کریم ﷺ اس وقت پاپوش پہنے ہوئے تھے۔" (۱۸)

اس کے بعد عالمِ بالا میں ربّ سے آپ کا کلام، نمازوں کی فرضیت اور ربّ کے حضور امت کی بخشش کی درخواست کا ذکر ہے۔ یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ معراج سے واپسی پر آپ کا بستر ا بھی گرم تھا، دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی، وضو کا پانی بہہ رہا تھا، اس روایت کو بھی بعض علماء نے غیر مستند قرار دیا ہے۔

پھر بلاقی نے کفار کی تکذیب کا ذکر کیا ہے۔ ایک یہودی کے متعلق بھی موضوع روایت بیان کی ہے کہ جو واقعۂ معراج کا منکر تھا، ایک مرتبہ دریا میں غسل کرنے گیا تو باہر آنے پر خوبصورت عورت کے روپ میں آ گیا۔ ایک مرد اسے اپنے ہمراہ لے گیا اور اس سے سات لڑکے پیدا ہوئے کئی برس بعد پھر دریا میں غوطہ لگایا تو اپنی اصل صورت میں لوٹ آیا۔ گھر پہنچا تو اس کی عورت بدستور مچھلی دھو رہی تھی۔ لوگوں نے اس کے واقعات کو جھوٹ قرار دیا وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعات بیان کر کے مسلمان ہو گیا۔ آخر میں بلاقی نے معراج نامے کے پڑھنے، سننے اور کسی کے پاس موجود ہونے کو بابرکت قرار دیا ہے اور خاتمہ کلام دُعا پر ہے۔

زبان و بیان سے قطع نظر، ہم کہہ سکتے ہیں کہ بے بنیاد روایات کے بیان سے بلاقی کا معراج نامہ محض ایک قصے کی حیثیت رکھتا ہے اردو کے اکثر میلاد ناموں میں اسرائیلی روایات دَر آئی

تھیں۔ انہی کا اثر دوسری نعتیہ ہیئتوں میں بھی نظر آتا ہے۔ بیشتر قدیم اُردو تخلیقات کے مضامین طبع زاد نہیں بلکہ فارسی ادب پاروں سے مترجم و ماخوذ ہیں۔ لہٰذا مماثل موضوع روایات کی پیہم تکرار دِکھائی دیتی ہے۔ ایک استاد شاعر جب کسی مضمون کو باندھتا ہے تو اسی کا چربہ ہونے لگتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات کوئی معروف معراج نامہ بعد کے معراج ناموں کا مرجع ٹھہرتا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے معظمؔ کی دو مثنویوں ''معراج نامہ'' اور ''قلندر نامہ'' کا ذکر کیا ہے۔ معراج نامہ معظم (قلمی) مخزونہ انجمن ترقی اُردو پاکستان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''معراج نامہ میں واقعاتِ معراج کو موضوع سخن بنایا گیا ہے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر عنوان ایک شعر سے شروع ہوتا ہے اور عنوان کے سب اشعار ایک ہی بحر اور قافیہ ردیف میں لکھے گئے ہیں ان سب اشعار کو یکجا کر دیا جائے تو ایک الگ نظم بن جاتی ہے جس میں سارے معراج نامے کا خلاصہ آجاتا ہے۔''(۱۹)

ڈاکٹر حسینی شاہد نے اپنی کتاب ''شاہ معظم'' میں اس معراج نامے کے تعارف میں لکھا ہے کہ بلاقیؔ کا معراج نامہ فارسی معراج نامے کا ترجمہ ہے۔ لہٰذا معظم کے معراج نامے کو پہلا طبع زاد معراج نامہ کہہ سکتے ہیں۔(۲۰) انہوں نے کتب خانہ جامع مسجد بمبئی میں موجود نسخے سے وہ اشعار دیے ہیں جنہیں بطور عنوان لکھا گیا ہے۔ عنوان کے یہ اشعار مجتمع ہو کر ایک قصیدہ بن جاتے ہیں۔

اوّل توحید کہتا ہوں سوا س قدرت کے قادر کا
کہ مالک ہے دو عالم کا اور رازق بحر ہور بر کا
نبی کا نعت کرتا ہوں مبارک ذات کا تعریف
کہ او محبوب رب کا ہور ہے صاحب ہفت کشور کا
کتا ہوں منقبت یاراں جو اصحاباں بڑے ہیں یو
نبی کے دو ہیں خلیفیاں عمر ، صدیقِ اکبر کا
کِتا ہوں مدح او شہ کا کہ او شاہِ ولایت ہے
لقب درگاہ سوں جس کوں علی کرّار حیدر کا
ایتا خاتونِ دوراں کا ثنا ہور صفت کرتا ہوں
جگر گوشہ علی کا ہور جو کوئی پیار ہے سرور کا
یونس معراج کی کہتے مشاطا ہو سنواری سو
عجب سنگار باندیا ہوں سو اس کے زور و زیور کا
ہوا ہے امر اشرف یوں لیجا براق تازی کوں

بولا لیا جبرئیل جا توں دیکھا دلدار دلبر کا
نبی خوش خواب سوتے تھے اپیں روح الامیں آ کر
مبارک کہہ شہنشہ کوں اچھو تجھ تخت افسر کا
ثنا براق تازی کا جتا تعریف کرتا ہوں
برق سوں تیز تر دستا ہریک پر جس کے شہ پر کا
شہنشہ شوق سوں اوٹھ کر ہوا ہے سوار تازی پر
منگیا ہے دیکھنے جا کر درس دل دار دل بر کا
مبارک وقت پر غازی چڑیا ہے تخت نوکھن کا
ہوا ہے شاد شاداں دل دیکھت دیدار دلبر کا
یوجاگا لامکاں کا ہے نہیں یو راز کہنے کا
نبی کوں حق دیا خلعت جہاں یو دلق فقر کا
نبی کو بھوک لگی تھی سو کیا معلوم مالک نے
اوتر کانسا سو آیا ہے برنج ہور شیر شکر کا
حضور سوں سوار رف رف کر کیا جب حق و داع شہ کوں
ملے تب جبرئیل آ کر کئے ہیں امر و تر کا
اوتر جب آئیا شہ گھر میں خیال خواب کا کرتے
بلال اٹھ بانگ دیتے ہیں ہوا ہے وقت فجر کا
الٰہی پاس منگتا ہوں امیں بولو محباں سوں
معظم عرض کرتا ہے پریشاں حال ابتر کا(۲۱)

یہ معراج نامہ سولہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی پانچ ابواب حمد، نعت، مدحِ صحابہ، منقبت حضرت علیؓ اور منقبت اہلِ بیت پر مشتمل ہیں چھٹے باب سے معراج کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ جو پندرھویں باب پر ختم ہوتا ہے۔ سولھویں باب میں دُعا اور مثنوی کی تصنیف کی تاریخ ہے۔ حمد و نعت اور مناقب کے بعد اصل مثنوی شبِ معراج کی کیفیت کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔ مثنوی کا یہ حصہ ادبی لطافت رکھتا ہے۔

عجب رات تھی شاہ کے کاج کی — سو پیارے حبیب کے تھی معراج کی
سو لکھن چھبیلی اتھی جگ اوجال — نہ تھی لیلۃ القدر اس کی مثال
کہاں لیلۃ القدر ایسی اتھی — نورانی سویو رات جیسی اتھی

ملائی وہ عاشق سوں معشوق کوں — لگائی نوا نیہہ کے شوق سوں
موہن مال جو اس سو گل گھال کر — اوپر کہکشاں کا سو پھُل مال کر
شفق کی کیتی لعل تیلک نچھل — اوپر قوس کی دامنی بے بدل
جواہر جتے سب ستارے ہوئے — سو میزان کے گوش پارے ہوئے
زلف کھول پیچاں پڑے مکھ اوپر — مگر چاند پر آ رہا ہے ابر
عرش پر بڑا آج کچ آج ہے — خدا کے حبیب کا سو معراج ہے
ارض ہور سماں کو سو روشن کیا — سو آفاق کوں صاف گلشن کیا(۲۲)

اس کے بعد معظم نے اللہ تعالیٰ کے جبرئیلؑ کے ہاتھ پیغام بھیجنے اور عرش پر آپ ﷺ کے استقبال کی تیاریوں کا ذکر کیا ہے۔

ہوا امر اشرف سو ربِّ جلیل — نبی پاس بیگی سوں جا جبرئیل
تحیات اور بول میرا سلام — میں منگتا ہوں تجھ سات کرنا کلام
مرے دل منے آج یو شوق ہے — ترے سات ملنا بڑا ذوق ہے
بولا جبرئیل جا توں اس شاہ کوں — دیکھا آج کی رات اس ماہ کوں
ملائک کتک لاکھ لے اپ سنگات — بولا لیا حبیب کو مرا تب سنگات
طبق نورسوں بھر ہزاروں ہزار — لیجا اس دل آرام پرسوں نثار
دلا زیب جنت کوں ساری اوّل — پچھیں جا نبی کے بلانے بدل
بولا جا کے جنت میں براق کوں — کرا مستعد ساز اعراق سوں
عرش سار کے خاص محلاں سنگار — دلا زیب و زیور سوہر ٹھار ٹھار
بولایاں میں آج دلبر کیتیں — لبا لب بھرا حوض کوثر کیتیں
سو دلدار آتا ہے مہمان آج — نہیں اس تے پیلاڑ کچھ مجھ کوں آج
سو رضوانِ جنت کوں ہوشیار کر — ہر ایک شجر میویاں سوں پر بار کر
کہ کر ساری حُوروں کو آراستہ — کھلا پھول ہر جنس نو خواستہ
جہنم کے مالک کوں تجھ اک بولا — سو دروازے دوزخ کے محکم دلا(۲۳)

جبرئیلؑ نے حکم کی تعمیل کی، آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اللہ کا پیغام پہنچایا عرش پر آپ ﷺ کے استقبال و انتظار میں قدسیوں کی حالت بیان کی اور بتایا کہ اللہ نے اپنے کرم سے براق بھیجا ہے۔ اس کے بعد براق کی صفت میں اشعار کہے ہیں۔ براق پلک جھپکتے میں مسجدِ اقصیٰ پہنچا پھر آسمانوں کا سفر شروع ہوا فارسی معراج ناموں کی طرز پر یہاں بھی حضور ﷺ کے

استقبال کے ضمن میں قمر، عطارد، زہرہ، آفتاب، مریخ اور مشتری کا ذکر ہے۔ موخر الذکر موضوع روایت یہاں بھی بیان ہوئی ہے کہ ایک شیر آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنی انگوٹھی اس کی طرف پھینک دی شیر نے اسے اپنے منہ میں لے لیا۔ پھر چار پیالے لائے جانے کا ذکر ہے جس میں سے آپ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے بذریعہ رف رف آگے تنہا عرش معلّی تک پرواز کا ذکر ہے۔ ستر ہزار پردے جو درمیان میں حائل تھے وہ اُٹھ گئے اور قاب قوسین کا فاصلہ رہ گیا۔

اس کے بعد معظم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے راز و نیاز کو بیان کیا ہے۔ اللہ نے حضور ﷺ کو آگاہ کیا کہ اس بارگاہ تک صرف آپ ﷺ کی رسائی ممکن ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کے اعمال کے باعث یہ کرم ہوا۔ رسولِ کریم ﷺ نے اللہ سے اپنی اُمت کی بخشش کی استدعا کی۔ اللہ نے حضور پاک ﷺ کو اپنا گنجِ مخفی دِکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں نبی کریم ﷺ کو خلعتِ فقر عطا فرمایا۔ پھر رسول کو اشتہا محسوس ہوئی تو غیب سے شیر برنج کا کاسہ اترا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خربوزہ بھی عطا کیا جس کے بیج آپ ﷺ نے امت کے لیے رکھ لیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو واپس تشریف لے جانے کو کہا۔ واپسی پر دوبارہ جبرئیلؑ ملے۔ آپ ﷺ کو جنت کی سیر کرائی اور انبیاء سے ملاقات کرائی۔ معراج کے واقعے کے بعد دو مشہور روایتوں کو نظم کیا ہے۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ معراج سے تشریف لائے تو بستر گرم تھا۔ دوسری یہودی کی روایت جس کا ذکر معراج نامہ بلاقی کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔ آخری باب میں مناجات رقم کی ہے۔ شاہ معظم نے اس معراج نامے میں ضعیف اور من گھڑت روایات کو بلا تحقیق نظم کیا ہے۔ ڈاکٹر شاہد حسینی لکھتے ہیں:

> ”انھوں نے فکر و فن پر نہیں بلکہ روایتوں کی گھتاونی پر زیادہ توجہ دی ہے اور رروایتیں بھی ایسی ہیں جن کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ اس لیے یہ مثنوی نہ تو فلسفۂ معراج کی توجیہہ و تشریح کے اعتبار سے کوئی اہمیت رکھتی ہے اور نہ ادبی محاسن کے لحاظ سے دکھنی ادب میں اس کو کوئی مقام نصیب ہو سکتا ہے۔ تاہم معراج کے بیان میں قدیم ترین اچھی نظم ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت مسلّم ہے۔“(۲۴)

مختار کا معراج نامہ (۱۶۸۲ء) تقریباً تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے اس میں مقبول و مروّج روایات کو بیان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل نے معراج نامہ مختار (قلمی) مخزونہ انجمن ترقی اُردو پاکستان کے حوالے سے اُردو زبان کے ذخیرۂ الفاظ کی تبدیلیوں کو ظاہر کرنے کے لیے یہ اشعار بطور مثال نقل کیے ہیں:

چھٹے اسماں پر نبی جب چڑے — دیکھے واں عجائب تماشے بڑے

نبی جب چڑے ہیں اس اسمان پر — اتھا پردہ دار اسپہ کیتے نظر
او عائیل ہے نانو اس کا مدام — کیتے تھے اسے پردہ دار اس مقام
پیمبر کیے ہیں تو اس کو سلام — ادب سوں علیکی کیا ہے تمام(۲۵)

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط لکھتے ہیں:

''اِس دور کا سب سے بہتر معراج نامہ جو شعری خوبیوں سے مالامال ہے مختار کا ہے۔ اس نے معراجِ نبویؐ کی پانچ وجہیں بیان کی ہیں جو اگرچہ نصوص واحادیث سے ثابت نہیں ہیں مگر ان میں شعریت پوری طرح موجود ہے۔''(۲۶)

مذکورہ وجوہات مختصراً یہ ہیں کہ اللہ نے حضور ﷺ کی مشقت کو دیکھ کر اپنے پاس بلایا۔ آپ ﷺ کو قیامت کے روز اُمت کی فکر ہو گی اور آپ ﷺ کو اذنِ شفاعت بھی حاصل ہو گا تو اللہ نے آپ ﷺ کو جنت اور دوزخ کے حالات سے آگاہ کر دیا۔ اللہ کے دیدار کی اوّلیت کا شرف آپ ﷺ کو عطا کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بطور حبیب زمین و آسمان کے خزانے آپ ﷺ پر واضح کر دیے۔ آسمان پر آپ ﷺ کے قدم مبارک پڑے تو وہ شرف میں زمین کے برابر ہو گیا۔

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے مختار کے معراج نامہ (قلمی) مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن کے حوالے سے کچھ اشعار نقل کیے ہیں جن میں جبرئیلؑ کی آمد کا بیان ہے:

کہے جبرئیل آ کے قم یا حبیب — بڑا ہے خدا کے کنے تجھ نصیب
سو جبرئیل نے حق تے ان پر سلام — پچھیں ان ستے یوں کئے ہیں کلام
کہیا حق تعالیٰ نے حق تے سو کام — بھی صلوات بولیا درود و سلام
کیا حق تعالیٰ نے یوں تم کوں سب — جو پیدا کیا تمکون میں اس سبب
شفاعت منگے سب گناہ گار کی — جو بخشاوے سب ان کو یکبار گی
چلو بیگی مکے کے جنگل منے — سب امت کے اعمال کوں دیکھنے
تو عبرت ہوئے گی تمن دل اپر — کہ یو وقت میں نیند کا سربسر
پکڑ ہاتھ جبرئیل کا ہوشیار — تب آئے ہیں سرور مکے کے بہار(۲۷)

دکنی شاعری میں ہیئت کے اعتبار سے مثنوی مرغوب ہے ''نامہ'' سے متعلق بیشتر تخلیقات مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔ فتاحی نے بھی مثنوی کی ہیئت میں معراج نامہ لکھا۔ جس کا سنِ تصنیف ۱۰۹۵ھ بتایا جاتا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے کتب خانہ سالار جنگ کی اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست میں یہ اشعار بطور نمونہ درج کیے ہیں:

آ جبرئیل لب سوں ان کو ہلا — سو قم قم حبیب یو تجھے ابلا

جو لیائے تھے براق جیون برق سار　　　تو سلطان چڑ اسپہ ہے شہ سوار(۲۸)

فتاحی نے معراج نامہ کے علاوہ "مفید الیقین" میں بھی معجزات نبیؐ کا ذکر کیا ہے۔ دکن کے صوفیہ کی تبلیغی روایت کا حصہ ہونے کے باعث یہ مثنویاں اسی عہد کے مروّجہ مذہبی رجحانات کا اظہاریہ ہیں جبکہ ادبی اور تحقیقی محاسن مفقود ہیں۔ فتاحی نے بھی صحتِ روایات کا خیال نہیں رکھا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے امین گجراتی کی دو مثنویوں "یوسف زلیخا" اور "تولد نامہ" کا ذکر کیا ہے۔ "تولد نامہ" (قلمی) مخزونہ انجمن ترقی اُردو پاکستان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"تولد نامہ" قریباً ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس کے تین حصے ہیں۔ ایک تولد نامہ، دوسرا معراج نامہ اور تیسرا وفات نامہ۔۔۔ معراج نامہ میں واقعہ معراج کی تفصیل بیان کی ہے۔"(۲۹)

رستمی کی مثنوی "خاور نامہ" ایک فرضی رزمیہ داستان ہے جس کے ہیرو حضرت علیؓ ہیں۔ مثنوی کی ابتدا حمد سے ہوتی ہے۔ "گفتار در صفت آدم زاد و قدر و منزلتِ ایشان" کے عنوان کے تحت آدمؑ کی پیدائش اور فرشتوں کا بیان ہے۔ "فی المناجات" کے تحت گیارہ اشعار ہیں جن کے بعد نعتیہ اشعار شروع ہو جاتے ہیں۔ ان نعتیہ اشعار میں معراج کا بیان ہے:

فلک رات اس رسم دسرا کیا　　　جو نعلین اس تاج کر سر لیا
رکاباں ہوا زین کا ماہِ نو　　　دیکھیا جو کہ آیا ہے یو شاہِ نو
خریدار ہوئی جیو سوں مشتری　　　جو اس کے قدم تھے پاون برتری
قدم پر اسی سیس زہرا رکھی　　　جو روشن ہووے نور میرا سبھی
جنیبت جو کھانے کا کیتا قیاس　　　دیا جوزا جو کہکشاں کاچ گھانس
اسی وضع سا تو محل پر گیا　　　اپس نور سوں سب کو روشن کیا
خیال قوس اپرال جوں کے کیا　　　کمال ابرواں تھے اسی کوں دیا
زلف کی سیہ رات سوں چاند کوں　　　کیا بھوت روشن اسی دھات سوں
اسی باٹ کو جو نہایت نہ تھا　　　گیا پونچ تا سدرۃ المنتہٰی
براق اس کو لے کر وہاں بھی گیا　　　جو جبریل جانے تھے انگے رھیا(۳۰)

اسی مقام پر نبی کریم ﷺ نے جبرئیلؑ سے آگے نہ جانے کے متعلق استفسار کیا تو جبرئیل نے عرض کی:

کھیا مجھ پراں کو تو قوت نہیں　　　انگے اڑ کے جانے کی قدرت نہیں
تجھے نور حق کا ہو گا رہنما　　　لجاگا تجے تابہ عرش خدا

پیمبر چلے چھوڑ جبرئیل کوں	یقین اور گماں ، قال ہور قیل کوں
چلے ساتو آسمان چھوڑ بیگ کی	جنیبت چلا عرش نزدیک کی
گئے بیگی سوں عرش کیرے انگیں	پانواں تھے بھی نعلین کاڑن منگیں (۳۱)

اس کے آگے اس روایت کا بیان ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے کہ اللہ کے خطاب کرنے پر آپ ﷺ نعلین سمیت عرشِ معلّٰی پر تشریف لے گئے۔ پھر اللہ اور نبی ﷺ کے مابین مکالمے کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی ثنا بیان کی۔ اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کی تعریف کی اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اُمت کی بخشش کا سوال فرمایا:

کھیا یوں پیمبر کہ اے کار ساز	سزاوار ہے خلق کا تجھ نیاز
ترا لطف مجھ کو ہوا رہنموں	تو آیا ہوں میں بھی اسی ٹھار توں
توں بخشن کرنہار ہے کر میں منگوں	منگوں عفو پھر پھر کر تجھ لطف سوں
بخش سب امت کو مری ایک بار	جو بخشش تھے تجھ ہووے مجھ دل قرار
دوجی بار درگہ تھے آیا خطاب	کہ روشن ہے تجھ چھانو تھے آفتاب
اگر سب اُمت کے گناہاں تمام	جو بخشوں گا تجھ کو اتال اے امام
نہ ہو گا مرے لطف رحمت میں کم	جو بخشوں گا امت کو سب ایک دم
و لیکن ترا قدر نہ جان سیں	او بخشش کو تیری نہ پہچان سیں (۳۲)

شاعر نے صلوٰۃ وسلام پر ان اشعار کو ختم کیا ہے۔

ملک خوشنوؔد کی مثنوی "جنت سنگار" میں حمد و نعت کے بعد صفتِ معراج میں اشعار ملتے ہیں:

محمد سب نبیاں کے ہیں سر تاج	محمد باج بھی کس نئیں ہے معراج
مبارک رات اور جس رات میں شاہ	گئے ہیں عرش پر جیو کھن اوپر ماہ (۳۳)

خوشنوؔد نے یہاں اِس رات کا عمدہ نقشہ کھینچا ہے اس کے بعد برّاق کی تعریف میں اشعار کہے ہیں:

عجب او بے بدل محبوب گھوڑا	سداون بی دیسے تعریف گھوڑا
چندر صورت نین دو صاف تارے	پلک خنجر کھڑک سوکے دو دھارے
ترنگ چھپ سوں کر لے چنچل رجھانے	پڑی خوں بھوئیں پہ جوں موتیاں کے دانے
لٹکتی چال جو محبوب دھن میں	ڈولے جیوں سرو خوش جیو کے چمن میں (۳۴)

اس کے بعد آسمانوں پر آپ ﷺ کے استقبال کا ذکر ہے اور پھر معراج نامے کے روایتی مضامین بیان کیے ہیں۔

نصرتی کی مثنویوں میں ذکرِ معراج کے علاوہ دیوانِ نصرتی میں معراجیہ قصیدہ بھی شامل

ہے۔ دکنی قصائد میں قصیدہ کی ایک قسم ہے جسے ”چرخیات“ کہتے ہیں اس قصیدہ کی تشبیب میں فلکیات کے متعلقات بیان ہوتے ہیں جیسے آسمان، سورج، شفق، چاند، رات کی تاریکی وغیرہ۔ نصرتیؔ کے قصیدۂ چرخیہ کا موضوع ”معراج النبی ﷺ“ ہے۔ نصرتی نے قصائد کی زبان کو ادق بنانے کو فارسی تراکیب کا استعمال کیا ہے۔ ”قصیدۂ چرخیہ“ میں خاص دکنی الفاظ اور ترکیبیں بھی بہت زیادہ ہیں جنہیں سمجھنا دشوار ہے۔ یہ نظم نصرتی نے محمد عادل شاہ کے عہد میں لکھی۔ جو اندازِ بیاں، تخیل و معنی آفرینی کی وجہ سے شاہکار ہے۔

نصرتی کے قصیدۂ معراج کی تشبیب فلکیات سے متعلق ہے۔ اس میں انہوں نے معراج کی مناسبت سے رات کے منظر کو دلکش استعاروں میں بیان کیا ہے:

تخت نے جب دن پتی سیج میں کیتا گون
نِس کا سپہ دار تب گرم کریں انجمن
صبح کا فراش جگ شمع سوں روشن کرے
ریگ سوں تاریاں کی نت مانج گگن کا لگن
دن کے سلیمان نے مہر کے کہونے میں مہر
مسند سیمیں لیا رین کرا اہرمن
پاچ کے تختے اپر بازی میش و ببر
ماند قضا ہور قدر وقت گماویں اپن(۳۵)

تشبیب کے بعد حضور ﷺ کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

دین کے سرتاج کی صاحب معراج کی
اوستے ہی تس کاج کی جگ پہ شمع رین
حق کا نبی پاک وہ جگ تے شرف ناک وہ
مفخرِ لولاک وہ خاتم آخر زمن
دیکھ یو سب یک نظر من کی تر نگاں مگر
بام دویم پر گزر پل میں رکھیا جوں پون(۳۶)

قصیدے میں مدحِ رسول ﷺ کے علاوہ چار یار یعنی خلفائے راشدین کی مدح بھی ملتی ہے۔ نصرتیؔ کا تعلق دربار سے تھا۔ بادشاہ سے اسے جو قربت تھی اسی کا نتیجہ ہے کہ قصیدے کا موضوع جو بھی ہو نصرتی نے بادشاہ کی مدح کا جواز پیدا کر لیا ہے۔ حتیٰ کہ معراجیہ قصیدے میں بھی بادشاہ کی مدح ملتی ہے۔

نصرتی نے مثنوی گلشنِ عشق میں حمد باری تعالیٰ کے بعد نعت کے اشعار کو معراج پر ختم کیا ہے:

ترے نور تے ایک شعلہ ہے سور — سیڑھیاں نو فلک واں تیرا جاں ہے طور
تہیں حق سوں نت ہم زباں ہم کلام — تجے قاب قوسین ادنیٰ مقام
تمہیں لامکاں کے دھنی کا انیس — توں بے مثل بے شبہ کا ہم جلیس
دوجے گرچہ حیراں ہیں رویت کے باج — ہور آپس تے اپیں ہوا تج یوراج
وہ طالب کا تھا لن ترانی جواب — تجے تو اپن ہو ملن کا خطاب(۳۷)

اس کے بعد الگ عنوان کے تحت صفتِ معراج میں شعر کہے ہیں۔ نصرتی اپنے عہد کا قد آور قصیدہ گو ہے۔ مدح رسول میں بھی اس کا قلم جوہر دکھاتا ہے۔ شبِ معراج کے بیان کا آغاز بڑے خوبصورت انداز میں ہوتا ہے:

دھریا پردہ سور جہاں ، جب حجاب — ہوئی حجلۂ راز کوں نس نقاب
کھولی باٹ طالب کی مطلوب دھیر — مقاماں ہوئے وصل کے دلپذیر
جو تھی من میں مطلوب و طالب کی آس — انپڑنے کی باری اپیں آئی پاس
خصوصاً جو ہستی کرا باغباں — نپایا سو کونین کی بوستاں
خلاصہ دونوں بن کا یعنی محمد رسول — سب جگ کا یک خاص پھول(۳۸)

ان اشعار کی فضا میں ایک سہولت اور روانی کا احساس ہوتا ہے۔ نصرتیؔ نے معراج کے مراحل و منازل کو مناسب الفاظ میں سمیٹا ہے۔ جس کے باعث ذیلی موضوع ہونے کے باوجود مثنوی کا یہ جزو ایک مختصر معراج نامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ حضور پاک ﷺ کی سواری، خلائق سماوی کی تیاریاں، آسمانوں سے گزرنے کا بیان عمدہ شاعری کا نمونہ ہے۔ برّاق کی تعریف میں یہ اشعار دیکھیے:

پرندہ ولے تیز پر سہم تے — دے روح پن جلد تر وہم تے
جو دوڑے تو یک طرفۃ العین میں — سبک سیر کر آئے کونین میں(۳۹)

مختلف افلاک سے گزرتے ہوئے اجرامِ فلکی کی کیفیاتِ فیض کا بیان نصرتیؔ نے بھی اسی طرح کیا ہے جو فارسی معراج ناموں کی روایت رہا ہے:

گیا پیش جب چرخ اوّل دھم — سٹیا سو ترنگ چاند کے تن پہ سم
گئے جیوں دوجے آسماں کے اوپر — کئے سو عطارد طرف یک نظر
ہوا پل میں علّام روشن ضمیر — بنیا بدسوں ساتوں فلک کا دبیر
سیوم چرخ پرواں تے کیتا گون — نظارہ کیا سوچ زہرہ رخن

بدھاوا یو شہ کاج گانے لگی | بجا ماہ کا دف پلانے لگی
کیا چرخ چہارم پہ جب واں سوں دھانو | سٹیا سو ہمائے سعادت کی چھانو
ہوئی سات کھنڈ کی شہی سود کوں | جہاں پروری آئی تس نور کوں
کیا جب فلک پانچویں پر ٹلُک | دیکھیا واں جو مریخ کی دھیرٹک
ادک سرخ رو ہو شجاعت منے | لیا کھینچ خنجر سدا ہت منے
گئے جو چھٹے آسماں کے فراز | ہوا مشتری واں جو آپیش واز
دکھت درس ہو نیچ میں ہم زباں | ہوا قاضی مسند آسماں
کیاواں تے جیوں چرخ ہفتم پہ چال | زحل نحس اکبر کو پا جگ کا کال(۴۰)

قدیم معراج ناموں میں جن موضوع روایات کی بالعموم بہتات ہے۔ نصرتی کے اشعار میں اس کا اثر کم ہے لیکن نعلین سے متعلق روایت کو نصرتی نے بھی نظم کیا ہے جس کا ذکر گزشتہ معراج ناموں میں کیا جاچکا ہے:

جب آیا دیکھے عرش عالی انگے | چلن تس پہ نعلین اتارن منگے
کیا عرش در حال یوں التماس | کہ ہے اے حبیب خدا تجھ سوں آس
جھٹک گرد تج پگ کی نعلین کی | کہ ہو روشنی دل کی مج نین کی(۴۱)

نصرتی اس بات کا قائل ہے کہ رویت الٰہی کا شرف آپ ﷺ کو بچشم سر حاصل ہوا۔ لامکاں میں خلوتِ خاص کا ذکر نصرتی نے نہایت عمدگی سے کیا ہے:

رھیا نیں جہت کوں کسی طرف موں | بجز ہُو نہ تھا نا نو کس حرف کوں
ہوا قرب واں قاب قوسین کا | دسیا فیض ادک رویت عین کا
اٹھیا بیچ تے واسطے کا نقاب | میسر ہوا خلوتِ بے حجاب
سو بن حرف و صوت بن آواز کیاں | لگیاں بیچ باتاں ادک راز کیاں(۴۲)

اس بات کا بھی ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو یاد فرمایا۔ نیز فضیلتِ شبِ معراج کی طرف بھی نصرتی نے اشارہ کیا ہے۔

نصرتی نے مثنوی ''علی نامہ'' میں بھی حمد و نعت کے بعد ذکر معراج میں اشعار کہے ہیں۔ معراج کی رات سے آغاز ہوتا ہے کہ جب جبرئیل پیغامِ خداوندی لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کو بیدار کیا، برّاق حاضر کیا، آپ ﷺ وضو کے لیے مستعد ہوئے پھر سفر سماوی شروع ہوتا ہے۔ یہاں بھی فلک، عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل کا ذکر ہے۔ نعلین مبارک سے منسوب روایت کو دہرایا ہے۔ یہاں مقامِ قربِ خاص کا ذکر کرتے ہوئے نصرتی آپ ﷺ کے نوری ہونے کا ذکر

کرتا ہے:

رہیا یک ہو نور میں نور مل نہ تھی غیر کو ٹھاؤں اسٹھار تل
اجالا جدا کر دیکھے جائے کیوں رکھے شمع دیپک مل کمیٹھار جیوں (۴۳)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے "تاریخ ادب اردو" میں سیّد میراں ہاشمی کے "مخمس در نعت و مدح مہدی جونپوری"، "معراج نامہ"، "مثنوی عشقیہ"، "مثنوی یوسف زلیخا" اور "دیوانِ ہاشمی" کا ذکر کیا ہے۔ مخمس میں حمد اور نعت کے بعد معراج کا بیان ہے۔ جبکہ ہاشمی کا "معراج نامہ" ہیئت کے اعتبار سے مثنوی ہے۔ جمیل جالبی "معراج نامہ" (قلمی) بیاض انجمن ترقی اُردو پاکستان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"معراج نامہ میں ہاشمی نے اس واقعے کی جزئیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور قدم قدم پر سفر کی ساری تفصیلات اس طور پر بیان کی ہیں کہ معراج کا واقعہ نظروں کے سامنے آ جاتا ہے بیان کی پراسراریت سے سننے والے کے ذہن پر جلال و جمال کا ہلکا سا پردہ پڑا رہتا ہے اور محفل میں بالخصوص لحن سے پڑھنے سے اس کے اثر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ ایک عوامی مثنوی ہے جو اپنی ترتیب، مواد و ہیئت کو ایک کرنے کی کوشش اور مجموعی ساخت کے اعتبار سے بھی قابلِ قدر ہے۔"(۴۴)

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، ہاشمی کے معراج نامے کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس کے معراج نامے میں وہ تمام عناصر دِکھائی دیتے ہیں جن کا استعمال اس کے پیش روؤں نے کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دل کے نُور سے تخیل کی آنکھیں روشن کر لی تھیں اور عقیدت کی روشنی میں جنت، دوزخ، حور و ملائک سبھی کے دیداروں سے مشرف ہوا تھا جو دیدہ وروں کو بھی مشکل سے ہی نصیب ہوتا ہے۔"(۴۵)

افسر صدیقی امروہوی نے ہاشمی کے معراج نامہ کے آغاز کے یہ اشعار دیے ہیں:

وہے اے محمد رسول انبیا بیاں میں جیسے سب تے فاضل کیا
بزاں سب خدائی کیا آشکار اوّل کر محمد کوں پروردگار
بزاں سب یو عالم ہویدا کیا اوّل نور ذاتی ہویدا کیا(۴۶)

اعظم دکنی کے معراج نامہ (۱۱۲۰ھ) میں حمد و نعت اور مناقب صحابہ کے بعد معراج شریف کا بیان ہے۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ نے یہ اشعار بطور مثال درج کیے ہیں:

دو عالم کوں محشر میں جامی ہے او نبیاں، مرسلاں پیچ نامی ہے یو
رسولاں میں ہے شاہ خیر البشرؐ چھتر جس کے سر ہوئے روز حشر(۴۷)

محمد بن مجتبیٰ مہدوی نے بھی معراج نامہ لکھا ہے اور اپنی زبان کو کبھی دکنی اور کہیں

ہندوستانی کہتا ہے:

محمد جو کہ ابن المجتبیٰ ہے — جو سارے مہدیوں کا خاک پا ہے
انے معراجِ حضرت کا یوسارا — نظم دکنی میں بولا ہے اشارا
بزرگوں نے لکھے ہیں جو رسالے — دقائق اور حقایق ان میں ڈالے
سونا جز نے نپٹ آسان بولا — بچا دے کن جو گٹھڑی تھی سو کھولا
لکھی ہندوستانی میں عبارت — سو بعضے بول دکنی میں عبارت(۴۸)

دکن کی قدیم منظوم داستانوں میں بیشتر مثنویاں انھی روایتی اجزا پر مشتمل ہیں۔ قصہ کے بیان سے پہلے حمد و نعت کے بعد معراج کا ذکر ملتا ہے۔ عارف الدین خان عاجز کی مثنوی ''قصہ لال و گوھر'' سے یہ نعتیہ اشعار معراج کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

ظہورِ کائنات اس کے سبب ہے — ہویدا ہے کہ وہ محبوبِ ربّ ہے
مقام قاب قوسین اس کا خلوت — کلام اس کا وہی ہے حرفِ جلوت
مکانِ لامکاں سے ہے سرافراز — خدا سے ہمکلام ہے صاحبِ راز(۴۹)

نُوراللہ نے مثنوی ''قصہ قاضی و چور کا'' کے آغاز میں اپنے پیر محی الدین کی مدح کرتے ہوئے معراج کے حوالے سے ایک موضوع روایت قلمبند کر دی ہے۔

محی الدین ان کا ہے روشن لقب — بزرگی انھی کو دیا آپ ربّ
محمد جو معراج کو جب سدھائے — سنا ہوں کہ اس ٹھار پر کام آئے
میں کیوں کر نہ ان پر سو قربان جاؤں — کہ تھا پیٹھ پر جس کی حضرت کا پاؤں
اتر بارے حضرت اسی ٹھار پر — مناجات مانگے ہیں ربّ پاس پھر
حکم رب سے آیا یو فرزند ہے — یو فرزند تیرا سو دل بند ہے
تیرے بعد تیرے یہی دین کو — رکھیں گے جتن کر ترے دین کو(۵۰)

دکن کے شعری سرمائے میں عوامی پسندیدگی کا عنصر غالب ہے مذہبی شاعری اس دور کا خاصہ ہے اور معجزاتِ رسول ﷺ میں سے بالخصوص معراج کا ذکر علیحدہ تصانیف کے علاوہ، دیگر مثنویوں میں بھی حمد و نعت کے بعد مروج رہا ہندوستانی معاشرت اور ہندی دیومالا اور بت پرستی کے اثرات سے اسلامی عقائد و واقعات کے بیان میں بھی غیر حقیقی روایات شامل ہو گئیں۔ دکنی دور کے معراج ناموں، میلاد ناموں، وفات ناموں کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

''یہ نامے منظوم سیرت کی ابتدائی شکلیں ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے زبان میں وسعت پیدا ہوتی گئی سیرتِ رسولؐ کے مختلف و متفرق اجزا کے بیان

میں مستند کتبِ سیرت سے رجوع کیا جانے لگا۔ غیر معتبر روایات و واقعات کا ذکر کم ہوتا گیا۔ دراصل یہی معراج نامے، وفات نامے اور معجزات نامے بعد میں مولانا محمد باقر آگاہ کی "ہشت بہشت" جیسی معتبر اور موثر منظوم سیرت رسول اکرم کی تخلیق کا باعث بنے۔"(۵۱)

مولانا محمد باقر آگاہؔ کی منظوم سیرت "ہشت بہشت" دکنی ادب میں مذہبی شاعری میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ آگاہ کے تخلص کا پرتو اس کے شعری مزاج میں نظر آتا ہے۔ اس تصنیف میں روایات کو صحت کے ساتھ بیان کرنے اور سندِ احادیث پر زور دیا گیا ہے۔ آگاہ نے اپنے کلام میں ان منظومات کی نشاندہی بھی کی ہے۔ جن میں روایات کو بغیر تحقیق کے نقل کر دیا گیا ہے۔ یہ سیرت آٹھ رسالوں پر مبنی ہے جس میں ایک رسالے کا نام "من درپن" ہے۔ یہ معجزاتِ نبویؐ پر مشتمل ہے۔ جن میں واقعۂ معراج بھی شامل ہے۔ ہشت بہشت اس لیے خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ آگاہ نے معتبر ماخذوں سے رجوع کیا ہے۔ حضور ﷺ کی ولادت اور معجزات وغیرہ کے ضمن میں جو من گھڑت روایات شاعری میں منتقل ہو رہی تھیں۔ آگاہ نے ان کو ردّ کر کے ایک ادبی اور مذہبی خدمت سر انجام دی ہے۔ ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق نے مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد کے حوالے سے یہ مثالیں درج کی ہیں:

جیسا فتاحی لکھا ہے معجزات — اکثر اس میں ہے غلط اور جھوٹ بات
اور یوں نور و شمائل کا بیاں — اور یوں معراج نامہ اے میاں
اور وفات شاہ کا ذکر اس نمط — اکثر ان نسخوں کا مضمون ہے غلط(۵۲)

معراج ناموں میں ابوالحسن قربیؔ اور شاہ کمال الدین کے معراج نامے بھی شامل ہیں۔ دکن کے مذہبی ادب میں ان کی اہمیت ہے۔ قربیؔ کے معراج نامے کی بنیاد شیخ محدث دہلوی کی "معارج النبوۃ" پر ہے۔ قربیؔ نے واقعاتِ معراج بزبانِ پیغمبر بیان کیے ہیں۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

سو بیت المقدس کو پہونچا شتاب — ملک آئے آگے مرے بے حساب
مرے پر سلامِ تحیت کیے — خدا کے کرم کی بشارت دئے
اوتاریا وہاں بھی مجھے جبرئیل — بندیا بیگ او تازے بی بدل
نبیاں کی جماعت آگے چل کر آئے — مجھے بہوت حرمت سو اگے لجائے
کہا جبرئیل اے محمد نبی — دو رکعت گزاروں میں یہاں پر بھی
نبیاں کے تمن بیگ ہو کر امام — کرو اس دو رکعت کیتی تم تمام
کئے حمد حق کا پڑے بعد ازاں — موافق آپس کے او پیغمبراں
کیا ذوالمنن کا میں حمد و ثنا — کہ کوئی نہیں کئے یوں ثنا کا بیاں
بزاں ہات میرا پکڑ جبرئیل — ہوا مجھ کوں ستھری طرف اور دلیل(۵۳)

کمآل کا معراج نامہ بھی مروّجہ طریقوں پر ہی مرتب ہے۔ اس نے بلاقی کے معراج نامے کے نقائص بیان کیے ہیں اور اس تصنیف کو ایک عربی معراج نامے کا ترجمہ بتایا ہے جو اس نے بیت اللہ شریف سے منگوایا تھا۔ کمال نے بعض اشعار میں عربی کے جملے جوں کے توں رکھ دیے ہیں۔ معراج نامے کی وجہِ تصنیف کو کمآل نے یوں بیان کیا ہے:

جس کے درگہ کا کمال ادنیٰ فقیر — حضرت سہمیر پیرِ دستگیر
جو بلاقی نے کیا تصنیف آں — نامۂ معراج در ہندی زباں
ہم صحیح و ہم ضعیف و ہم غلط — تھے روایت اوس میں شاید مختلط
لا جرم در طبع موزون بلند — نامۂ مذکور نیں آیا پسند(۵۴)

قاضی محمود بحری نے مثنوی ”من لگن“ میں ”در صفتِ معراج مبارک“ کے عنوان سے اشعار درج کیے ہیں۔ ان اشعار میں اختصار ہے۔ مگر بیان میں تشبیہات و کنایات بڑے جاندار ہیں۔ بحری نے عالمِ ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت سے گزر کر بارگاہِ مقدس میں آپ ﷺ کے قُربِ الٰہی کا ذکر، حقیقت محمدیؐ کی تشریح کے طور پر کیا ہے۔ دیگر مثنویات میں محض معراج کے واقعاتی بیان سے ہٹ کر یہاں فلسفیانہ و صوفیانہ نکتہ طرازی دکھائی دیتی ہے۔ ان اشعار سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

جیوں گودڑی سات تہ کی سوزن — یوں پھوڑ گیا گگن او سو دھن

ناگیان، نہ گرب تھا نہ گن تھا — جس آن منے نہ اِن نہ اُن تھا
معلوم کیے ہیں ”من رانی“ — احمد کے اشارتاں پر گیانی
دو جگ کوں کرے دوی کی تعلیم — آ بیچ میں مصلحت کے او میم

میتے میں نہ میں نہ توں کی تاڑی — نا ھست پرک نہ نیست ناری
نا اور کچھ ان کے ما سوا تھا — گھر گیان نہ دیکھ کا دِوا تھا
آپس کے اوپر اپی ھوا جان(۵۵) — دکھلائے مکھ آگھی کے جب آن

لچھی نرائن شفیق کا معراج نامہ ایک غیر مسلم کی حضور پاک ﷺ کے لیے عقیدت و احترام کا اظہار ہے۔ جو زبان و بیان کی خوبیوں سے بھی خالی نہیں۔ شبِ معراج کی کیفیت کے بیان میں چند اشعار دیکھیے:

نہیں تھا دیدۂ عالم کے تئیں تاب — سمجھ مت خلق کوں اس رات تھا خواب
کثیف اصلاً لطافت کو نہ پاوے — کہ ایسا نور نظارے میں لاوے

نظیر ہوتی ہے خیرہ برق کو دیکھ　　　پھر اس میں اور اُس میں فرق کو دیکھ
غرض غفلت سبھوں پر چھا رہی تھی　　　خرد دارُوئے حیرت کھا رہی تھی
سفیر نیک یہ پیغام لایا　　　سلام حق کہا اور یہ سنایا(۵۶)

جبرئیل کے پیغام پہنچانے اور آپ ﷺ کے برّاق پر سوار ہونے کے بعد بیت المقدس کے قیام کی کوئی تفصیل درج نہیں کی نہایت اختصار سے ذکر کیا ہے:

پلک کے مارتے اقصیٰ کو پہنچے　　　وہاں سے عالمِ بالا کو پہنچے(۵۷)

نَو افلاک کی سیر کے بیان میں مسلم شعرا کے معراج ناموں کی طرح انبیاء سے ملاقات کا ذکر نہیں محض قمر، عطارد، زہرہ، خورشید، مریخ، مشتری، زحل اور دیگر ستاروں کی دیدارِ حضور ﷺ سے فیضیابی کا ذکر ہے۔ شفیق نے ہر سیارے کی حضور ﷺ سے گفتگو کے ذکر میں ہر جگہ مظاہرِ فطرت کی تعلیل اپنے تخیل سے کی ہے قمر کی حضور سے درخواست کے بعد جواباً لکھتے ہیں:

کہے حضرت تو ہے بر چرخِ دُنیا　　　کہ یہاں لازم ہے گھٹنا اور بڑھنا
ولے بخشی ترلے تئیں ہم نے عزت　　　ترے پر منحصر راکھی عبادت
تیرے تئیں دیکھ روزہ کو دھریں گے　　　ترے تئیں دیکھ کر عیدیں کریں گے
قمر ہو خم کیا تسلیم اس دم　　　ہلال اندر وہی ہے اب تلک خم(۵۸)

شفیق نے کہیں کہیں قدرتِ ربوبیت اور شانِ نبوت میں کماحقہ فرق قائم نہیں رکھا۔ مثلاً

چل اُٹھ اے شہ کہ ہے معراج تیرا　　　غنی بھی آج ہے محتاج تیرا

سورج کے متعلق لکھتے ہیں:

کہے حضرت نے تجکو کچھ خبر ہے　　　قیامت ترے ہی پر منحصر ہے
تجھے طالع کریں گے غرب سے ہم　　　ہمارا سایہ ترے سر پہ قائم(۵۹)

موضوع روایات سے یہ معراج نامہ بھی خالی نہیں۔

رہے جبرئیل بھی رف رف کے رومیں　　　کہ مکائیل تھے وہاں سے جلو میں
او سی میدان میں روکا شیر نے راہ　　　کہا کچھ بھی عنایت ہوئے للہ
وہاں انگشتری اس کو دئے ہیں　　　کہ اپنا مہردار اس کو کیے ہیں(۶۰)

ولیؔ دکنی کے ہاں واقعہ، معراج کو بالخصوص کسی نظم میں نہیں ڈھالا گیا لیکن کلام ولی میں جہاں نعتیہ اشعار ہیں۔ تلمیحاً واقعہ ٔمعراج کا ذکر موجود ہے:

توں ہے حق ستی ہم زباں ہم کلام　　　ترا قاب قوسین ادنیٰ مقام(۶۱)

یک پل میں تیرا مرتبہ افلاک سوں برتر ہوا　　پیاسے محباں دیکھ کر توں ساقی کوثر ہوا[۶۲]

الٰہی دل اپر دے عشق کا داغ　　یقیں کے نین میں سٹ کحل مازاغ[۶۳]

گئے رات معراج عرش اپر　　بلغ العلی بکمالہٖ
کھلے پردے بھید کے سر بسر　　کشف الدجیٰ بجمالہٖ
ہوئی حق کی ان پہ سو جب نظر　　حسنت جمیع خصالہٖ
ہوا حکم حق محباں اپر　　صلوا علیہ و اٰلہٖ
(تضمین بر کلام سعدی)[۶۴]

معراج کا موضوع منظوم سیرتی مثنویوں میں بھی شامل رہا ہے۔ ولیؔ ویلوری کی تصنیف "روضۃ الانوار" کے عنوانات کی طویل فہرست میں معراج کا عنوان بھی شامل ہے۔ باقر آگاہؔ نے اس مثنوی کی روایات پر تشکیک کا اظہار کیا ہے۔ اس دور مین قصہ کہانی پسند کرنے کا عوامی مزاج ان منظومات کے بیان پر اثر انداز ہوا ہے۔ "روضۃ الانوار" سے نمونہ کلام درج ذیل ہے:

کیے یو نقل حضرت عمر خطاب　　ہوا معراج کا جس دن خوشی باب
کیا حضرت رسول اللہ سوں میں سوال　　نہانی راز ہا کا کچھ کرو قال
سو فرمائے کہ امت کا شکایت　　کیا منجانب یوں و و ربِ عزت
کہ عصیاں در رہیں سب مل بہ خلوت　　کریں وہ انجمن میانی اطاعت
ولے میں پردہ پوشی میں ہو ستار　　ہوں دائم بخششِ رحمت سوں غفّار
علی مرتضیٰ سوں ہے یو منقول　　سخن راز نہانی کا یو مدلول
گنہ کرتے تھے امت ہائے پیشیں　　عذاباں ترت ان پہ تھے سو تعیین
کہ بعضے غرق ہو در آبِ طوفان　　ہو کیتے آب رودِ نیل غرقاں
کیتے غرق زمیں ہیں مثل قاروں　　چلے جاتے اچھوں تحت الثریٰ کوں
کیتاں کے تیں سو مسخ صورتاں کر　　ہوئے تلپٹ کتے از بادِ صرصر
کیتاں کو بھیں سمیت اٹھا کو مارے　　جہنم کے لیے دو باٹ سارے
ولیکن تجھ امت کوں یا محمد　　بدی ان کی کوں کرنے کی ستی ردّ
تری امت ہے منجھ کوں بھوت پیاری　　غضب اور قہر سوں یوہیں کنارے[۶۵]

حاصلِ کلام یہ ہے کہ صوفیا کے مقصدِ تبلیغ سے قطع نظر، دکنی شاعری میں مذہبی مضامین کے ورود کا عامل عوام پسندی ہے۔ مولود ناموں، نجات ناموں، وفات ناموں، شہادت ناموں،

معراج ناموں، میں مقامی ماحول و معاشرت اور ہندی دیومالا و اصنام پرستی کے اثر سے غیر مستند روایات کو دخل ہوا۔ دیوتاؤں سے منسلک فوق العادت کہانیاں، دیوتاؤں کے محیر العقل واقعات کا بیان ہندو مذہب اور ہندو ادبیات میں عام تھا۔ مسلم تہذیب ان عوامل سے دوچار ہوئی تو ہماری ابتدائی مذہبی شاعری میں بھی یہ اثرات در آئے۔ معجزاتِ نبوی ﷺ کے بیان میں دیومالائی انداز اپنایا گیا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان مذہبی نظموں میں عام طور پر کوئی گہرا روحانی تجربہ شامل نہیں۔ ان کا مقصد جذباتی سطح پر سننے یا پڑھنے والوں کے عقیدے کو کرامات اور غیر مستند افسانوی روایات کے بیان سے آسودہ کرنا ہے۔"(۶۶)

خصوصاً واقعہ معراج وہ معجزہ ہے جس کا بیان دیوتاؤں کا طلسم توڑنے کے لیے موزوں ہو سکتا تھا لیکن ہندوستانی شعرا کے ہاں غیر مستند روایات کے دخول کا یہ تنہا سبب نہیں کیونکہ بیشتر معراج نامے فارسی معراج ناموں کی روایت پر لکھے گئے۔ شعرا نے فارسی معراج ناموں میں مذکور ضعیف و موضوع روایات کو جوں کا توں اپنا لیا۔

ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:

"سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کے رفعتِ مقام کو بالکل واضح فرما دیا لیکن اکثر نعت گو شعرا کے عقیدت مندانہ خلوص و عشق محمدی میں جذب و شوق کی کیفیت نے اس بندگی کی رفعت کو شانِ محمدیؐ کے اظہار کے لیے کم تر جانا اور شاعر کا تخیل ہمیشہ اس فکر میں رہا کہ مربوب کو رب کی کرسی پر کیونکر بٹھایا جائے۔ اس قسم کے مضامین سے اردو ادب کا نعتیہ کلام پُر ہے۔"(۶۷)

شعرا کے تخیل نے حضور ﷺ کی شان و شوکت واضح کرنے کے لیے عرش پر فرشتوں کے استقبال، آپ ﷺ کی حق سے گفتگو اور مراحل معراج کی منظر نگاری کے ضمن میں خوب پرواز کی ہے۔ ایسی مستثنیات بہت کم ہیں جہاں شاعر کے مذہبی عالم ہونے کی صورت میں واقعات کا صحیح بیان ہوا ہے۔ معراج النبی ﷺ میں اوج عبدیت کو پانے کا کیا پیغام مضمر ہے؟ اس فلسفے پر اظہار و بیان، قدیم مذہبی شاعری میں مفقود ہے۔

فصل دوم:

شمالی ہندوستان کی شاعری

i۔ قدیم شعرائے دہلی:

شمالی ہند میں اُردو شاعری کے ابتدائی نمونوں سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیا کرام کی شاعری میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ یہ رنگ محض اسلامی نہیں بلکہ اس میں عجمی اور ہندی تصوف کی آمیزش بھی موجود ہے۔ قدما کے عہد میں اگرچہ شاعری کا ادبی معیار بہتر ہو چکا تھا لیکن اس دور کی شاعری میں نعتیہ عناصر کی کمی ہے چونکہ معراج نامے بھی نعتیہ شاعری کی ذیل میں آتے ہیں لہٰذا ان کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس عہد میں حاتمؔ، آبروؔ، ناجیؔ، یک رنگیؔ وغیرہ ایہام گوئی اور رعایتِ لفظی کو معیار بنائے ہوئے ہیں۔ دکنی مثنویوں کی قصہ گوئی سے ہٹ کر یہاں آشوبِ زمانہ کا بیان مختلف پیرایہ ہائے اظہار میں جلوہ گر ہے۔ ذکر معراج کو مثنوی کا ہیئتی جزو بنانے کا رجحان یہاں مفقود ہے۔ بلکہ حمد و نعت کے اشعار بحیثیت مجموعی تعداد میں کم ہیں۔ عام طور پر اس ضمن میں چند رسمی اشعار کے بعد اصل موضوع کا آغاز ہو جاتا ہے۔ تاہم شمالی ہند میں بھی شعری تخلیقات میں روایتِ معراج کا بیان ملتا ہے۔ شاہ مبارک آبروؔ کے دیوان میں ایک مثنوی متفرق کلام میں شامل ہے۔ مثنوی کا عنوان درج نہیں لیکن اشعار کا نفسِ مضمون مذہبی و اخلاقی ہے۔ حمد کے بعد نعتیہ اشعار میں معراج کا ذکر دیکھیے:

اس کے معراج کی سنو اب بات	کہ بلایا تھا اس کو حق نے رات
سوتے سیں اٹھا بدن کے ساتھ	مسجد اقصیٰ کو لے گئے اس رات
وہاں سے چڑھ کے برّاق کے اوپر	آسماں پر گئے تھے پیغمبر
آسماں سیر کر لیے تھے تمام	انبیا سیں ملے تھے نام بنام
عرش و کرسی بہشت و دوزخ سب	آئے اس کی نظر منیں یہ سب
سدرۃ المنتہیٰ پہ جب پہنچے	ساتھ ان کے سیں جبرئیل رہے
لے گئے ان کو وہاں سے جب رفرف	اس مکاں پر کہ تھا بڑا اشرف
لامکاں تھا مکان کیونکے کہوں	جانتا میں نہیں جان کیونکے کہوں
جو سنا وہاں نبی ہمارے نے	آ کیا سب خدا کے پیارے نیں
جلد اس طرح سیر کر آیا	کہ بچھونے کو گرم آ پایا(۶۸)

ii۔ میرؔ و سوداؔ کا دور:

اُردو شاعری کا یہ دور زبان کی اصلاح اور صفائی کا زمانہ ہے۔ فارسی تراکیب و محاورات نے اردو کا جامہ پہنا۔ اس دور میں مثنوی اور قصیدے کو فروغ ہوا۔ ان اصناف میں نعتیہ مضامین بھی بیان ہوئے جو بیشتر غلط و قبیح روایات سے مبرّا تھے۔ نعتیہ نمونوں میں جہاں سیرتِ پاک کا عمدہ بیان ہے وہاں معجزاتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ذکر بھی نمایاں ہے۔ خواہ یہ بیان تفصیلاً ہو یا اجمالاً شعرا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے عزو شرف کو بیان کرتے ہوئے معراج اور متعلقاتِ معراج کی طرف اشارہ ضرور کرتے ہیں۔

میر تقی میرؔ کی مثنوی اعجازِ عشق میں "در نعتِ سیّد المرسلین" کے تحت اشعار میں معراج کا ذکر تلمیحاً کیا گیا ہے:

جہاں وہ ہے واں جبرئیل امیں — اڑے حشر تک تو پہنچتا نہیں
کروں اس کی قربت کا کیا میں بیاں — کہ تھا قاب قوسین ادنیٰ مکاں (۶۹)

میرؔ کے ہاں یہ ذکر غزل میں تلمیحی انداز میں ملتا ہے جس کا ذکر تیسرے باب میں آئے گا۔

سوداؔ کے ہاں نعتیہ قصیدے کی شان موجود ہے۔ ایک قصیدہ نعت و منقبت پر مشتمل ہے۔ اس قصیدے کے دو اشعار دیکھیے:

وصفِ براق و دلدل اب کہہ تو میں کیا کروں بیاں
مشرق سے تا بہ غرب تک جس کے تئیں ہیں گام دو
مرضیٔ حق نہیں ہے یہ دو ہوں ہوا اور ایک بام
ورنہ پھریں وہ عرش پر ایسے ہیں خوش خرام دو (۷۰)

قائمؔ چاند پوری نے بھی نعتیہ قصیدے کے اشعار کو علائمِ معراج سے شکوہ بخشا ہے جس کی مثال درج ذیل ہے:

میں تیرے رخش کی جلدی کو کیا کروں تقریر
کہ جس کی سیر سے عاجز ہے سرعتِ اوہام
بسان شعلہ ہے تحریک باد سے مضطر
برنگِ باد ہے اپنے میں آپ بے آرام
ہے وہ روندہ کہ صحرا تراش و کوہ شگاف
ہے یہ دوندہ کہ گردوں نورد و عرش خرام

جو مہر و ماہ ہوں اس کی رکاب میں بالفرض
تو یہ سریع ہو سرعت میں گردش ایام
کہ بس کہ جلد گزر جائے دورۂ شب و روز
تمیز ہوئے نہ وقتِ سحر سے موسمِ شام
میں قصرِ قدر کی اس کے کہوں سو کیا رفعت
کہ پہلی سیڑھی ہے جس کی نو آسماں کا یہ بام(۷۱)

قدرت اللہ قاسمؔ نے "زبدۃ الاخبار" کے نام سے معراج نامہ لکھا جس میں معراج کے واقعات و جزئیات متسلسل بیان ہوئے ہیں شاعر نے روایات کو نقل کرنے میں احتیاط سے کام لیا ہے۔ قدرت اللہ قاسم کے بقول اس میں ۳۲۶۰ اشعار ہیں۔

میں نے بیتوں کو کیا اس کے شمار
پائیاں بتیس سو اور ساٹھ یار

افسر صدیقی امروہوی نے "زبدۃ الاخبار" کے مخطوطے کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ قاسمؔ نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر داستان کے آخر میں مثنوی مولانا روم کی ایک بیت تضمین کی ہے۔ یہ ابیات ۶۶ ہیں اور ۳۲۶۰ میں شامل ہیں۔

مولوی کی مثنوی کے ہیں ولیک — اس میں اے صاحب خرد شش پانچ ایک
آخر ہر داستان اے نیک پے — مولوی کی بیت اک تضمین ہے
میں تبرک جان کر اے دیندار — یہ عمل اس میں کیا ہے اختیار(۷۲)

"زبدۃ الاخبار" میں حمد و نعت و منقبت کے بعد عرب سرائے اور وہاں کی مسجد و حوض کی تعریف و توصیف ہے۔ اس سلسلے میں محبوب الاولیاء حضرت شاہ نظام الدین کی مدح میں متعدد ابیات نظم کی گئی ہیں۔ افسر صدیقی امروہوی نے آغاز و اختتام کے یہ اشعار دیے ہیں:

آغاز:

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ — انہ ہو السمیع البصیر
کتاب اور سنت کا کر اقتدا — کہی میں نے پہلے یہ حمدِ خدا
حمد ہے سب موجد افلاک کو — اوج بخشے صاحب لولاک کو
پاک ہے وہ بادشاہِ بے زوال — اُنّے احمد کو کیا والا کمال(۷۳)

اختتام:

آفریں تحسین میں تھے ہر طور سے شایق اس کے ہو بدل شیخ وصی
قصے افسانے کہاتے ہیں ہزار پر عجائب ہے یہ ذکر احمدی (۷۴)

مشفق خواجہ کے بقول حواشی میں مطالب مثنوی سے متعلق آیات درج کی گئی ہیں اور سبب تالیف میں مصنف بتاتا ہے کہ دوستوں کی محفل میں بیٹھے ہوئے معراج کی شب کا ذکر آ گیا اور مصنف نے اس شب کے فضائل بیان کرنے شروع کیے جو اس مثنوی کی صورت اختیار کر گئے چرخِ اوّل کے واقعۂ دہم سے مشفق خواجہ نے یہ اشعار درج کیے ہیں:

بعد ازیں اونّے جو دیکھا آنکھ بھر عورتیں لٹکی ہوئی آئیں نظر
آگ کے رسوں سے لٹکی نابکار روتیاں چلاتیاں زار و نزار
پیک حق نے یوں کیا ان کا بیان یارسول اللہ ہیں یہ وہ زنان
خواہش اپنی کے لیے جو بے نکاح صحبت مرداں کو رکھتی ہیں مباح
نام سے شوہر کے یہ خانہ خراب کرتی ہیں اولاد پیدا بے حساب
اور ہیں یہ وہ جو اے والا تبار ڈالتی ہیں اپنے فرزندوں کو مار (۷۵)

میر محمدی بیدؔار کے دیوان میں نعتیہ کلام موجود ہے جس میں معراج کا معرّب و مفرّس بیان ہوا ہے۔ شاعر نے تلمیحاتِ قرآنی کو استعمال کیا ہے۔

اس سوا اور کچھ نہ تھا مقصود کہ رہے آنکھوں آگے حق موجود
چشمِ مشتاق جلوہ گاہِ شہود کیوں نہ ہوں ناظرِ جمالِ ودود

کحلِ ما زاغ سرمۂ بصرش
ما طغیٰ وصف پاکیٔ نظرش

مظہر خاص پاک ذاتِ احد مقبلِ لم یلد و لم یولد
واقفِ رمزِ راز ہائے صمد نقب برگزیدہ اش احمد

پایۂ ارتقاش ثم دنیٰ
ذروۂ اعتلاش او ادنیٰ

قربِ معراج یوں تو سب کو ہوا پر نہ وہ مرتبہ جو اس کو دیا
پھر کے واں سے جو ہر نبی سے ملا دیکھتے ہی اسے یہ سب نے کہا

یا نبی اللہ السلام علیک
انما الفوز والفلاح لدیک[۷۶]

iii۔ انشاؔ و مصحفیؔ کا دور:

انشاؔ، مصحفیؔ اور جرأتؔ کے ہاں مثنوی یا قصیدے کی صورت میں معراجیہ کلام کی باقاعدہ مثالیں موجود نہیں مگر کلام میں ذکر بہر حال ملتا ہے۔ مثلاً جرأت کا یہ شعر:

بلند اس کا وہ ایوانِ مراتب ہے کہ نئیں اس جا
خیالِ ساکنانِ عرش کو یارا رسائی کا[۷۷]

اسی طرح انشاؔ کہتے ہیں:

ہر چند کہ عاصی ہوں پہ امت میں ہوں اس کی
جس کا ہے قدم عرشِ معلّی سے بھی بالا[۷۸]

اس زمانے میں راسخ نے قصیدے اور مثنوی میں بالتفصیل معراج کا ذکر کیا ہے۔ راسخؔ عظیم آبادی نے نعتیہ قصیدے میں آپ ﷺ کی شان و شوکت کو معراج کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے اور معراج النبی ﷺ کو شوکتِ مصطفیٰ کا بیّن مظہر قرار دیا ہے۔

تو ہے وہ اے شہ سوارِ عرصۂ قربِ الٰہ
جس سے راہیں آسماں کی طے بہ آسانی ہوئیں
ہے نشانِ نعل برق تیز تگ کا وہ ترے
کہتے ہیں گردوں پہ جس کو ماہِ نو اہلِ زمیں
پہنچا گام اوّلیں واں تو نہ پہنچے تا ابد
جس جگہ ہرگز نگاہِ چشمِ عقلِ دُور بیں
عرش کا پایہ کیا معراج نے تیرے بلند
وسعتیں کرسی کی جو تھیں اور افزوں ہو گئیں
اپنے اوپر لامکاں صد عرش بالیدہ ہوا
کیوں نہ ہو بالیدہ شاہا پاوے جب تجھ سا مکیں
طے کیا یہ نُہ طلسم بستہ تو نے آن میں
وہ جو سب سے دور تھا سو ہو گیا تجھ سے قریں
تو ہے وہ امت نواز اے سرپرستِ عاصیاں
وہ شفاعت پیشہ ہے تو اے پناہ طالحین

جس نے وقتِ بخشش بے انتہائے ایزدی
مغفرت امت کی چاہی ہو کے گریاں و حزیں (۷۹)

راسخ نے مثنویات میں بھی روایتِ معراج کو جابجا بیان کیا ہے۔ مثنوی "اعجازِ عشق" عشقیہ مثنوی ہے لیکن حمد کے بعد نعتیہ اشعار لکھے ہیں جن میں جلالتِ معراج کا بیان بھی ہے۔ یہاں اگرچہ معراج کے مراحل کا مفصّل ذکر نہیں لیکن شاعر نے اشعار کو موضوع روایات سے مملو بھی نہیں کیا۔ اس کا مقصد محض مدحتِ رسول ہے۔ ایسی مدح جس سے رسولِ مقبول ﷺ کا منفرد اور معزز مقام واضح ہو شاعر کے انتخابِ الفاظ نے مثنوی کے بہاؤ کو متاثر نہیں کیا۔

وہ تقدس کے آسماں کا بدر — وہی مخصوص ہے بہ شق صدر
اس کی نعلین پا سروں کا تاج — اللہ اللہ جلالت معراج
تھا زمیں پر کہ آسماں کے اُدھر — کرسی و عرش و لا مکاں کے ادھر

ق

کس کو معلوم ہے کہاں تھا وہ — یہ خدا جانے پر کہاں تھا وہ
عقل کا اس جگہ تو داؤ نہ تھا — وہم کا فہم کا لگاؤ نہ تھا
قاب قوسین اس کی ہوئی جاگہ — جامۂ عنصری کیا واں تہ
در الطاف دوست وا دیکھا — اور کیا جانیے کہ کیا دیکھا
اس کے پیشِ نظر رکھا اس دم — ایک خوان وسیع لطف و کرم
کیا کہوں منتقع ہوا کیسا — میہماں ایسا میزباں ایسا
آگہ اسرارِ خلق سے ہوا — وہ مشرف کلامِ حق سے ہوا
آگھوں نے کیا ہے یوں ارقام — تھا یہ خالق کا اوّلین کلام
کہ حبیب جلیل دل آگاہ — بارے کیا لایا ہدیۂ درگاہ
عرض کی اس جناب نے بہ نیاز — عجز لایا ہوں اے ضعیف نواز
آئی آواز یوں کہ اے مقبول — ہم نے ہدیہ ترا کیا یہ قبول
پیشکش عجز کو کیا تو نے — خوب ہدیہ ہمیں دیا تو نے
قادریت عجب عجب ہے یاں — نہیں اک عجز اور سب ہے یاں
خوش ہوا سن یہ وہ امام ہدا — ووہیں اک سجدۂ طویل کیا
آگہی امر و نہی سے ہوئی جب — واں سے رجعت کا حکم پایا تب
عالمِ قدس سے وہ جانِ جہاں — آیا پھر سوئے عالمِ امکاں

وقت رجعت جناب باری سے | واں نہ فرصت تھی اس کو زاری سے
یہی امت کے واسطے لایا | ہدیہ صوم و صلوٰت کا پایا(۸۰)

راسخؔ کی مثنوی ''نور الانظار'' اخلاقی حکایات پر مشتمل ہے جن میں آخرت کے سنوارنے اور اللہ کے رحیم و کریم ہونے کا ذکر ہے۔ یہ جامیؔ کی مثنوی ''سبحہ اسرار'' کی طرز پر لکھی گئی ہے اور مختلف مناظر پر قائم ہے۔ آغاز مثنوی میں حمد کے بعد نعتیہ اشعار میں معراج کی طرف اشارہ ہے۔

اس کو حاصل ہے مقامِ محمود | اس سے وابستہ ظہور اور شہود
زینتِ مسندِ قاب قوسین(۸۱) | ہے دو عالم کا وہ انسان العین

''منظر بست و ہفتم در صفت امت مرحومہ'' کے ضمن میں معراج کی ایک حکایت بیان کی ہے کہ جب آپ ﷺ خلوت لامکاں میں تنہا روانگی کے لیے جبرئیل سے الگ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کوئی حاجت ہو تو بیان کریں۔ جبرئیل نے عرض کی آپ ﷺ کی امت پل صراط سے گزرے تو اللہ مجھے اپنے پر وہاں بچھانے کی اجازت عطا فرمائے۔ راسخ نے اُمت مسلمہ کی منزلت بیان کرنے کو یہ حکایت بیان کی ہے کہ اس اُمت کو شفاعتِ رسول ﷺ کے آسرے نے ساری امم پر مشرف و موقر کر دیا ہے۔ اس حکایت کے بیان میں بھی کیفیتِ وصل کا عالم دلنشین الفاظ میں بیان کیا ہے۔

طے کیا سارے حجاب انوار | بڑھا آگے وہ رسل کا سردار
لایا محبوب کے دیدار کی تاب | درمیاں سے اُٹھے یکبار حجاب
قاب قوسین ہوئی تب منزل | قرب دلخواہ ہوا جب حاصل
کیا کہو آگے کہ کیا کیا دیکھا | جو ملک نے بھی نہ دیکھا دیکھا
ہوئی ہر چیز کی ماہیت کشف | ہوئے اسرار الٰہیت کشف
جو کسو سے نہ کہا اس سے کہا(۸۲) | راز وہ کیا تھا جو بے پردہ رہا

میر نظام الدین ممنونؔ کے قصائد میں مذہب سے لگاؤ جھلکتا ہے۔ ان کے تیس قصائد میں سے سترہ حمد و نعت و منقبت میں ہیں۔ سرورِ کائنات کی مدح میں ان کا زورِ قلم خوبصورت الفاظ و تراکیب، تشبیہات و استعارات اور تلمیحات سے بھی امنڈ تا دکھائی دیتا ہے۔ ایک قصیدے کی مثال دیکھیے یہاں معراج کی طرف اشارہ برّاق کے ذکر سے کیا ہے:

تراز خش پری صورت کہ وقتِ نیم جست اس کے
کرے نے ہمرکابی برق نہ ہو ہم عناں آتش
عناں ملتے ہی یوں افلاک پروہ گرم رو پہنچے
کہ آئینہ پہ جس سرعت سے ہو پر تو فشاں آتش(۸۳)

نظیر اکبر آبادی نے سودا اور میر کا دور بھی دیکھا اور انشا و مصحفی کا زمانہ بھی دیکھا۔ نظیر کی شاعری کے گوناگوں موضوعات میں مذہبیات بھی شامل ہے نظیر نے بہت نظمیں کہیں اگرچہ معراج کے موضوع پر بالخصوص کوئی الگ نظم موجود نہیں لیکن ان کی منظومات سے ذکرِ معراج کی مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں:

کروں کیا وصف میں ان کا المناک　　　　که جن کی شان میں آیا لولاک
پھرا جو عرش اور کرسی پہ چالاک　　　　کہاں وہ اور کہاں میرا یہ ادراک
چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک(۸۴)

نظیر اعتدال کے ساتھ اوصافِ رسول ﷺ کو بیان کرتے ہیں جس سے ان کا علم اور عقیدت دونوں مترشح ہیں وہ سادگی اور روانی سے اپنے موضوع کو نباہتے چلے جاتے ہیں ایک اور نظم کا بند دیکھیے:

آسماں تم نے شبِ معراج کو روشن کیا　　　　عرش و کرسی کو قدم سے اپنے دی نور و ضیا
رنگ و بو گلشن کے جنت کی بڑھائی بر ملا　　　　جس جگہ وہم ملائک کو نہیں ملتی ہے جا
واں کے تم مسند نشیں ہو یا محمد مصطفیٰ(۸۵)

iv۔ آتش و ناسخ کا دور:

شیخ امام بخش ناسخ کے عہد میں اُردو شاعری میں دو مکاتبِ فکر اپنی پہچان بنا چکے تھے۔ دلّی کے بجائے لکھنؤ شاعری کا مرکز بن گیا تھا۔ مسابقت نے شعرا کو ندرت و جدت کی طرف مائل کیا۔ زبان دانی کا اظہار ایک شوق بن گیا۔ تکلف و بناوٹ کو بھی راہ ملی۔ اس ظاہر پرست معاشرے میں مذہبی شاعری بھی پیہم جاری ہے۔ نعتیہ مضامین شدتِ جذبہ و خلوص کے بجائے جودتِ طبع پر منحصر ہیں۔ معراج کا بیان بھی اہم شعرا کے ہاں موجود ہے۔

ناسخ کی مثنوی ''معراج نامہ'' اس عہد کی تصنیف ہے جب ناسخ نے ابھی اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر شیعہ مذہب اختیار نہیں کیا تھا۔ (تبدیلیٔ مذہب کا ذکر آبِ حیات میں محمد حسین آزاد نے کیا ہے۔ سید مسعود حسین رضوی نے آبِ حیات کے تنقیدی مطالعے میں بھی اس کی تائید کی ہے) ناسخ کے مطبوعہ کلام میں یہ مثنوی شامل نہ تھی۔ جس کی توجیہ رشید حسن خان نے پیشِ نظر نسخے کا تعارف کراتے ہوئے اس طرح کی ہے:

> ''بظاہر اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ناسخ نے خود اسے اپنی فہرستِ تصانیف سے خارج کر دیا ہو وہ نہیں چاہتے ہوں گے کہ ان کے ابتدائی عہد کی ایک تصنیف جس میں بالکل مختلف معتقدات کا بیان ہے اب بھی ان سے منسوب کی جائے۔''(۸۶)

رشید حسن خان مزید لکھتے ہیں:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی جو میرے قیاس کے مطابق فرنگی محلی کی تعلیم کی یاد گار ہے۔ اس کا کوئی نسخہ وہاں محفوظ رہا گیا اور اس نسخے سے ناسخ کے انتقال کے پانچویں سال موجودہ نسخے کی نقل عمل میں آئی۔"(۸۷)

ابتدائی عہد کی تصنیف ہونے کے باعث ناسخ کی اس مثنوی میں بیان کی وہ چستی نہیں۔ آغاز میں حضور اور صحابہ کرامؓ کی مدح میں کوئی گہری فکری رمز و معنویت موجود نہیں۔ تمہید کے بعد ذکرِ معراج کے ضمن میں ناسخ کہتے ہیں کہ وہ صحیح روایات کو نقل کرنے والے ہیں۔

راویِ معراج بیس اصحاب ہیں | صاحبِ معراج کے احباب ہیں
نظم کرتا ہوں روایات صحیح | عرض کرتا ہوں حکایاتِ صحیح(۸۸)

اُمِ ہانی کے گھر میں جبرئیلؑ کے تشریف لانے اور شقِ صدر کا ذکر ہے۔ وصفِ برّاق اور خیر گیِ برّاق میں بھی شعر کہے ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ میں آپ ﷺ کے استقبال کے متعلق کہتے ہیں:

تھے ملک مجرے کو حاضر جوق جوق | کرتے تھے تسلیم اور اظہارِ شوق
بہرِ استقبال آئے تھے تمام | عرض کی سب نے کہ یا خیر الانام
بالیقیں اوّل ہو تم آخر ہو تم | بے گماں اموات کے حاشر ہو تم
سن کے حضرت نے کہا جبریل سے | یہ تحیت سب نے دی کیسی مجھے
عرض کی جبرئیل نے اے پیشوا | اوّلیں شافع ہے تو روزِ جزا
اترے مرکب سے شہِ دنیا و دیں | خم ہوئے تسلیم کو سب مرسلیں(۸۹)

ناسخ نے ہر مرحلے پر بیشتر معروف روایات کو نظم کیا ہے۔ مقامِ سدرہ اور بیتِ معمور کے متعلق جو تفاصیل روایات میں ملتی ہیں انہیں ناسخ نے اشعار میں ڈھال دیا ہے۔ پھر جبرئیلؑ اپنی متعین حد پر رک جاتے ہیں۔ آپ ﷺ بذریعہ رفرف عرش تک پہنچتے ہیں۔ اللہ نے آپ ﷺ کو اذنِ قرب عطا فرمایا۔ مقام دنیٰ تدلیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ناسخ لکھتے ہیں:

پہنچے جب اوجِ دنیٰ کو مصطفیٰ | مرتبہ حاصل تدلّی کا ہوا
قاب قوسین اور او ادنیٰ ہُوا | بہرِ محبوب و محب خلوت سرا
صاحبو قربِ مکانی یہ نہیں | ہے خدا شاہد معانی یہ نہیں
ہے منزہ اس صفت سے ذوالجلال | عقل کیا، حیران ہیں وہم و خیال
پر ملی حضرت کو قربِ منزلت | ہو گیا حاصل علوِ مرتبت
قرب پر قرب اور بھی حاصل ہوئے | ہیں وہ مخفی جو کہ سِرّ حاصل ہوئے

اس جگہ پہنچے کہ حیرت ہے تمام بس اسی کو کہیے حیرت کا مقام(۹۰)

معراج کی تفصیل کے بعد ناسخ نے احوال معراج سے متعلق حضرت فاطمہؓ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکالمہ بھی درج کیا ہے۔ ناسخ کا یہ معراج نامہ سنی مآخذ کے مطابق ہے۔ آغاز میں خلفائے اربعہ کی مدح کے علاوہ اور کہیں حضرت علیؓ کا ذکر موجود نہیں۔

میر ضمیر لکھنوی نے "ریحانِ معراج" کے نام سے معراج نامہ لکھا۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری نے نسخۂ حیدر آباد، نسخۂ رامپور، نسخۂ مسعود حسن رضوی، نسخۂ محمود آباد اور اپنے ملکیتی نسخے سے اس مثنوی کو ترتیب دے کر "میر ضمیر۔ تحقیقی مطالعہ" میں شامل کیا ہے۔ متن سے پتہ چلتا ہے کہ شاعر نے "حیات القلوب" اور "معارج النبوۃ" جیسی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ دس جزو پر مبنی اس کتاب کو شاعر نے بیس دنوں میں لکھا۔ ذکرِ معراج سے قبل حمد، نعت اور منقبتِ حضرت علیؓ ہے۔ حضرت فاطمہؓ، امام حسنؓ و حسینؓ اور ائمہ معصومین کی مدح کی ہے۔ باعثِ تالیف کتاب میں لکھتے ہیں کہ یہ معراج نامہ انہوں نے نصیر الدین حیدر کے حکم پر لکھا۔ پھر شاہ کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ اس کے بعد "دُعائے دوام دولت و اقبال شاہی بواسطہ درود و سلام" کے عنوان سے ابیات ہیں اور ضمیر نے اعترافِ تقصیر بھی کیا ہے کہ اگر کوئی تعرّض کی بات بہ عجلت رہ گئی ہو تو اس سے صرفِ نظر کیا جائے۔ شاعر نے معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں ساقی نامہ کا انداز اپنایا ہے:

وہ ساغر پلا ساقی ہوشمند کہ بامِ فلک پہ لگاؤں کمند
بلندی میری طبع میں آج ہو کہ موزوں جو سب حالِ معراج ہو
جو مضموں کرے سرکشی کو پسند کروں بندشِ شعر میں پائے بند
پلا حُبِّ مولا کی اعلیٰ شراب بنیں جام آ کر مہ و آفتاب(۹۱)

شاعر معراج کی رات کی تعریف کرتا ہے۔ جبرئیل امیں اللہ کی جانب سے پیام وصل لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ آسمانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کی تیاریاں فزوں تر ہیں۔ جنت کی آراستگی سے متعلق اشعار میں شاعر نے منظر نگاری کے جوہر دکھائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بجاہ و حشم روانہ ہوئے۔ بُرّاق لایا گیا۔ براق کا سرتاپا نقشہ شاعر کے تخیل نے کھینچا ہے۔ دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے۔ مسجدِ اقصیٰ سے پہلے آسمان کی جانب روانگی کا ذکر آتا ہے تو شاعر پھر وہی سابقہ انداز اپناتا ہے۔

کہاں ہے تو اے ساقیِ بے حجاب پلا دور اوّل کا جام شراب
ترنّم کر اے بلبل بوستاں کہ رنگیں بنے صحبت دوستاں
یہ پہونچا خبر سوئے پیرِ مغاں یہاں کے جو ہیں رند اور میکشاں

وہ ہیں مست حب جناب امیر　　خم مے ہمارا خم غدیر
کر اک دور اگر پیالہ بدست　　کہ ساقی بھی مست اہلِ مجلس بھی مست
مئے معرفت کا نشہ جو چڑھے　　ہر اک مست معراج نامہ پڑھے
کتابِ ثنائے پیمبر کھلے　　سر نامہ مشک و عنبر کھلے(۹۲)

پہلے، دوسرے، تیسرے اور چوتھے آسمان کا احوال بتاتے ہوئے کہیں کہیں شعری مبالغہ بھی روایات کے بیان میں شامل ہو گیا ہے۔ معراج کی تفاصیل کہتے کہتے شاعر نے درمیان میں حضرت علیؑ کی نماز کے لیے آپ ﷺ کی دعا پر رجعتِ آفتاب کا معجزہ بڑی تفصیل سے اشعار میں بیان کیاہ ے۔ پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان کے عجائبات کا ذکر ہے۔ شاعر نے "معارج النبوۃ" کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ﷺ جب بیت المقدس پہنچے جو اہلِ سماوات کا کعبہ ہے۔ تمام ملائکِ عرش نے وہاں آپ ﷺ کے اقتدا میں نماز پڑھی۔ آپ کو بیت معمور میں اک ناقۂ نور دکھائی دیا جس میں ائمہ کے نام مرقوم ہیں۔ یہ پیمانِ ربّ ہے۔ اس کے بعد جنت کی آرائش کے ذکر میں شاعر نے تخیل کے گھوڑے دوڑا دیے ہیں۔ آپ ﷺ نے جنتِ اعلیٰ میں حیرت افزا اور عجائب نما قصور ملاحظہ فرمائے۔ سدرۃ المنتہیٰ کی تزئین و عظمت کو دیکھا۔ اس سے آگے بذریعہ رفرف ستر حجابات کو طے کیا۔ اللہ سے ہمکلام ہوئے۔ نماز فرض ہوئی۔ قاب قوسین کی قربت نصیب ہوئی۔ معراج سے واپسی کیونکر ہوئی۔ شاعر نے اس بارے میں مختلف روایات بیان کی ہیں۔ کفار کی تکذیب و تردید کا ذکر کیا ہے۔ حضرت فاطمہؑ کے ساتھ آپ ﷺ کا عورتوں کے عذاب سے متعلق مکالمہ درج کیا ہے۔ ضمیر نے معراج نامے کا خاتمہ اس منکرِ معراج یہودی کی روایت پر کیا ہے جس کا ذکر معراج نامہ بلاقی کے ضمن میں آچکا ہے۔

ضمیر کا معراج نامہ "ریحانِ معراج" اثنا عشری عقائد پر مبنی ہے۔ ان عقائد کی عکاسی ہر مرحلے کے بیانات سے ہوتی ہے۔ مثلاً پانچویں آسمان کی سیر میں لکھتے ہیں:

عجائب میں تھے محو خیر الانام　　براق فلک سیر گرمِ خرام
اُٹھا آنکھ کیا دیکھتے ہیں نبیؐ　　کہ اک جا کھڑے ہیں علی ولی
علی کا بھی ہونا ہوا جب ثبوت　　کیا خاتم الانبیا نے سکوت(۹۳)

پھر شاعر نے حضرت علیؑ کا مدحیہ سراپا بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ نے جبرئیل سے استفسار کیا کہ علی یہاں کس طرح پہنچے۔ تو جبرئیل نے کہا کہ فرشتوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ ہم آسمان پر ہیں تو علی کو دیکھ نہیں سکتے۔

کہا اس نے اے مظہرِ ذاتِ حق　　علی سے تو روشن ہیں چودہ طبق
ملائک نے حق سے یہ کی التجا　　کہ ہم ہیں علی کے قدم سے جدا

ہمارا یہ جی چاہتا ہے کمال　　　　کہ ہر وقت دیکھیں علی کا جمال[۹۴]

اللہ نے دعا قبول فرمائی اور اپنے نور سے یہاں حضرت علیؑ کو اس صورت میں پیدا کیا۔ اللہ سے ملاقات کے بعد آپ ﷺ جب واپس ہوئے تو بقول شاعر:

یہ فرماتے ہیں خاتم الانبیا　　　　ہوا جب میں عرشِ خدا سے جدا
پسِ پشت میرے یہی تھی پکار　　　　علی سے خبردار اور ہوشیار
علی کو امیرِ دو عالم کرو　　　　علی کو سبھوں پر مقدم کرو
علی کو امیرِ ولایت کرو　　　　علی کو حوالے خلافت کرو
علی پر شرف کی تمامی کرو　　　　علی کو جہاں میں گرامی کرو
علی کو سپرد اپنی دختر کرو　　　　علی کو تم اپنے برابر کرو
میں اس کا ہوں اور میرا طالب ہے وہ　　　　کہ غالب علی کلّ غالب ہے وہ[۹۵]

معراج سے واپسی کے بعد حضور ﷺ مغموم ہوئے کہ لوگ ان کی بات پر یقین کیونکر کریں گے۔ تو اتنے میں حضرت علیؑ گھر میں تشریف لائے اور معراج کی مبارکباد دی:

لگے دیکھنے ان کا منہ مصطفیٰ　　　　کہ کیا کہہ رہا ہے یہ شیرِ خدا
ابھی کوئی مجھ پاس آیا نہیں　　　　ابھی کچھ کسی کو سنایا نہیں
علی نے کہی مسکرا کر یہ بات　　　　تری ذات ہے باعثِ کائنات
علی سے لگے کہنے خیر البشر　　　　کہو تو ہوئی تم کو کیونکر خبر
علی نے یہ کی عرض اے خوش صفات　　　　تو ہے باعثِ رونقِ کائنات
عجائب سے میں بھی ہوا کامیاب　　　　مرے سامنے اُٹھ گئے تھے حجاب
نہ حضرت کا دامن مرے ہاتھ تھا　　　　مگر ہر جگہ آپؐ کے ساتھ تھا[۹۶]

بقول شاعر اس کے بعد آپ ﷺ سوال کرتے جاتے تھے اور علیؑ معراج میں گزرے احوال بیان کرتے جاتے تھے۔

مرزا دبیؔر کی مثنوی ''معراج نامہ'' کا قدیم نام ''ممتاز نامہ'' ہے جسے نصیر الدین حیدر شاہ کے زمانے (۱۸۲۷-۱۸۳۷) میں ان کی ملکہ ممتاز الدہر کی فرمائش پر لکھا گیا۔ اس میں واقعات، مکالمات اور منظر نگاری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ ضمیؔر مثنوی ''ریحانِ معراج'' کی طرح یہاں دبیؔر نے بھی ساقی نامے کا انداز اپنایا ہے اور مختصر واقعات کو اپنے تخیل سے پھیلا دیا ہے۔ یکساں نوعیت کے مضامین کو نئے نئے رنگ سے باندھا ہے اور نکاتِ نو پیدا کیے ہیں۔ اس امر میں ان کی جزئیات نگاری کو بھی خاصا دخل ہے۔ معراج نامہ کے ابتدائی اشعار حمدیہ ہیں۔ حضور پاک ﷺ

کی مدح کے بعد حضرت علیؓ اور آئمہ کرام کی مدح ہے۔ پھر مناجات کے بعد بیانِ معراج شروع ہوتا ہے:

بیا ساقی عرش مسکن بیا — بیا ساقی پاک دامن بیا
گنہ کی نجاست سے ہوں تلخ کام — شرابِ طہورا کا دے بھر کے جام
پیوں وہ شرابِ طرفہ اثر — کہ بے زینہ چڑھ جاؤں میں عرش پر
تو ظرف گلی میں نہ لانا شراب — ہو خورشید کے جام میں آفتاب
وہاں مجھ کو لے چل جہاں ساقیا — نہ ہوئے کوئی جز رسولؐ خدا
دکھا عرش کی سیر اے خوش خصال — خدا و نبی کا میں دیکھوں وصال
حکیمانِ بے عقل سلطان خصال — جو کرتے ہیں معراج میں قیل قال
بلا لا ذرا ان کو میرے حضور — بجھا دوں میں ان کا چراغ شعور
ہے انکار معراج میں کیا انہیں — بلا شک یہ دعویٰ ہے بے جا انھیں
وہ ہیں علمِ منطق سے امداد خواہ — احادیث و قرآں ہیں یاں دو گواہ
پڑھوں وہ احادیث میں متصل — فلاطون و بقراط ہوئیں خجل(۹۷)

شاعر کا ٹھوس انداز ان اشعار سے جھلکتا ہے۔ دبیرؔ نے معراج کے اثبات میں دلائل دیتے ہوئے سورۃ النجم کی آیات کا حوالہ دیا ہے۔ شبِ معراج کی صفت بیان کرنے کے بعد جبرئیل کی آمد، پیامِ معراج اور برّاق کی صفت میں اشعار ہیں۔ براق کی ظاہری زیبائی، اس کے قویٰ کی انفرادیت، اس کی رفتار اور سرعت کا عالم دبیرؔ نے لکھنوی مرصع نگاری سے بیان کیا ہے اور انوکھی تشبیہات سے اس کے خصائص کو اجاگر کیا ہے۔ دبیرؔ کی مثنویات میں بھی وہی واقعیت، سلاست اور بے ساختگی ہے جو ان کے مراثی کا خاصہ ہے۔ جبرئیلؑ پیغام الٰہی پہنچاتے ہیں تو دبیرؔ اس صورتحال کو عشقیہ قرینوں میں بیان کرتے ہیں اور تغزل پیدا کر دیتے ہیں:

خدا نے کہا ہے درود و سلام — بصد شوق پھر یہ دیا ہے پیام
کہ اے عاشقِ خاص پروردگار — ملک اور سب انسان تجھ پہ نثار
زمیں کو تو پُر نور تُو نے کیا — ہر اک ذرّے کو نور سے بھر دیا
زمیں سے عزیمت مع الخیر کر — مرے آسمانوں کی بھی سیر کر
نہیں اور اظہار اہل فراق — بجز اشتیاق اشتیاق اشتیاق
مرے عرش و کرسی کو ممتاز کر — قدم رکھ کے ان کو سرافراز کر
یہاں اے رسالت مآب آیئے — شتاب آیئے اب شتاب آیئے(۹۸)

اہلِ سماوات کے استقبال کا عالم بیان کرنے میں بھی دبیر بطور منظر نگار اپنی لکھنوی طرز کو نبھاتے ہیں۔ مختلف مقامات پر دبیر نے تکرارِ الفاظ سے بھی منظر یا کیفیت کا نقش گہرا کرنے کی کوشش کی ہے۔ دبیر کے معراج نامے بیشتر مقامات پر گردو پیش کی گوناگوں تفاصیل اور جزئیات میں سے شاعرانہ رنگ آمیزی اور مذہبی و تاریخی حقائق کو علیحدہ کرنا دشوار ہے مگر اکثر مراحل پر واقعات ضمیر کے معراج نامے سے مماثل ہیں۔ دبیر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ معراج میں وقتِ رُخصت آپ ﷺ کو واقعہ کربلا اور شہادتِ حسین سے بھی آگاہ کیا گیا۔ سفر معراج سے واپسی کے متعلق دبیر کا بیان ضمیر سے کچھ مختلف ہے۔

بلایا علی کو نبیؐ نے شتاب	کہے سب خدا کے سوال و جواب
علی نے کہی مسکرا کر یہ بات	فدا تم پہ میں اے شہِ کائنات
نہ بندے سے کچھ دور معبود تھا	یہ بندہ وہیں شب کو موجود تھا
یہ کہہ کر حضورِ رسولِ زماں	کیا حالِ معراج بالکل بیاں(۹۹)

دبیر کے معراج نامے میں بھی اثنا عشری عقائد کا بیان قدم بہ قدم ملتا ہے۔ ابتدا میں واقعاتِ معراج کے مرحلہ وار بیان سے پہلے ہی ان عقائد کی جھلک ملتی ہے۔

گئے عرش پر جب خدا کے حضور	ہوا بس یہی حکمِ ربّ غفور
محمدؐ یہ اُمت سے اپنی کہو	علی کی محبت سے غافل نہ ہو
برائے ولائے علی ولی	زیادہ فرائض سے تاکید کی(۱۰۰)

جبرئیلؑ اللہ کی جانب سے آسمانوں کی سیر کا مژدہ سناتے ہیں تو یہ صلاح بھی دیتے ہیں:

عجب یاں ہے بستی عجب شہر ہے	عجب باغ ہے اور عجب نہر ہے
وہاں بھی علی سب کا ہے تاجدار	یہاں دیکھ آ کر علی کا وقار
یداللہ ہے کس قدر حق شناس	وہاں تیرے پاس اور یہاں میرے پاس(۱۰۱)

آسمان دوم پر ملک الموت سے آپ ﷺ کے مکالمے میں دبیر بیان کرتے ہیں کہ شیعانِ علی اور غلامانِ حیدر کی جان ترحم سے قبض کی جاتی ہے۔ آسمان سوم پر فرشتے آپ ﷺ سے علیؑ کی بابت دریافت کرتے ہیں اور اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

پانچویں آسمان سے فرشتے بتاتے ہیں کہ ہم ہر سال حج بیت معمور کرتے ہیں۔ وہاں ایک نامہ سفید رکھا ہے جس میں آپ ﷺ کے بعد علیؑ کا نام ہے۔ پھر اماموں اور شیعوں کے نام ہیں جو ازل سے لکھے ہیں۔ ہم ہر سال جا کر ان کو پڑھتے ہیں۔ چھٹے آسمان پر بھی شتروں کی قطار آپ ﷺ کو دکھائی دیتی ہے۔ ہر اونٹ پر دو کتابیں ہیں جن میں فضائل علی درج ہیں۔ عرشِ معلی پر بھی

آپ ﷺ کو حضرت علیؓ کے مشابہ فرشتہ دکھائی دیتا ہے۔

یہ حیران ہو کر پکارے نبیؐ — یہاں آئے مجھ سے بھی پہلے علیؓ
جنابِ خدا سے یہ آئی ندا — نہ حیران ہو اے حبیب خدا
فرشتوں کو فرقت علی کی تھی شاق — علی کی زیارت کا تھا اشتیاق
سو ہم صورتِ سیّد اوصیا — یہاں اس فرشتے کو پیدا کیا
وہی شان ہے اور وہی ہے وقار — وہی بات ہے اور وہی ذوالفقار
زیارت کو آتے ہیں حور و ملک — رہے گی یہ تصویر محشر تلک(۱۰۲)

دبیر لفظوں کے بادشاہ ہیں۔ صنائع بدائع کے استعمال میں قادر ہیں۔ لہٰذا معراج نامہ جیسی مثنوی میں عجائبات قدرت کا مرحلہ وار بیان دبیر کی ان صلاحیتوں کو کارفرمائی کے خوب مواقع فراہم کرتا ہے۔

میر انیس اور مرزا دبیر کا نام مرثیہ نگاری کے حوالے سے روشن ہے چونکہ مرثیہ نگاری یا حضرت امام حسینؓ کی عظمت اور محبت کا احساس نواسۂ نبیؐ اور محافظِ دینِ محمدیؐ کے طور پر ہی دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک مرثیہ نگار کے قلم سے لامحالہ آپ ﷺ کی ذات وصفات کے موضوع پر عظیم اشعار تخلیق ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذاتِ کاملہ اور اخلاقِ فاضلہ کے علاوہ آپ ﷺ کے معجزات کا ذکر بھی جگہ جگہ ملتا ہے۔ میر انیس کے ہاں بھی یہ مضامین مراثی، سلام اور رباعیات میں ملتے ہیں۔ اگرچہ انیس نے باقاعدہ معراج نامہ نہیں لکھا لیکن ان کے جو مرغوب نعتیہ موضوعات مرثیوں یا سلاموں کے قطعے بند اشعار میں ملتے ہیں ذکرِ معراج کو ان میں بڑی اہمیت ہے۔ انیس اسے عظمتِ پیغمبر کا عظیم مظہر سمجھتے ہیں اور اس کا ذکر نہایت وارفتگی سے کرتے ہیں چند مثالیں درج ذیل ہیں:

دیر آئے پر بجلد آئے رسولؐ — دُور لاکھوں کوس سایا رہ گیا
اللہ اللہ قربِ معراجِ رسولؐ — دو کماں سے فرق ادنیٰ رہ گیا
اُٹھ گئے مابین سے سارے حجاب — بس فقط آنکھوں کا پردہ رہ گیا(۱۰۳)

رسول جانب معراج جس مکاں سے چلے — لکھا ہے یہ کہ محل تھا وہ اُم ہانی کا
خوشا براق سبک رو کی تیز رفتاری — اس آسماں سے گزرے اس آسماں سے چلے
حریم حق میں جو پہنچا تو سر اُٹھا کے کہا — خدا کی شان کہاں آگئے کہاں سے چلے(۱۰۴)

انیس کے ہاں بھی ذکرِ معراج میں ان کے مذہبی عقائد کا عکس ملتا ہے۔ ایک سلام کے قطعہ بند اشعار درج ذیل ہیں:

سحر ہوئی شبِ معراج کی تو لوگوں نے
جمالِ پاک رُخِ سیّد البشر دیکھا
کہا یہ سب نے غلاموں سے کیجیے ارشاد
جو کچھ حضور نے یا شاہِ بحر و بر دیکھا
گہر فشاں ہوئے لعل لب رسول کریم
کہ سب سے رتبۂ حیدر زیادہ تر دیکھا
ورائے کرسی و عرشِ عظیم و لوح و قلم
وصی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
کہاں تلک کہوں نکلا جو ہاتھ پردے سے
تو صاف دست یداللہ نامور دیکھا
ولی ولی کی صدا تھی جہاں جہاں پہنچا
علی علی نظر آئے جدھر جدھر دیکھا(۱۰۵)

انیؔس نے مراثی اور رباعیات میں بھی معراج کے عظیم الشان واقعے کو نہ صرف دینی و مذہبی بلکہ فلسفیانہ اور علمی نقطۂ نظر سے بھی بیان کیا ہے۔ معراج کی باریکیوں پر غور کرتے ہوئے ان کے فکر و شعور تدبر پہ آمادہ ہوتے ہیں۔ اپنی اس دلی کیفیت اور عقیدت کو انیؔس نے عمدگی سے بیان کیا ہے۔ ذیل میں انیؔس کے مرثیے اور رباعی سے ایک ایک مثال درج کی گئی ہے:

معراج سے جو اس کا ملا رتبۂ اعلا
یہ رتبہ کسی اور پیمبر نے نہ پایا
اللہ سے جو قربِ محمد تھا کہوں کیا
قوسین کا ہے فرق جہاں رتبۂ ادنیٰ
جبرئیلِ امیں کو بھی نہ واں دخل کی جا تھی
یا احمدِ مختار تھے یا ذاتِ خدا تھی(۱۰۶)

دنیا میں محمد سا شہنشاہ نہیں
کس راز سے خالق کے وہ آگاہ نہیں
باریک ہے ذکرِ قرب معراج انیس
خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں(۱۰۷)

V۔ غالبؔ و مومنؔ کا دور:

اس عہد میں قصیدہ، غزل، مثنوی، قطعہ اور رُباعی کی ہیئت میں نعتیہ مضامین کو اعلیٰ شعری خوبیوں کے ساتھ ادا کیا گیا اور متعلقاتِ نعت کو جن میں ذکرِ معراج بھی شامل ہے، بہتر علمی انداز میں پیش کیا گیا۔ روایات کو معتبر انداز میں علمی و منطق وقار کے ساتھ پیش کرنا ہی سابقہ موضوعات میں نئے معانی بھر دیتا ہے۔ اس عہد میں اگرچہ بعض نابغۂ روزگار شعرا گزرے ہیں لیکن یہ نعتیہ یا معراجیہ عناصر کی جھلک تمام شعرا کے کلام میں دکھائی نہیں دیتی۔ مثلاً ذوقؔ کے ہاں نعتیہ قصائد موجود نہیں لیکن شہنشاہ محمد اکبر کو لکھے گئے ایک قصیدے کی تشبیب میں معراج کے لوازمات سے سخن آرائی کی ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے:

صبحدم فکر جو تھا سیر فلک کا مشتاق عرش پر اڑ گیا اک آن میں مانند برّاق
رات مجھ کو یہ فلک گرد وہاں لے کے گیا کہ عقول عقلا کی تھی جہاں طاقت طاق (۱۰۸)

بہادر شاہ ظفرؔ کے کلام میں جابجا واقعہ ٔمعراج کا استعاراتی انداز میں ذکر ملتا ہے جس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا۔ ان کے ایک نعتیہ قصیدے کے ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں:

اے سرورِ دو کون شہنشاہِ ذوالکرم سرخیل مرسلین و شفاعت گرِ اُمم
موکب ترا ملائک و مرکب ترا برّاق مولد ہے تیرا مکہ و معبد ترا حرم (۱۰۹)

مومنؔ کے شاندار نعتیہ قصیدے کی زمین ان کی علمی بضاعت کی دلیل ہے۔ مومنؔ نے تشبیب گریز اور مدح میں جو انداز اپنایا ہے اس نے قصیدے میں علمی شکوہ اور ادبیت دونوں کا اثر پیدا کر دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی شان و عظمت کو مومنؔ نے تلمیحات و اصطلاحات سے اجاگر کیا ہے۔ یہاں مدح پیغمبر کے دیگر موضوعات کے علاوہ معراج کا بھی ذکر کرتے ہیں:

براق اسپ ترا ابروئے فرشتہ رکاب کہاں ہو چشم بشر ایسے پاؤں سے محسوس
نہ جس کے دھیان میں مضمون قاب قوسین آئے وہ دیکھ لے تیرے زین و کمان کا قربوس (۱۱۰)

کلیاتِ مومنؔ میں ایک مثنوی ''بقیہ مثنوی'' کے عنوان سے موجود ہے جس کے مضامین نعتیہ ہیں۔ مومن نے ساقی نامہ کا انداز اپنایا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صفات و جلالت کے بیان میں معراج کا حوالہ بھی دیا ہے:

کہاں تاب آئینہ عرض صفت کہ حیرت ہے معراج ہر معرفت
کمال سخن ہے خموشی یہاں دل افسردگی گرمجوشی یہاں
عجب راہ ہے کوئی طاقت گزار رکھیں پاؤں یہاں پھونک کر شعلہ تار
نہ پیرو یہاں گرم پا بے دلیل کہ جلتے ہیں بال و پر جبرئیل
بیان کیا ہو گر سربسر جوش ہے خرد بے خبر، ہوش بے ہوش ہے (۱۱۱)

اس مثنوی میں مومنؔ نے آنحضرت کی ذاتِ مبارکہ کے اکثر پہلوؤں کو موضوع بنانے کے ساتھ ساتھ اپنے عقائد کا اظہار بھی کیا ہے دورِ جدید میں تعقل پسندی کے باعث دینِ اسلام کے روحانی پہلوؤں پر حرف گیری کا جو رجحان پیدا ہوا مومنؔ نے اس کے ردِ عمل کی بھی سعی کی ہے:

یہ کیا منزلت ہے زہے عز و شاں کہ ہے خاک مال اوج ہفت آسماں
یہ کیا جسم خاکی کی معراج ہے کہ نقشِ قدم عرش کا تاج ہے
کرے یاں کی پرواز کی گر کمیں تو اڑ جائے دنیا سے روح الامیں
کوئی مرتبہ اس سے اعلیٰ نہ ہو یہ رتبہ ہوا ہے کسی کا نہ ہو

ثبوت اوج یہ حق کے اظہار سے — نہیں کام چلتا کچھ انکار سے
جو کہتے ہیں خرقِ فلک ہے محال — یہی ہے دلیلِ حفیض خیال
سمجھنے کی ہے بات اے نکتہ داں — ہوا خلق جس کے لیے آسماں
ہوا خرق اس کے لیے پھر اگر — تو کیا دور ہے گفتگو مختصر
کہاں نکتہ چیں میں غم جنگ ہے — کہ یاں بحث کا دائرہ تنگ ہے(۱۱۲)

غالؔب کے اردو کلام میں معراج کے موضوع پر قصیدہ یا مثنوی موجود نہیں لیکن غالؔب کا فارسی معراج نامہ مثنوی ''ابر گہر بار'' کا جزو ہے۔ جس میں غالب نے نو افلاک کی سیر میں ہر فلک کے سیاروں اور برجوں کے اثرات کو جس انداز میں پیش کیا ہے وہ غالب کے ندرتِ تخیل اور شوکتِ کلام کا مظہر ہے۔ ذیل میں ''بیانِ معراج'' سے چند اشعار بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں جن میں مقام عرش کی کیفیت، غالب کے سحر انگیز قلم سے بیان ہوئی ہے:

بساطی ہم از خویشتن تابناک — نہ آلائش کلفت رنگ پاک
ز بس پائے لغز خیال از صفا — رسیدن بہ پہنائے آں نارسا
در آمد گرانمایہ مہمانِ حق — بہ رُخ ماہتاب شبستان حق
قدم زد براہی کہ رفتن نداشت — نگہبان و ہمراہ و رہزن نداشت
در آنجا کہ از روئے فرہنگ ورائے — بجا باشد از خود نگویند جائے
جہت را دمِ خودنمائی نمانند — زمان و مکان را روائی نمانند
غبار نظر شدز رہ نا پدید — سر پائے بینندہ سر جملہ دید(۱۱۳)

میر مہدی مجروؔح کے دیوان میں معراج کے مضمون پر کئی اشعار ملتے ہیں۔ سرِ دیوان نعتیہ قصیدے کا آغاز ہی معراج کی طرف اشارہ کرتا ہے:

تعالیٰ اللہ ہوا قربِ خدا بھی اور اس حد کا
کہ تھا قوسین سے نزدیک تر زانو محمد کا(۱۱۴)

مجروؔح نے غزل مسلسل کی صورت میں بھی معراج کو موضوع بنایا ہے جسے ہم معراج نامہ کی ذیل میں شمار کر سکتے ہیں۔ شاہِ انس و جاں کی معراج پر آسمان بہت نازاں ہے۔ حبیبِ خاص کی آمد پر کیفیتِ سماوات دیدنی ہے۔ شاعر کا سرمست تخیل بڑی روانی سے اسے بیان کرتا چلا جاتا ہے۔

ہوئی ہے روشنی اس شب میں ایسی — کہ ظاہر دل کا سب رازِ نہاں ہے
تجلی زاد ہے سر تا سر خاک — ہر اک ذرے سے مہر و مہ عیاں ہے
ترنم ریزی مرغانِ جنت — ندائے خیر مقدم کا نشاں ہے

بچھے ہیں زیرِ پا بالِ ملائک　　　اور اوپر نورِ حق کا سائباں ہے(۱۱۵)

ختم المرسلین کا یہ شرف ان کی کس عظمت و جلالت کا مظہر ہے۔ آخر میں شاعر نے اسے بھی بیان کیا ہے:

خدا جس کی کرے خود میزبانی　　　کہو کیسا معزز میہماں ہے
ہوا ثابت یہ معراجِ نبیؐ سے　　　کہ واں کوئی نہیں ہے وہ جہاں ہے
ندائے قرب تھی نزدیک آؤ　　　ہمیں قوسین کی دوری گراں ہے(۱۱۶)

کرامت علی شہیدی کے مختصر نعتیہ سرمائے میں ان کے قصیدے کو بہت شہرت ہوئی جس کا مطلع ہے:

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا
سرِ دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعتِ احمد کا(۱۱۷)

اِس قصیدے میں شہیدی نے تشبیب اور گریز سے احتراز کیا ہے اور آغاز مدح ہی سے کیا ہے۔ قصیدے میں لکھنوی رنگ کے زیرِ اثر صنائع بدائع کی بہتات ہے۔ حضور ﷺ کے اوصافِ مبارک کے بیان میں آپ ﷺ کے مفخرِ عالم، شفیعِ امم اور بلند مرتبت ہونے کے ساتھ ساتھ معراج کا ذکر بھی کیا ہے:

شبِ معراج چڑھ کر عرش پر دم میں اتر آیا　　　بیاں اس قلزمِ ہستی کے ہو کیا جزر اور مد کا
اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل　　　خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا
تری پا بوس سے ہفتم فلک پہ منزل کیواں　　　ترے سجدے سے ہشتم آسماں پر فرق فرقد کا
ہوئی ہے ہمتِ عالی مری معراج کی طالب　　　میسر ہو طواف اے کاش مجھ کو تیرے مرقد کا(۱۱۸)

اس قصیدے کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بعد میں بھی قد آور شعرا نے اس زمین میں قصیدے لکھے۔

مولانا کفایت علی کافؔی کا معراج نامہ مثمن متضمّن ہے۔ ہر سات اشعار کے بعد تضمین کے لیے سعدؔی کا یہ شعر ہے:

گر بر سرو چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

مثمن کے پانچ بند ہیں جن کے آخر میں یہ شعر بالترتیب حضرت ادریسؑ حضرت عیسیٰؑ، رفرف، فردوسِ رضواں اور اہل عرش کی زبان سے کہلوایا گیا ہے۔ پہلے بند میں حضور کی بذریعہ براق روانگی اور پہلے آسماں تک رسائی کا ذکر ہے۔

کس شان سے دو جہاں کے سرور پہنے ہوئے حلۂ منور
باندھے ہوئے شملۂ معطر کھولے ہوئے گیسوِ معنبر
بازینت و جاہ و شوکت و فر گھوڑے پہ چلے سوار ہو کر
جاتا تھا رکاب کے برابر کھولے ہوئے جبرئیل شہپر
دھوم تھی ہر فلک کے اندر آتے ہیں حبیبِ رب اکبر
شاہِ لولاک ذاتِ اطہر داخل ہوئے جب فلک کے اوپر
ادریس مقیمِ چرخ اخضر دوڑا کہ قسیم حوض کوثر

"گر بر سرو چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی"(۱۱۹)

دوسرے بند میں آسمانوں پر آپ ﷺ کے استقبال اور دھوم دھام کے علاوہ حضرت عیسیٰ سے ملاقات کا ذکر ہے۔ تیسرے بند میں دیدارِ مصطفیٰ کے باعث حوران و ملائک کے فرحت و انبساط کا ذکر ہے اور براق سے اتر کر رفرف پر سوار ہونے کا بیان ہے چوتھے بند میں آپ ﷺ کے سیر جنت فرمانے اور آپ ﷺ کی آمد پر جنت کی تزئین کا ذکر ہے۔ پانچویں بند میں شاعر نے اپنے تیئں معراج کا مقصد بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ کی اللہ سے ملاقات اور اُمت کی بخشش کا بھی ذکر کیا ہے:

اے صل علی وہ کارخانا یاں نطق و بیاں ہے عاجزانا
مقصد تھا حبیب کا بلانا معراج کا تھا فقط بہانا
ایوان دنیٰ میں دخل پانا باشان و ادائے دلبرانا
ہر چیز ادھر سے پیش آنا بازینت و زیب بیکرانا
کحل ما زاغ یہاں لگانا آنکھیں نہ کسی طرف اوٹھانا
پھر امت احمدی دِکھانا امت کو خدا سے بخشوانا
جب عرش سے گزرا وہ یگانا کافی تھا یہ عرش کا ترانا

"گر بر سرو چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی"(۱۲۰)

غلام امام شہیدؔ نے ایک معراجیہ ترجیع بند لکھا ہے جس میں اپنی قوتِ تخیل سے شاعر نے لوازماتِ شبِ معراج کو تشبیہ و استعارات سے آراستہ کر کے پیش کیا ہے۔ افلاک کا عالم، حور و ملائک کا استقبال، مہ و نجوم کی کیفیت کو بیان کرنے میں منظر نگاری کے جوہر دِکھائے ہر بند کے آخر

میں قدسی کا شعر شامل ہے۔ پہلے بند میں صاحبِ معراج کا سراپا بیان کیا ہے۔ دوسرے بند میں انبیاء کے استقبال کی تصویر شاعر نے محض اپنا تخیل سے کھینچی ہے:

جب چلا چاند مدینے کا سوئے ربِّ جلیل
بجھ گئی مہر درخشاں کی فلک پر قندیل
شیر فردوس کی رکھی کہیں آدم نے سبیل
کہ اسی راہ سے گزرے گا وہ فرزند جمیل
فرش خلت کا بچھاتے تھے کسی جا پہ خلیل
کہیں یوسف تھے کھڑے اور کہیں اسمٰعیل
روح پر روح لگی گرنے برائے تعجیل
جب ہوا صور میں یوں نغمہ سرا اسرافیل

"مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت کہ عجب خوش لقبی"(۱۲۱)

اس کے بعد آپ ﷺ کی سیر فردوس کی خبر سن کر رضوان کی مسرت کا بیان ہے۔ آسمان، نجوم اور ملائک کی کیفیت بیان کی ہے۔ چرخ کے دربان نے جبرئیل سے استفسار کیا تو آپ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر نہال ہو گیا۔ اس موقع پر شہیدؔ نے تلمیحاً حدیث کے الفاظ درج کیے ہیں:

پوچھا جبرئیل سے یوں چرخ کے درباں نے کہ "من؟"
قال جبرئیل معی جدِّ حسین و حسن
گفت شوقیکہ بدل داشتم اے شاہِ زمن
دل من داند و من دانم و داند دل من
گاہ آنکھوں سے لگاتا تھا ردا گہ دامن
اور کبھی کہتا تھا قدموں پہ جھکا کر گردن

"مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت کہ عجب خوش لقبی"(۱۲۲)

حوریں خواہش کرتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر روز اسی طور تشریف لاتے اور ہم آپ ﷺ کا شاندار خیر مقدم کر پائے۔ جنت کی تزئین بھی ہر پھول پات سے نمایاں تھی۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری پر ہر کوئی پکار اُٹھا کہ ایسا انسان ہم نے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ کا سایہ اس لیے نہیں

ہے کہ آپ نورِ خدا ہیں۔ رضوان بھی آپ ﷺ کے حسن کو دیکھ کر وجد میں تھا۔ یہ نظم پندرہ بندوں پر مشتمل ہے۔ بیشتر اشعار میں شاعر نے منظر نگاری اور محاکات نگاری پر زورِ تخیل صرف کیا ہے پھر کسی کسی مرحلے پر اپنے عقیدے کو بیان کیا ہے اور ایسے نکات کہے ہیں جو مذہبی و شرعی اختلافات کا باعث ہوا کرتے ہیں جن سے مقام ربوبیت اور مقام رسالت و بشریت کی حد بندی پر سوال اُٹھتا ہے۔

اس طلب کرنے سے مطلوب کے مطلب یہ تھا
تا سمجھ لیں کہ وہ ہے جلوۂ ذات یکتا
قاب قوسین کا عقدہ یہ شبِ وصل کھلا
وہ کمانیں جو کھلیں دائرۂ وصل بنا
مل گئے دونوں حدوث اور قدم کے دریا
فرق کچھ طالب و مطلوب میں باقی نہ رہا
جب وہاں دید کا اس طور پہ نقشہ ٹھہرا
پیہم آنے لگی تب پردۂ وحدت سے صدا

”مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت کہ عجب خوش لقبی“(۱۲۳)

شہیدؔ نے یہ موضوع روایت بھی نقل کی ہے کہ عرش کے نزدیک آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے غوث الاعظم نے گردن جھکائی آپ ﷺ نے انہیں اپنا فرزند اور دین پناہ قرار دیا۔ اس کے علاوہ حشر میں آپ ﷺ کی شفاعتِ امت کی دلفروز ساعت کا تصور کرتے ہوئے انبیاو عشاق نبیؐ کی کیفیت بیان کی ہے۔

vi۔ امیرؔ و محسنؔ کا دور:

اس عہد میں معراجیہ عناصر کی حامل بعض تخلیقات فنی اعتبار سے بلند پایہ ہیں جنہیں بے حد سراہا گیا اور ان کی تقلید کی گئی۔ امیر مینائی اور محسن کاکوروی کے ہاں معراج کے متعلق شعری نمونے تمام اصناف میں ملتے ہیں۔ امیر مینائی نے معراج اور اس کے متعلقات کے بیان میں منفرد الفاظ و تراکیب، منظر نگاری اور فضا سازی کا فنکارانہ ثبوت دیا ہے۔ امیرؔ نے غزل کی ہیئت میں جو بیشتر نعتیہ کلام کہا ہے اس میں مراحل معراج مثلاً معراج کی رات کا عالم، اہلِ سماوات کی کیفیات، آسمانوں کی تزئین، مسجدِ اقصیٰ میں قیام، آسمانوں کی سیر، عرش علیٰ تک رسائی، وصلِ الٰہی، وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ مکمل یا مرتب حکایاتِ معراج نہیں لیکن جن نعتیہ غزلوں کے تمام اشعار

معراجِ ہی کے بارے متعلق ہیں انہیں معراج ناموں کی ذیل میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ہیئتِ غزل میں معراجیہ کلام سے ذیل میں صرف مطلع بطور نمونہ درج کیے گئے ہیں جو امیر مینائی کے دیوانِ ”محامد خاتم النّبیین“ سے ہیں:

گرم حضرت کا جو بازار تھا معراج کی شب
کہ خدا آپ خریدار تھا معراج کی شب

کس کے آنے کی فلک پر ہے خبر آج کی رات
آنکھ سورج سے ملاتا ہے قمر آج کی رات

جب ہو نہ مقابل سے مقابل شبِ معراج
پردہ ہو کہاں بیچ میں حائل شبِ معراج

پہنچے جو سرِ عرش پیغمبر شب معراج
لینے کو ملک آئے برابر شب معراج

اللہ نے خلوت میں بلایا شبِ معراج
کیا رتبۂ محبوب بڑھایا شبِ معراج

شبِ معراج ہے مہماں رسول اللہ آتے ہیں
چلو حور و بڑھو غلماں رسول اللہ آتے ہیں

غُل ہے معراج کی شب شاہِ اُمم آتے ہیں
مالکِ مہر و مہ و لوح و قلم آتے ہیں

فرشتوں میں ہے ہنگامہ رسول پاک آتے ہیں
کھلیں رحمت کے دروازے شہِ لولاک آتے ہیں

امیؔر مینائی کے قصائد میں بھی معراج کا ذکر شان و شوکت سے ہوتا ہے۔ ان کا تخیل نئے نکات پیدا کرنے میں بھی متوازن رہتا ہے۔ امیؔر کے نعتیہ قصائد میں پہلا قصیدہ شہیؔدی کی

معروف زمین میں ہے۔ سیرتِ پاک کے علاوہ سراپائے رسولؐ میں کئی اشعار کہے ہیں۔ ذکرِ معراج میں جو شعر کہے ہیں ان میں معراج کے موقع پر انبیا و ملائک کی تعظیم، قُربِ الٰہی کے شرف اور آپ ﷺ کی بہ سرعت آمد و رفت کا مختصراً ذکر ہے:

شبِ معراج کیا اس مقتدا نے مرتبہ پایا
خدا مشتاق شہرہ قدسیوں میں آمد آمد کا
دکھایا صاف خرق و التیام ماہ کا عالم
جدا ہو کر ملا کیا نور حق سے نور احمد کا
رکابوں سے ملیں آنکھیں جھکایا سر کو قدموں پر
ملا جبریل کو رستے میں کیا موقع خوشامد کا
کیے آٹھوں فلک طے دم میں پہنچے عرش اعلیٰ پر
قدم آگے بڑھا اس واقف اسرارِ سرمد کا
دکھائی قوتِ بازو کمانِ قرب یوں کھینچی
کہ عالم دونوں گوشوں میں ہوا حرفِ مشدّد کا
کہا جو کچھ کہ کہنا تھا سنا جو کچھ کہ سننا تھا
وہی قائل وہی سامع ، سماں آوازِ گنبد کا
لگایا غوطہ اس بحرِ حقیقت میں شناور نے
گریباں جزر کا جس میں نہ دامن تھا کہیں مد کا
گئے حضرت پھرے حضرت مٹی گرمی نہ بستر کی
قدم تھا ایک ہی گویا درآمد کا برآمد کا
خدا سے جو ملا معراج میں نقدِ عطا ان کو
دیا امت کو عقدہ کھول کر زلفِ معقّد کا(۱۲۴)

دوسرے نعتیہ قصیدے میں بھی معراج پہ اشعار ملتے ہیں۔ اس بے پایاں حکایت کا ذکر ان کی طبیعت کو عروج بخشتا ہے۔ ایک کیف اور وجد کے عالم میں وہ معراج کی کیفیت کا ذکر کرتے ہیں اس وجد نے قصیدے میں وہ تسلسل اور بہاؤ پیدا کر دیا ہے۔ جو عام طور پر قصیدے کی ثقیل فضا میں مفقود ہوتا ہے۔ جبرئیل کی آمد، براق اور چشم زدن میں سفر کے طے ہونے کا معمولی ذکر کر کے شاعر اسی وجدانی کیفیت میں جا پہنچتا ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے:

دائرۂ وہ کہ جسے دائرہ کہنا ہے خطا
نہ حد و سمت نہ انجام نہ اس میں آغاز

کچھ عجب بزم کہ تھی بزم کے اطلاق سے دور
عود بے مجمَرہ و نغمۂ بے پردۂ ساز
ہم بغل شانہ سرِ زلفِ رسا سے لیکن
نہ کوئی زلف مسلسل نہ کہیں دستِ دراز
ہوئی بے ذائقہ و شامّہ حاصل سرِ دست
بوئے بے مادّۂ عطر مے شیشہ گداز
وہ سوالات و جوابات کہ جن میں وحدت
ایک ہو جیسے کہ آواز سے مل کر آواز
کیوں نہ خود سبز ہو مرغِ نظرِ دیدۂ دل
ہو اُسے شاخِ نشیمن جو کلہ گوشۂ ناز
کیا گلستانِ نزاکت تھی وہ محفل کہ جہاں
گوش گل کو بھی گراں طائر بُو کی آواز
نئ طلعت تھی نئ شکل کی وہ طاعت گاہ
ایک محراب و حرم ایک مصلّی و نماز
کشف اسرارِ حقیقت سے بڑھی اور امید
عقدہ کھل جائے تو ہو رشتۂ کوتاہ دراز
آپؐ کیا آپؐ کی اُمت بھی ہوئی اس میں شریک
واہ کیا دستِ کرم سے ہے درِ رحمت باز(۱۲۵)

امیرؔ نے مندرجہ بالا اشعار میں تخیل، تصوف اور تفکر کو آمیز کر دیا ہے، تراکیب کی ندرت بے مثال ہے۔ شاعر کا دلِ معتقد اس عدیم النظیر معجزے اور ملاقات کو بے نظیر انداز میں بیان کرنا چاہتا ہے۔ یہ خواہش اس کے بیان میں جوش پیدا کرتی ہے۔ تیسرے نعتیہ قصیدے کی ردیف ''پھول'' ہے۔ شاعر کے تخیل نے معراج سے متعلق بھی اس ردیف کے موافق مضمون پیدا کر لیا ہے:

فردوس میں کیا شبِ معراج جب گزر
لایا لگا کے رضواں ڈالی میں ہار پھول
یاروں کے اس کی بُو سے معطر کیے مشام
رُخصت کے وقت پائے تھے جو عطر بار پھول

اُمت کا بوجھ پشت پہ اپنی اُٹھا لیا
طاقت کی بات تھی کہ ہوا کوہسار پھول(۱۲۶)

امیرؔ نے ترجیع بند نظموں میں بھی معراج کے موضوع پر کئی بند کہے ہیں۔ جن میں آپ ﷺ کی عظمت عالی اور زمین و سماوات میں آپ ﷺ کے علوئے مرتبت کا اظہار ذکرِ معراج سے کیا گیا ہے۔ شعر سعدیؔ پر تضمین میں بھی امیرؔ نے سفر معراج کے متعلق چار بند شامل کیے ہیں۔ اس نظم میں روانی اور بہاؤ ہے۔ الفاظ و تراکیب دلنشیں ہیں۔ شاعر کے انداز میں جو ترنم ہے وہ قاری کے تخیل میں بھی تحرّک پیدا کرتا ہے اور مذکور کیفیت نگاہوں میں اُبھرنے لگتی ہے۔ ذکرِ معراج میں آخری بند بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے:

ہوئے آپ داخل بزمِ ہُو — وہ چمن کہ رنگ وہاں نہ بُو
نبی و ملائکِ نیک خُو — رہے آستانے پہ سرخ رُو
رہی سب کے کانوں کو آرزو — نہ سنی کسی نے وہ گفتگو
جو پھرے وہاں سے وہ سرخرو — یہی غلغلہ تھا ہر ایک سُو
بلغ العلیٰ بکمالہٖ — کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ — صلوا علیہ و آلہٖ(۱۲۷)

امیر مینائی نے نعتیہ مضامین کی حامل دیگر ترجیع بند نظموں میں بھی معراج سے متعلق مماثل مضامین ہی بیان کیے ہیں۔ فرق صرف اندازِ بیاں کا ہے ایک نظم ''سلام در معراج'' کے عنوان سے ہے جس میں امیرؔ کا انداز روایتی ہے۔ جدید شعراکے ہاں یہ قرینے تبدیل ہو چکے ہیں۔

اے مدنی برقع و مکی نقاب — آج مناسب نہیں اتنا حجاب
وصل کی ہے رات توقف ہے کیوں — لطف کی ہے بات توقف ہے کیوں

اے مرے محبوب سلام علیک
اے مرے مطلوب سلام علیک

اتنا قریب آ کے ملو ہم سے تم — نام دوئی بیچ سے ہو جائے گم
اتنا قریب آؤ کہ احمد کا میم — میم دہن بن کے ہو درِّ یتیم

اے مرے محبوب سلام علیک
اے مرے مطلوب سلام علیک(۱۲۸)

محسنؔ کاکوروی کی شاعری میں جذبے، تخلیق اور اسلوب کی بے پناہ انفرادیت نے محسن کو اردو شاعری میں ایک الگ مقام بخشا ہے۔ ان کے قصائد اور نعتیہ مثنویاں ایک جداگانہ تخلیقی شان

رکھتی ہیں اور شاعر کے ادبی، علمی، تہذیبی اور تاریخی شعور کی عکاس ہیں۔ ان کے مضامین محض روایتی یا اعتقادی نہیں بلکہ دینی معلومات سے بھی مزیّن ہیں نیز کلامِ محسن میں تشبیہات واستعارات بھی اس خوبی سے مبرّا نہیں۔ محسن کے قصائد میں اکثر تشبیب کی طوالت گراں گزرتی ہے عموماً ان کے ہاں تشبیب ہندوستانی فضا میں پروان چڑھتی ہے اور مدحیہ اشعار میں شاعر کا والہانہ پن، وارفتگی، عقیدت اور خلوص دِکھائی دیتا ہے۔ محسن کے قصیدہ لامیہ کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی جس کا عنوان ''مدیح خیر المرسلین'' ہے اس قصیدے کی تشبیب کے ہندوستانی عناصر پر گاہ تنقید بھی کی گئی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اساتذہ کے ہاں تشبیب کے مضامین میں احصار روا نہیں اور تشبیب کے مضامین کا نفسِ مضمون یعنی مدح کی نوعیت سے مناسبت رکھنا بھی ضروری نہیں۔ گریز کے مرحلے پر شاعر تشبیب اور مدح میں کیونکر ربط پیدا کرتا ہے۔ اس کا انحصار اس کی فنکاری پر ہے اور محسن اس مقام سے سرخرو گزرتے ہیں۔ ''مدیح خیر المرسلین'' میں محسنؔ نے مدحتِ رسول ﷺ میں باکمال اشعار کہے ہیں۔ شبِ معراج کا ذکر بھی اشارتاً ملتا ہے:

شب اسریٰ میں تجلّی سے رُخ روشن کی
پڑ گئی گردنِ رفرف میں سنہری ہیکل
سجدۂ شکر میں ہے ناصیۂ عرش بریں
خاک سے پائے مقدّس کی لگا کر صندل(۱۲۹)

تھا بندھا تار فرشتوں کا درِ اقدس پر
شب معراج میں تھا عرش معلی بادل
آمد و رفت میں تھا ہمقدم برق براق
مرغزارِ چمن عالم بالا بادل(۱۳۰)

محسنؔ نے ایک قصیدہ ''سراپائے رسول'' کے عنوان سے لکھا ہے اس میں بھی جگہ جگہ سراپائے مبارک کی تجلّی کو شبِ معراج کی مثال دے کر بیان کیا ہے۔ ایک قصیدہ ''نظم دلِ افروز'' ہے جس میں دیگر نعتیہ مضامین کے ساتھ معراج کا بھی ذکر ہے جو اِن اشعار سے آغاز ہوتا ہے:

نگاہیں مہرِ طلعت کے مقابل خیرہ ہو جاتیں
شبِ معراج اگر کاجل نہ ہوتی چشمِ اختر میں
پڑھا ہاتف نے بسم اللہ، سبحان الذی اسریٰ
جب آیا خانۂ زین براق برق پیکر میں

فلک نے آبرو پائی جو چترِ فرق عالی کی
درِ شہوار انجمن ہو گئے داخل نچھاور میں
باستقبال آیا مرحبا لے آدم و عیسٰی
جو پہنچا خدمت والا پدر عالی برادر میں
یدِ بیضا چراغِ طور سے روشن کیے دستی
کہ سجدے میں جھکا ہو گا اندھیرا راستہ بھر میں (۱۳۱)

اس کے بعد کے اشعار میں بالترتیب حضرت یوسفؑ، حضرت ادریسؑ اور حضرت ابراہیمؑ خلیل کا ذکر ہے۔ آسمان کے نازِ قدمبوسی اور رضوان کے جنت کی کلید آپؐ کی نذر کرنے کا ذکر ہے۔ پھر شاعر نے معراج کے مضمون کو اِن اشعار پر ختم کیا ہے۔

نہ کیوں حد ادب پہ ختم ہو جبرئیل کی عرضی
کہ شمعِ قرب نے تاثیر کی پروانہ کے پر میں
بقرب قاب قوسین آپ پہنچے تو نہ تھا باقی
پر یک تیر کا پلہ کماں کش اور کماں گر میں (۱۳۲)

محسنؔ کے دیگر نعتیہ قصائد "ابیاتِ نعت" اور "انیس آخرت" ہیں۔ "انیس آخرت" بھی فکری و فنی خصائص کا حامل قصیدہ ہے۔ جس میں آپ ﷺ کی آمد اور آپ ﷺ کے ختم المرسلین اور بلند مرتبت ہونے کا ذکر ہے۔ اس قصیدے میں بھی معراج کا مختصر ذکر ملتا ہے:

شبِ معراج میں حق نے بلایا اُس کو پاس اپنے
کیا سو طرح کا پاس اپنے محبوب اپنے مہماں کا
بٹھایا خلوتِ تنزیہہ میں اس کو تن تنہا
فرشتہ بھی جہاں پہنچے ملائک کا نہ انسان کا
خودی سے بُعد جو پہلے الف کو نون ایماں سے
خدا سے قرب جو پچھلے الف سے نون ایماں کا
خدا جانے حبیبِ کبریا جانے کہ کیا گزری
ہوا جب سامنا عشق آفریں کے روئے تاباں کا (۱۳۳)

محسنؔ کی مثنوی "چراغِ کعبہ" کا موضوع معراج النبیؐ ہے۔ یہاں محسنؔ نے صنعت گری، مضمون آفرینی، لطافت، معنویت اور علمیت پر مبنی جو فضا تیار کی ہے اس کی جھلک ابتدائی اشعار سے ہی قاری کے ذہن میں نقش جمانے لگتی ہے۔

ہے نام خدا سوادِ تحریر والليل اذا سجیٰ کی تفسیر
دریائے رواں ہے درّ نظم آج یہ بحر خفیف بحر مواج
جاتا ہے کلیم آسماں تک معراج سخن ہے لامکاں تک
خلوت گہِ دل ارم سرشتہ پروازِ طبیعت اک فرشتہ
ہر گوہر قلزم تکلم سیارۂ آسماں ہفتم
ہر حرفِ سیہ زبان سوسن گنجینۂ راز ہشت گلشن
ہر لمحۂ فکر طبع والا شمع سرطاق عرش اعلیٰ(۱۳۴)

مثنوی میں شاعر نے ۲۳ عنوانات قائم کیے ہیں۔ ’’آغازِ روایت‘‘ کے عنوان سے معراج کی رات کا عالم جانفزا بیان کیا ہے:

بھیگی ہوئی رات آبرو سے داخل ہوئی کعبے میں وضو سے
اوڑھے ہوئی لیلیٰ گل اندام شبنم کی ردا بقصدِ احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال(۱۳۵)

آنا کھلتا ہوا نہ جانا اندازِ خرام صوفیانہ(۱۳۶)

’’گریز‘‘ کے عنوان سے دشتِ عرفات، کعبۂ معلّی، زمین و آسمان، نجوم اور سیارگان کی کیفیت بیان کرنے کے بعد شاعر ہمارے فکر و تخیل کو متجسس کرتا ہے۔ مثنوی میں یہ قصیدے کی داخلی کیفیت ایک عمدہ شعری تجربہ ہے:

کیوں خاک کی اتنی ارجمندی کیوں پستی کی اس قدر بلندی
کیوں شب کا یہ حسن روزافزوں کیوں ہے یہ ملیح اتنی موزوں
محمول کا کس طرف ہے موضوع مسند کو کیا ہے کس نے مرفوع
یہ کس کی خبر کا مبتدا ہے موصول کہاں ، کہاں صلا ہے
ہیں کس سے مضاف یہ عجائب راجع ہے کدھر ضمیر غائب
ناگاہ خطابِ وحی تنزیل عالی لقب حضور جبرئیل(۱۳۷)

’’مدح جبرئیلؑ‘‘ کے تحت اشعار میں شاعر نے ایجاز و اختصار کا کمال دِکھایا ہے۔ ’’تمہید وصف براق‘‘ کا آغاز شاعر نے براق کے اوصاف کی مناسبت سے کیا ہے۔ یہ تخلیقی صناعی محسن کا ہی خاصہ ہے:

پہنچا ہے براق تک جو نامہ دو ہاتھ اچھل پڑا ہے خامہ

شوخی پہ کلکِ تیز رفتار	جل جائے سپید سبع سیار
قطبین ہیں سن میاں انجم	ڈُکڑی کی ہوئی ہے چوکڑی گم(۱۳۸)

اس کے بعد "صفت براق" کے بعد "ورودِ جبرئیل و براق بر آستانہ شریف" کے بیان میں بھی محسنؔ کی تشبیہات رنگ دِکھاتی ہیں۔ "نعت" کے تحت اشعار میں حبیبِ خدا کی مدح کے ساتھ اُم ہانی کے گھر میں جبرئیل کی آمد اور پیغامِ الٰہی پہنچانے کا ذکر ہے۔ "تشریف آوری بیت اللہ" میں شقِ صدر اور روانگی کا بیان ہے۔ "مسجدِ اقصیٰ" کے عنوان سے مسجد اقصیٰ میں پہنچنے اور وہاں کی کیفیت کا بیان، دودھ اور شراب کے پیالوں کا ذکر ہے۔ فلک اوّل تا فلک ہفتم کی سیر الگ الگ عنوانات سے بیان کی ہے۔ فلک اوّل پر آدمؑ فلک دوم پر یحییٰؑ و عیسیٰؑ استقبال کرتے ہیں۔ چونکہ فلک سوم پر حضرت یوسفؑ سے ملاقات ہوئی لہٰذا اس عنوان کے تحت اشعار میں حُسن کی رعایت کی گئی ہے۔ اس کے بعد "سراپا" کے عنوان سے محسنؔ نے حسنِ محبوبِ الٰہی کی تصویر پاکیزہ و مسجع الفاظ میں کھینچی ہے۔ تشبیہ و استعارہ کی ندرت میں محسن کا جواب نہیں چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ابرو پہ جبیں مہ شمائل	رکھی ہوئی رحل پر حمائل(۱۳۹)

رعنائی قامتِ مناسب	روزے میں اذان وقتِ مغرب(۱۴۰)

فلک چہارم پر حضرت ادریسؑ سے ملاقات کے بیان میں بھی یہی خوبیٔ بیان ملاحظہ کیجیے:

یکجا ہوئے دو نبی اکرم	مثل صفحات حظ توام
یکرنگیٔ مصطفیٰ و ادریس	قدرت کے قلم کی سطر تجنیس
ہم وضع دو نقش کلکِ ایجاد	دو قطعے نوشتۂ یک استاد(۱۴۱)

فلک پنجم پر حضرت ہارونؑ فلک ششم پر حضرت موسیٰ، فلک ہفتم پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کا ذکر ہے۔ "بیت المعمور" کے بعد "بہشت و دوزخ" اور "عرش و کرسی" کا بیان ہے یہاں سے آپ ﷺ جبرئیل و براق سے جدا ہو کر رفرف پر سوار ہوئے "مقام اعلیٰ" کے بیان میں محسنؔ کا قلم پھر وہی سحر کاری دِکھاتا ہے:

وحدت کا کھُلا ہوا ناکا	جس میں نہیں دخل ما سوا کا
وارفتہ خیال جست و جو کے	چھاپے لیے خون آرزو کے
امید کے تہ نشیں سفینے	ٹوٹے ہوئے حوصلے کے زینے
نکلی ہوئی ہمتوں کی جانیں	اتری ہوئی چلّے سے کمانیں(۱۴۲)

مقام اعلیٰ کے بیان کے بعد "خاتمہ و مناجات" کے عنوان سے اشعار پر شاعر نے مثنوی کا

اختتام کیا ہے۔ مثنوی "چراغ کعبہ" میں محسنؔ نے محض مراحلِ معراج کی تفاصیل کو موزوں نہیں کیا۔ یہ بات صاف دِکھائی دیتی ہے کہ شاعر کا مقصد معلومات کا انبار لگانا نہیں بلکہ اس کا مطمعِ نظر معراج النبیؐ کے حوالے سے شانِ محمدیؐ کا اُجاگر کرنا ہے۔ بظاہر عنوانات کی ترتیب سے لگتا ہے کہ روایتی معراج ناموں کے انداز میں ہر مرحلے کی جزئیات درج ہوں گی۔ لیکن اصل میں ایسا نہیں۔ شاعر نے ہر عنوان کے تحت معراف روایات کو دہرانے کی بجائے بیشتر اشعار براہِ راست آپ ﷺ کی مدح میں کہے ہیں۔ صرف یہ ہے کہ ہر مرحلے اور ہر امر کے موافق شاعر مدح کا قرینہ بدل لیتا ہے اور یہ تمام مراحل صرف آپ ﷺ کے علوو شوکت کو ظاہر کرنے کا ایک حوالہ بن کر سامنے آتے ہیں۔

سیّد محمد اسماعیل منیؔر شکوہ آبادی کی شاعری سے ان کی ذہانت، طباعی، علمی استعداد جھلکتی ہے۔ معراجیہ مضامین کا اظہار منیؔر نے قصیدہ اور مثنوی دونوں میں کیا ہے۔ منیؔر کے قصائد میں علمی نکات، اصطلاحات اور تخیل کا زور ہے جو اِن کے کلام میں جوش پیدا کرتا ہے۔ دینی تلمیحات بھی ان کی نعتیہ شاعری کا اہم عنصر ہیں اور صنائع بدائع ان کی مضمون آفرینی کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ ایک قصیدے میں ذکرِ معراج کی مثال ملاحظہ کیجیے:

دوال بن گئی نعلین کی شبِ معراج — جسے سمجھتے ہیں زنجیر عرش سب دیندار
بیاں کیا کروں وصف مرکب والا — طلسمِ نور ہے یہ اے شہِ براق سوار
نظیر ہی نہیں رکھتی ہے اس کی جلد روی — مشبہ جو کوئی ہو تو میں کروں اظہار
خیال و وہم و خرد فہم و برق و نور نظر — غبار و دود و شجر، سنگِ رہ، بت و دیوار
شتاب و سرعت تعجیل و جستجو و تلاش — درنگ و وقفہ و تاخیر و بیخود و بیکار(۱۴۳)

جہات و امکنہ غیب و شہادت و ابعاد — خفیف و نادم و حیرت نصیب و بیخود دو خوار
مجردات و بسایط جواہر و اعراض — عجب ہیں سکتہ میں درماندہ پشت بر دیوار(۱۴۴)

یہاں طوالت کے خوف سے مثالوں کو درج نہیں کیا گیا البتہ شاعر نے سفر کی سرعت کو بیان کرنے میں جو تخلیقی قوت صرف کی ہے اس سے قاری کا گمان ممدوح کی خوبی کے بجائے شاعر کی شعری خوبیوں کا احاطہ کرنے لگتا ہے، آخر کار یہ ذکر ان اشعار پر ختم ہوتا ہے:

اُدھر سے وحی الٰہی کی طرح یہ آیا — درود بن کے اِدھر سے رفیق و مونس یار
سنا ہے جا کے پھر آتا نہیں ہے کمان سے تیر — یہ تیرے جا کے ملا دو کمانوں سے یکبار
اُدھر رکابیں بنیں عرش کے تلے قوسین — ادھر غزال حرم سایۂ حواس شکار(۱۴۵)

منیؔر کی مشہور مثنوی "معراج المضامین" آئمہ و بزرگان کی کرامات پر مبنی ہے۔ مثنوی کی ابتدا میں تمہیدی اشعار کے بعد "تعریفِ سخن" پر اشعار ہیں پھر شاعر نے مناجات کہی ہے اور نعت کے بعد ذکر شبِ معراج ہے۔ جس کا عنوان "عرش پروازی ہمای فکر رسا در ہوائے ذکر شبِ معراج ختم الانبیاء" ہے۔ شاعر آغاز میں شبِ معراج کی کیفیت بیان کرتا ہے یہاں مثنوی میں بھی قصیدے کا شکوہ موجود ہے۔ الفاظ و تراکیب کا چناؤ قاری کے تخیل میں بھی ایک کیف آور سماں باندھ دیتا ہے۔

کہاں ہے ساقی گردوں تعلی — کہاں ہے بادۂ حورا تجلّی
پلادے ایک پیمانہ سرِ بزم — کہ سیر عالمِ بالا کا ہے عزم

شبِ مشکینہ خال عنبریں مُو — شب کعبہ لباس و خال ہندو
بنفشہ زارِ خلدِ کامرانی — کنیز اس رات کی شامِ جوانی

وہ شب مفتاح قفل رازدانی — وہ شب شق نقیض لن ترانی
عروجِ طالع مسعود کی رات — کلام عابد و معبود کی رات(۱۴۶)

رات کا عالم بیان کرنے کے بعد جبریل کی مع براق آمد کا ذکر ہے۔ "عنان گستگی توسن اندیشہ در وصف براق سرعت پیشہ" کے عنوان سے براق کی توصیف میں اشعار ہیں۔ براق کے اوصاف کو نادر تشبیہات سے ابھار اپنے "خلاصۂ فکر" کے عنوان سے شاعر نے آپؐ کے حرم میں جانے، پھر مسجدِ اقصیٰ کو روانہ ہونے، وہاں انبیاء کی امامت فرمانے کا ذکر ہے۔ یہاں شاعر نے تفصیلات سے گریز کیا ہے۔ آسمانوں کی سیر کے دوران قمر، عطارد، زہرہ، خورشید، مریخ، مشتری، نور، حمل، اسد، سنبلہ، عقرب، دلو، حوت، سبھی سیارگان کی کیفیت لکھی ہے۔ علم نجوم اور علم موسیقی کی اصطلاحات بھی قدیم معراج ناموں کی طرز پر یہاں شاملِ کلام ہیں۔ چرخ اطلس پر آپؐ کی تشریف آوری کے بیان میں شاعر کے مذہبی عقائد کی عکاسی ہے:

نظر کی عرش سے لوح و قلم تک — شہود غیب سے ملک عدم تک
جہاں مرقوم دیکھا نام اپنا — جہاں آیا نظر اکرام اپنا
علی کا نام بھی پایا وہیں پر — جبینِ لوح پر عرش بریں پر
نظر آئی جہاں اپنی نبوت — علی کی پھر وہیں دیکھی امامت(۱۴۷)

جنت و دوزخ کے مشاہدے کا بھی ذکر ہے لیکن تفاصیل نہیں ہیں۔ مقام سدرہ سے آگے

قربِ الٰہی کی منازل کو شاعر نے بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے:

بڑھے جس وقت حدِ ماسوا سے — مشرف ہو گئے قربِ خدا سے
وہاں پہنچا ہمائے لامکاں سیر — کہ اپنی ذات بھی پائی جہاں غیر
جہات و سمت محروم اس جگہ سے — من و تو دونوں معدوم اس جگہ سے

محل و جا نہ تھے عارف جہاں سے — زمان و وقت ناواقف وہاں سے
وہاں سے سادگی و رنگ مفقود — وہاں سے اجنبی موہوم و محدود
رہا پائے نگہہ لغزش سے بے داغ — ہوا کبک نظر ہم رنگ مازاغ(۱۴۸)

آخر میں شاعر نے معراج سے انکار کو باطل عقیدہ قرار دیا ہے۔

منشی امیر اللہ تسلیم بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں لیکن انہوں نے قصیدے اور مثنوی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اگرچہ یہ قصیدے کے انحطاط کا زمانہ تھا لیکن تسلیمؔ نے بعض خوبیوں کے باعث بہر حال اپنا ایک رنگ قائم کیا ہے۔ ان کا تخلیقی مزاج تغزل سے ہم آہنگ ہے لہٰذا ان کے قصائد بھی زیادہ دِقت پسندی کا شکار نہیں ہوتے۔ ذیل میں تسلیمؔ کے قصیدہ و مثنوی سے ذکر معراج کی مثالیں درج کی جاتی ہیں:

عشق کامل چاہیے فیضِ جمالِ پاک سے — رفتہ رفتہ نور ہو جاتا ہے پُتلا خاک کا
امتحاں گر چاہتا ہے دیکھ سینے کو مرے — ہو رہا ہے مشرقِ خورشید مہر مصطفیٰ
جس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ مثل روح و تن — ہر گھڑی آغوش میں تھا شاہدِ قرب خدا
طے کیے نو پردۂ گردوں شبِ معراج میں — جیسے عینک سے گزر جائے نگاہِ تیز پا(۱۴۹)

فلک سائباں ان کے ایوان کا — زحل پہ گماں ایک دربان کا
دم شوق بالا روی برق دم — زمین و فلک گردشِ یک قدم
زمین و فلک عرش و کرسی تمام — کیا دم میں طے بے قیام و مقام
کمالاتِ اعجاز کے مہر و ماہ — فلک پر ہیں دن رات اب تک گواہ
زمیں پر شرف بخش بیت الحرام — فلک پر صفِ انبیا کے امام(۱۵۰)

تسلیم کے شاگرد محمد اسمٰعیل صبر رامپوری نے اپنے استاد کے حالات میں ایک مثنوی ”طلوع وغروب“ لکھی اس تذکرے میں امیر اللہ تسلیم کا سب حال میلا دووفات درج ہے۔ مثنوی کے آغاز میں حمد کے بعد نعتیہ اشعار میں معراج کے موقع پر آپ ﷺ کے بذریعہ براق سریع

سفر کا ذکر کیا ہے۔ انبیا کے استقبال اور حورانِ جنت کی تیاریوں کا ذکر کیا ہے پھر لکھتے ہیں:

وہ طالب کو مطلوب کا انتظار — پلک مارنا بھی تھا آنکھوں کو بار
وہ جس شان و شوکت کا سامان تھا — نبی جانتا ہے اسے یا خدا
یہ معراج کی شب ہوا آشکار — خدا کو بھی فرقت ہوئی ناگوار
بلایا تو یوں پیار ظاہر کیا — کہ جو مانگا محبوب نے وہ دیا[۱۵۱]

اس کے بعد آپ ﷺ کی اُمت کی بخشش کے لیے درخواست کرنے کا ذکر ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو اُمت کی سفارش کا اذن عطا فرمایا۔

میر حسین علی یاسؔ نے مثنوی ''سرّ الغیب'' (معروف بہ چشمۂ کوثر) میں ''اشعارِ سرِ مثنوی کے بعد حمد و نعت مناجات اور سراپائے محمد بیان کیا ہے۔ اس کے بعد مفصل معراج نامہ ہے جس کا عنوان ''در معراج نامہ جناب رسالت مآب معہ عجائبات راہ'' ہے شروع میں شاعر تلقین کرتا ہے کہ حضور ﷺ کی معراج جسمانی کا انکار خلافِ دین ہے۔ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ آپ ﷺ ساتوں آسمانوں کی سیر کرنے کے بعد اپنے مقام پر لوٹ آئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے شبِ معراج کی تاریخ اور مہینے سے لے کر تمام مراحل معراج تک کسی ایک ماخذ پر انحصار نہیں کیا بلکہ تمام تر بیانِ معراج میں وہ سب روایات ملتی ہیں جو بیشتر کتب تفسیر و سیرت میں موجود ہیں۔ اگرچہ بعض روایات ان میں صحت کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ شاعر نے احادیث کو بھی منظوم کیا ہے لیکن حدیث کے حوالے کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ معراج نامے میں شاعر نے درج ذیل عنوانات قائم کیے ہیں:

حدیث تعلق معراج	احوال آسمان اوّل	احوال آسمان دوم
احوال آسمان سوم	احوال آسمان چہارم	احوال آسمان پنجم
احوال آسمان ششم	احوال آسمان ہفتم	روایت از امام تقی
حدیثِ تعلق معراج		

شاعر نے ہر آسماں کی سیر اور جنت و دوزخ کے مشاہدے کا مفصل حال لکھا ہے۔ بیشتر معروف روایات کو نظم کیا ہے چونکہ آغاز میں شاعر نے ''حدیث'' کا عنوان دیا ہے لہٰذا احوالِ معراج کو آپ ﷺ کی زبان سے ہی بیان کیا ہے۔ اشعار بطور نمونہ دیے جاتے ہیں جن میں سورۃ بقرہ کی آخری آیات کا مفہوم دکھائی دیتا ہے:

وہاں شرف مجھ کو بفضلِ کبریا — قاب قوسین او ادنیٰ کا ملا
اس جگہ سے صاف یہ میں نے سنا — حق کی جانب سے منادی نے کہا

لائے ایماں ساتھ اس شے کے رسول | جو ہوئی خالق کی جانب سے نزول
اب ہے یہ ارشاد ختم الانبیا | اپنی اور اُمت کی جانب سے کہا
یعنی دنیا میں ہیں جو یہ مومنین | لائے ایماں حق پہ وہ سب اہل دیں
تو نہ لینا مجھ سے یا ربّ انتقام | بھول جاؤں کچھ دیا کچھ بد ہو کام
اس نے فرمایا نہ لوں گا انتقام | اے مرے محبوب مردِ نیک نام
پھر یہ میں نے عرض کی اے کبریا | بوجھ مجھ پر تو نہ رکھ اُس مرتبا
تُو نے جو اگلے رسولوں پر رکھا | ان سے رکھ معذور مجھ کو کبریا(۱۵۲)

اسی طرح مکالمے کی صورت میں ان آیات کا مکمل مفہوم بیان ہوتا ہے۔ شاعر نے دیگر مقامات کی طرف عرشِ اعلیٰ پر اللہ سے ملاقات کا حال بھی پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔ معراج سے واپسی کے متعلق بھی روایات درج کی ہیں۔

مولوی محمد علی محمدؔ نے مثنوی ''آثارِ محشر'' میں حمد و نعت کے بعد معراج کا حال لکھا ہے۔ یہ شعر بطور عنوان درج کیا ہے:

حمد اور نعت ہوئی فضلِ خدا سے موزوں | آگے معراج کے ہوتے ہیں اب احوال بیاں

شاعر نے معراج کی فضیلت اور خوبی، اُمِ ہانیؓ کے گھر سے بذریعہ براق روانگی، مسجدِ اقصیٰ تک رسائی اور پھر آسمانوں کی سیر کا ذکر کیا ہے۔ ہر آسمان کی سیر کا حال لکھنے کے بجائے براہِ راست مقامِ سدرہ تک پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔ براق کی تعریف میں اشعار کہے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ اس کے بعد اسرافیل اپنے بال و پر کو مزیّن کیے ہوئے استقبال کو آئے اور آپ ﷺ اُن کے ہمراہ رفرف تک گئے۔ یہاں اسرافیل رُک گئے۔ ان کے بال و پر بھی مزید ہمرہی نہ کر سکے اور آپ ﷺ وہاں سے لامکاں کے مسکن پر جاگزیں ہوئے۔ اس کے بعد شاعر نے اللہ اور اس کے محبوب کی ملاقات کا حال لکھنے کے بجائے عجز کا اظہار کیا ہے کہ یہ احوال بیان نہیں ہو سکتا۔

اب نہ پوچھ اس دائرے کی مجھ سے بات | پاک تھا وہ عالم از قیدِ حیات
قبل و بعد و دائیں ، بائیں ، تحت و فوق | خالی تھا ان سب سے لیکن پُرز شوق
کہنے سننے کا نہیں ہے یاں پہ حکم | اس سے رہنا خوب ہے اب صم و بکم
اب یہاں ہے ساحتِ تقریر تنگ | اور نہایت مرکبِ تحریر لنگ(۱۵۳)

شمالی ہندوستان میں اُردو شاعری کے ابتدائی دور سے امیرؔ و محسنؔ کے زمانے تک کی شاعری کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ قصائد، مثنویات یا علیحدہ معراج ناموں کی صورت میں شعرا نے بیانِ معراج میں بالعموم تقلیدی مضامین ہی کو اپنایا ہے۔ اگرچہ اس شاعری میں مبالغہ یا موضوع

روایات گذشتہ دور کی نسبت کم ہیں لیکن کوئی نیا فکری پہلو تلاش کرنے یا فلسفیانہ نکتہ طراز کی مثالیں مفقود ہیں۔ عام رجحان یہی ہے کہ شعرا نے معراج کا ذکر آپ ﷺ کے علو و مرتبت کو ظاہر کرنے کے لیے تلمیحی انداز میں کیا یا شعری تخلیقات کے آغاز میں حمد و نعت کو ہیئت کے روایتی طریقے کے مطابق شامل کیا تو معراجیہ اشعار بھی اس میں در آئے، البتہ ہر دور کے شعرا کے ہاں اسلوب کا کچھ فرق ضرور ہے جسے کبھی زمانی اعتبار سے کبھی علاقائی اعتبار سے تمیز کیا گیا۔ سادگی و سلاست یا رعایتِ لفظی اور صنائع بدائع کا استعمال شعرا نے حسبِ مذاق اور حسبِ رواج نبھایا ہے۔ لکھنؤ میں سنگلاخ زمینیں اور مشکل قوافی کے علاوہ معراج ناموں میں شیعیت کے عناصر بھی موجود ہیں۔ اس فصل میں شمالی ہند کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے معراج کے متعلق جو فکری انفرادیت کی چند مثالیں دِکھائی دیتی ہیں ان کا بہتر اظہار بیسویں صدی کی شاعری میں ہوا۔

فصل سوم:

دورِ جدید کی شاعری (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء)

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اُردو ادب کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ جدید شاعروں نے شعری مضامین کو نئے قومی تقاضوں سے بھی ہم آہنگ کیا۔ زیرِ نظر موضوع کے حوالے سے اہم نکتہ یہ ہے کہ اس دور کی شاعری میں معجزاتِ نبوی پر زورِ قلم صرف کرنے کے بجائے آپ ﷺ کی رسالت اور سیرت کے پہلوؤں کو اصلاحی انداز میں پیش کیا گیا جس سے سماجی تقاضے مکمل ہوں۔ نعتیہ شاعری کے موضوعات میں بیانِ معجزات کے بجائے استمداد و استغاثہ کا انداز اور عصری حالات کی عکاسی نظر آنے لگی۔ گویا شعرا کا نقطۂ نظر مقصدی اور اصلاحی ہو گیا۔ جدید دور میں معراجیہ شاعری بھی محض ایک خارقِ عادت واقعہ کا براہِ راست بیان بننے کے بجائے علمی انداز رکھتی ہے۔ یہ رجحان بتدریج پیدا ہوا۔ آغاز میں یہ رجحان کم ہے۔ اس دور کے آخری شعرا نے اسے مزید اجاگر کیا۔ یہ اثر بڑھتا گیا اور عصرِ حاضر کی شاعری میں معراج النبی ﷺ کا اظہار زیادہ علمی و منطقی ہو چکا ہے۔

مولانا حالی کے نعتیہ قصائد میں عالمانہ رنگ ہے۔ تصنع اور مبالغے سے بھی پاک ہیں لیکن حالی کا کمال یہ ہے کہ قصیدے کی فضا میں جو شکوہ لازم ہے وہ اپنی سادگی بیان سے بھی اسے قائم رکھتے ہیں۔ ان کی راست فکر نے تخلیقی لہجے کو یہ اعتماد بخشا ہے اگرچہ حالیؔ نے سیرتِ مبارکہ کے بشری پہلوؤں پر زور دیا ہے لیکن ان کے اشعار اس ذکر سے یکسر خالی نہیں۔ قصیدے سے ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

نہ حرف وصوت میں وسعت نہ کام ولب میں سکت
حقیقت شبِ معراج کے بیاں کے لیے
ارادہ عرش تک اِک آن میں پہنچنے کا
کیا تھا عزم ، اولوالعزم نے کہاں کے لیے
کرم کا دیکھیے دامن کہاں تلک ہو فراخ
ہو میزبان خدا جبکہ میہماں کے لیے[۱۵۴]

اسیرؔ بدایونی نے مختصر مثنوی میں معراج کو بیان کیا ہے اگرچہ اس نظم میں معراج سے متعلق کسی فکری و نظریاتی نکتے کو بیان نہیں کیا گیا۔ مگر اس قدر اختصار میں بھی جذبے کی شدت اور

عقیدت صاف جھلکتی ہے۔ آغاز ہی میں شبِ معراج کی خوبی کو کس ندرت سے بیان کرتے ہیں:

شب معراج ، معراجِ شب و روز　　تجلّی و سیاہی دیدہ افروز
اندھیرا شب کا حسنِ مدعا ہے　　اجالا شمعِ ہر راہِ دعا ہے(۱۵۵)

جبرئیل کی آمد اور پیغامِ وصل پہنچانے کا تذکرہ ہے۔ براق کی خاصیت بھی عمدہ پیرائے میں بیان کی ہے:

براق برق دم مرغِ سبک بال　　ہر اک بڑھتی ہوئی دولت کا اقبال(۱۵۶)

اس کے بعد شاعر نے کسی بھی مرحلۂ معراج کو بیان نہیں کیا صرف آپ ﷺ کے اعجاز کو نمایاں کیا ہے۔ جو انسانی فہم و ادراک سے ماورا ہے۔ جس کا تعلق ایمان و ایقان سے ہے:

نہ شعلہ تھا نہ وہ برق و شرارہ　　کسی کی آنکھ کا تھا اک اشارہ
خرامِ ناز نے جوہر دِکھایا　　نگہ کی مثل جا کر لوٹ آیا
عجب جانا تھا اس کا طُرفہ آنا　　کہ آنا اور جانا ، کچھ نہ جانا(۱۵۷)

اسیؔر بدایونی کے قصیدے میں معراج کی شب کا نقشہ پورے طمطراق سے جلوہ گر ہے۔ جہاں خرد کے ہوش جا رہے ہیں۔ ذرّے مہر درخشاں کی ہمسری کر رہے ہیں۔ زمین و فلک پر آرائش و تزئین جاری ہے۔ چاند سورج عالمِ غش میں ہیں نجوم بے خود ہیں۔ جلالِ قدرت اور جمالِ فطرت نے سرور حسن و خمار کا یہ منظر پیدا کیا ہے۔ نبیِ رحمت کے لب یہاں بھی اُمت کے لیے مصروف دُعا ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:

کمانیں کھچ کھچ کے دونوں جانب بنا وہ اک دائرہ کہ جس کے
محیط بن بن کے سارے نقطے نشانِ کثرت مٹا رہے ہیں
نہ امتیازِ محیط و مرکز ، نہ فرق قوسین کچھ ہے باقی
وہ کماں دار خود کماں ہے کہ تیر سب جس کے کھا رہے ہیں
بروج عقلی نجوم نقلی ہوئے دلائل یہ سارے باطل
خدا کی قدرت کہ عرش و کرسی زمیں سے نیچے دِکھا رہے ہیں(۱۵۸)

خواجہ قمر الدین راقم نے ”بیانِ معراج“ کے عنوان سے معراج کے احوال بیان کیے ہیں۔ آغاز یوں ہوتا ہے:

سنا راقم صفاتِ شاہِ دیں سے　　زباں دھو کر گلابِ مشکِ چیں سے
دِکھا سامانِ معراجِ پیمبر　　ملا سقفِ زمیں عرشِ بریں سے
بنا روئے زمیں کو حسنِ گردوں　　شبِ معراج ختم المرسلیں سے(۱۵۹)

شبِ معراج کے حسن و نور کا عالم بیان کیا ہے جس میں زمین و سماں کا حسن مدغم ہو رہا تھا۔ کیفیتِ شبِ معراج کے بیان میں تشبیہات مبالغہ آمیز ہیں:

اُڑی تھی تیرگی خالِ جبیں سے — نہ تھا دنیا میں ظلمت کو ٹھکانا
نظر آتا تھا حق کا گھر زمیں سے (۱۶۰) — صفائی تھی صفائی دوجہاں کی

روح الامیں پیغامِ ربّانی لے کر حاضر ہوئے، عام روایات کے بر عکس یہاں جبرئیل کے دروازے پر دستک دے کر جگانے کا ذکر ہے۔ پھر آپ ﷺ کا جبرئیلؑ سے مکالمہ بیان کیا ہے کہ لامکاں زمیں سے کتنا دُور ہو گا۔ جبرئیلؑ عرض کرتے ہیں کہ پلک جھپکنے میں آپ ﷺ یہ فاصلہ طے فرمائیں گے۔ پھر براق کے ذریعے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

مقام باد و نارو ما و طیں سے — منازل طے ہوئیں ارض و سما کی
گیا آگے سپہرِ ہفتمیں سے (۱۶۱) — پلک جھپکی اُدھر وہ برق کردار

وہاں حضور ﷺ نے عجائب کا مشاہدہ کیا سینکڑوں فرشتوں کو سجودِ کبریا میں محو دیکھا۔ قدسیوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ سدرہ سے آگے آپ ﷺ تنہا تشریف لے گئے اور اس جہانِ انوار میں پہنچے جو عقل کی دسترس سے باہر ہے:

گماں سے دُور اور باہر یقیں سے — نیا عالم نیا ساماں نیا طور
جہت ہے اور جہت ملتی نہیں سے — مکاں ہے اور سب کچھ ہے نہیں کچھ
نہیں ہے پھر ہے دیکھو گر قریں سے — مکاں کیا لامکاں ہے ہو و لا ہو
کہ ہے خالی نہیں خالی مکیں سے (۱۶۲) — نہیں آباد پھر آباد سا ہے

آپ ﷺ کی ذاتِ باری سے گفتگو اور بخششِ اُمت کی درخواست کا ذکر ہے۔ بیان معراج کا اختتام مشہور روایات پر ہے:

بچھونا گرم تھا زنجیر ہلتی
نہ ٹپکی بوندھ ظرف ما و طیں سے (۱۶۳)

سیّد ہادی علی رواںؔ کے معراج نامے کا عنوان ''نظم در بیان معراج صاحب السریر التاج'' ہے۔ یہ روایتی بیانِ معراج ہے۔ معراج کے واقعات کو بالترتیب اور بہ اختصار بیان کیا ہے اور آخر میں دعا پر اختتام ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:

حضرت مرے مقام کی یہ انتہا ہے آج — پہنچے حضور سدرہ تو جبریل نے کہا
دیکھو شرف حضور کو کیسا ملا ہے آج — رفرف نے پھر حضور کو پہنچایا عرش تک

حدِّ ادب سے اپنی نہ آگے بڑھا کوئی | تنہا فقط جناب حبیبِ خدا ہے آج
بادل کے ایک ٹکڑے نے پہنچایا لامکاں | یہ وہ مقام ہے کہ تعجب فزا ہے آج
جس جلوہ کی ہوئی نہ تھی موسیٰ سے تابِ دید | بے پردہ وہ حبیبِ خدا پر ہوا ہے آج(۱۶۴)

شادؔ عظیم آبادی فارسی و اُردو کے بلند پایہ شاعر ہیں، ان کے ہاں مذہبی شاعری کا ذوق بھی موجود ہے جس کا اندازہ ان کے کلام میں ترجمۂ آیاتِ قرآنی اور تصوف کے مضامین سے ہوتا ہے۔ شادؔ کا میلاد نامہ مسدس ہیئت میں ''ظہورِ رحمت'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جو شاعر کے عقیدۂ رسالت اور مہارتِ فن کا مظہر ہے۔ اصل میلاد نامہ دو سو بند کا ہے جبکہ مطبوعہ نسخے میں ۱۳۷ بند شامل ہیں۔ روایتی میلاد ناموں کی طرح یہ محض ذکرِ ولادت، ذکرِ معراج، قیام و سلام اور دُعا پر منحصر نہیں بلکہ ایک عمدہ ادبی و شعری ذوق کی تسکین کا باعث ہے۔ آپ ﷺ کی ولادت سے قبل عرب کی خستہ حالی، بعثتِ نبوی، تعلیماتِ رسالت اور محامدِ اخلاق کے علاوہ ذکرِ معراج میں ۱۸ بند کہے ہیں۔ قوم کی جفائیں اور ستم حد کو پہنچے تو رحمتِ ایزدی جوش میں آئی۔ معراج کے بندوں کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

خواہاں ہوا زراہِ کرم تب وہ کارساز | اس سے زیادہ ہو درِ عرفاں نبی پہ باز
کُل انبیا سے ہوں یہی ممتاز و سرفراز | مخفی جو خلق پر تھے وہ کھولے خدا نے راز

یوں تند و تیز کون گیا لا مکاں تلک
پہنچے یہ معرفت میں کہاں سے کہاں تلک(۱۶۵)

شادؔ کے نزدیک معراج کو سمجھنے کے لیے صاحبانِ دل کی معرفت درکار ہے۔ بذریعہ برّاق آپ ﷺ بیتِ خدا یعنی مسجدِ اقصیٰ پہنچے۔ امامتِ انبیا کرانے اور بتدریج افلاک سے گزرنے کا ذکر ہے۔ سدرہ تک پہنچ کر جبریل و براق عاجز رہ گئے تو بذریعہ رفرف مقامِ عرش کو پہنچے۔

دُوری تھی راہ کی نہ زمیں آسماں کا فرق
باقی تھا قربِ حق میں فقط دو کماں کا فرق(۱۶۶)

شادؔ نے جابجا یہ ذکر کیا ہے کہ عقلِ انسانی اطرافِ معراج کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ یہ عقلِ ظاہر بیں کے بس کی بات نہیں۔ آخر میں بھی اسی نکتے کو دہرایا ہے۔

کیا ہے یہ عرش و کرسی و سدرہ و نُہ طبق | عارف اسے سمجھتے ہیں تکمیلِ قُربِ حق
عاجز یہیں ہیں سارے رسولانِ ما سبق | اس جا ملائکہ کا بھی ہوتا ہے رنگ فق

معنی کسی سے حل نہ ہوئے اس حجاب کے
حقاً کسے خبر ہے بجز اُس جناب کے(۱۶۷)

مولانا احمد رضاؔ خان بریلوی کی شاعری میں واقعۂ معراج ایقان و عقیدت کا مظہر ہے۔ ان کے مدحیہ قصائد میں معراج النبیؐ کا بیان ان کے تبحرِ علمی کی بدولت کثیر حوالوں سے متاثر کرتا ہے۔ ایک قصیدے کے اشعار دیکھیے:

یہ طور کجا سپہر تو کیا کہ عرش علیٰ بھی دور رہا
جہت سے ورا وصال ملا یہ رفعتِ شاں تمھارے لیے
بغور صدا سماں یہ بندھا یہ سدرہ اُٹھا وہ عرش جھکا
صفوفِ سما نے سجدہ کیا ہوئی جو اذاں تمھارے لیے(۱۶۸)

مولانا نے طویل قصیدے کی شکل میں وہ سلام لکھا جو آج طول و عرض میں مقبول ہے۔ اس قصیدے میں نہایت والہانہ انداز کے ساتھ حضور ﷺ کی ذات باصفات کے اوصاف و اخلاق اور افتخارات کا ذکر ہے۔ بیان میں وہ وارفتگی ہے کہ مضامیں یکے بعد دیگرے امنڈتے چلے آتے ہیں اور مدح کا ہر مضمون اشعار کی بھیڑ میں گم نہیں ہوتا۔ اپنا انفرادی نقش چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ ایک طویل نمونہ کلام میں اس تاثیر کو برقرار رکھنا کمالِ فن کی دلیل ہے۔ اس قصیدۂ سلامیہ میں بھی معراج کا ذکر موجود ہے:

شبِ اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود — نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود — فرش کی طیب نزہت پہ لاکھوں سلام
ماہ لاہوت خلوت پہ لاکھوں درود — شاہ ناسوت جلوت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم دنیٰ ھُو میں گم کُن انا — شرحِ متن ہویّت پہ لاکھوں سلام
معنئ قد رَاٰی مقصد ما طغٰی — نرگسِ باغ قدرت پہ لاکھوں سلام(۱۶۹)

احمد رضاؔ خان کا قصیدۂ معراجیہ بلاشبہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس قصیدے کا عنوان "در تہنیتِ شادی اسرا" ہے۔ مطلع سے ہی قاری کا ذہن اس فضا کے لیے تیار ہو جاتا ہے کہ بزمِ رسالت کے ایک انوکھے باب کا تذکرہ ہونے کو ہے:

وہ سرورِ کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہماں کے لیے تھے(۱۷۰)

شاعر نے آغاز سفر، اہتمامِ وصال، مسجد اقصیٰ میں امامت، معراجِ آسمانی کے سفر اور دنیٰ تدلیٰ کے سلسلوں کا ذکر جس شعریت سے کیا وہ علم و معرفت سے مملو ہے۔ وہ حوالے جو انسانی زباں سے ادا ہونا محال ہیں۔ انہیں رضا ایک عالمِ وجد میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور قاری کا گیان ان کے حرف حرف سے مہمیز ہوتا ہے۔

ڈاکٹر اسحاق قریشی لکھتے ہیں:

"فاضل بریلوی کا قصیدۂ معراج سڑسٹھ (٦٧) اشعار کا مرقع ہے۔ اس میں واقعاتِ معراج کا ذکر ترتیبِ وقوع کے ساتھ کیا گیا مکہ مکرمہ سے 'اوادنیٰ' کی منزل تک مولانا کا فکر اپنی تنگ دامنی کے باوجود محوِ پرواز ہے۔ جزئیات کا تذکرہ بھی ہے اور دیدۂ مشتاق کی آسمان گیری کا ذکر بھی۔ ایک واقعہ واردات کی صورت لفظ و معنی کو محیط ہو گیا ہے۔ رواں دواں بحر، دل پر دستک دینے والے مرکبات اور مشکل تر موضوع کو دل نشیں کر دینے والا اسلوب، پورا قصیدہ غالب کے مصرع کی طرح ؏ لباس نظم میں بالیدن مضمونِ عالی ہے۔"(۱۷۱)

بعض اوقات مولانا احمد رضا خان کی شاعری میں قرآن و حدیث، منطق و ریاضی، ہیئت و نجوم، ہندسہ و مابعد الطبیعیات کے حوالے کلام کو اس قدر ادق بنا دیتے ہیں کہ ایک عام قاری کی ذہنی سطح معانی تک رسائی نہیں پا سکتی۔ مگر قصیدۂ معراجیہ میں یہ لوازم تخلیقی عمل میں بڑی سہولت سے جاگزیں ہو گئے ہیں۔ تخیل کی قوتِ پرواز شاعر کی عقیدت سے ہم آہنگ ہو کر ایک روحانی کیف اور سرشاری پیدا کر دیتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

رات کی پُر نور کیفیت:

نہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے (۱۷۲)

مظاہرِ کائنات کی خوشی کا عالم:

نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے (۱۷۳)

براق کا عالم:

عجب نہ تھا رخش کا چمکنا غزالِ دم خوردہ سا بھڑکنا
شعاعیں بکے اڑا رہی تھیں تڑپتے آنکھوں پہ صاعقے تھے (۱۷۴)

مسجدِ اقصیٰ تک رسائی:

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سِرّ عیاں معنیِ اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے (۱۷۵)

سفر آسمانی کے بیان میں رضاؔ نے سحر بیانی کی مثال قائم کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا دبدبہ،

نجوم و افلاک کی کیفیت، جوشِ نُور کا اثر، ظلِ رحمت کا اثر۔۔۔ غرض ایک ایسے عالم کا بیان ہے جس کا تصورِ انسانی میں سمٹنا محال ہے۔

بڑھا یہ لہرا کے بحر وحدت کہ دُھل گیا نامِ ریگِ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے
چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے(۱۷۶)

یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمھاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے
تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے(۱۷۷)

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے(۱۷۸)

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے(۱۷۹)

نمازوں کے تحفے، جنت کی سیر کا ذکر بھی بلیغ اشارات و رموز کے ساتھ کیا ہے۔ دعا و طلب پر قصیدے کا اختتام ہوتا ہے۔

حسن رضاؔ خان کے دیوان ''ذوقِ نعت'' میں ایک مسدس ''تمہیدِ ذکرِ معراج شریف'' کے عنوان سے ہے۔ اس مسدس میں معراج کی تفاصیل و جزئیات نہیں صرف شبِ معراج کی کیفیت کے متعلق شاعر کا تخیلاتی اظہار ہے جیسا کہ وہ خود اظہار کرتے ہیں:

فکر و خیال نور کے سانچوں میں ڈھل چلیں
مضموں فرازِ عرش سے اونچے نکل چلیں(۱۸۰)

شاعر تعلّی کے ساتھ معراج کا بیان چاہتا ہے۔ فکرِ بلند سے نئی نئی تشبیہات تلاش کرتا ہے۔ رات کا عالم طرح طرح سے واضح کرتا ہے۔ زمین و آسمان پر مظاہر فطرت کسی نئی کیفیت میں ہیں جسے بیان کرتے کرتے شاعر اصل واقعے کی طرف رجوع کرتا ہے:

نیسانِ جُودِ ربّ گہر افشانیوں میں ہے　　ہر سمت سے بہار نواخوانیوں میں ہے
غُل آمدِ حضور کا روحانیوں میں ہے　　چشمِ کلیم جلوے کے قربانیوں میں ہے

اک دھوم ہے حبیب کو مہماں بلاتے ہیں
بہر بُراق خُلد کو جبرئیل جاتے ہیں(۱۸۱)

سیّد صادق حسین غبار دہلوی نے قصائد میں جابجا معراج کا بیان کیا ہے۔ پہلا قصیدہ ۱۴۰/ اشعار پر مشتمل ہے۔ مطلع ثانی میں معراج کے عنوان سے مختصراً اشعار کہے ہیں۔ قطعہ کا آغاز یوں ہوتا ہے:

یہی ہیں شہسوارِ قُربِ سبحان الذی اسریٰ
انھیں کو رُتبہ بخشا حق نے معراجِ حقیقت کا(۱۸۲)

دوسرا قصیدہ ۱۹۳/ اشعار پر مشتمل ہے۔ اسے قصیدۂ معراجیہ کہنا بجا ہے۔ ''مطلعِ ثالث در معراج'' کے عنوان سے معراج کا احوال تفصیلاً بیان کیا ہے۔ شبِ معراج کی فضیلت بیان کی ہے۔ پھر جبرئیل اُم ہانی کے گھر حاضر ہو کر مژدۂ وصال سناتے ہیں۔ اس مکالمے کی ایک مثال دیکھیے:

قدرِ منظور سوا اس سے نہیں ہو سکتی
عینِ ذات آج ہوئی محو تماشائے نظر
آج کُنہِ جبروتی کے اٹھیں گے پردے
آج خود پردہ درِ ذات ہوا پردۂ در(۱۸۳)

مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کے واقعات، مسجدِ اقصیٰ میں توقف اور نماز، یکے بعد دیگرے آسمانوں کی سیر سے متعلق معروف تفصیلات میں سے بیشتر بیان کی ہیں۔ مقامِ سدرہ سے آگے تنہا سفر کے متعلق لکھتے ہیں:

واں سے دریائے جلالِ احدیت میں گرے
لے گئیں موجیں کہاں اس کی بھلا کس کو خبر
معنوی قُربِ جلالِ احدی تک پہنچے
قاب قوسین سے تھا فاصلہ بیشک کمتر(۱۸۴)

شاعر نے معراج سے متعلق مباحث کو بھی نظم کیا ہے جو اثنا عشری عقیدے کے مظہر ہیں۔ یہ مباحث ''ندائے غیب'' اور ''یداللہ'' سے متعلق ہیں۔ قصیدے کا اختتام دُعا و طلب پر ہے۔ شاعر خدا سے اُمت مسلمہ کی بحالی اور میر عثمان علی شاہِ دکن کے دولت و صحت و اقبال کی دعا مانگتا ہے۔

ایک اور طویل قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے:

بیاضِ صبحِ آرامِ وطن کی جب جھلک پائی
سوادِ شامِ غربت کی وہیں کالی گھٹا چھائی(۱۸۵)

اِس قصیدے میں عالمِ ارواح کے ذکر آپ ﷺ کے مقامِ اعلیٰ کے بیان اور آپ ﷺ کی بعثت کے ذکر کے بعد "مطلعِ خامس در معراجُ کے عنوان سے معراج کے احوال بیان کیے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:

عروجِ عرشیاں پست آپؐ کے اوجِ تقرّب سے
کوئی حد ہے کہاں پہنچے کہاں کی مسند آرائی(۱۸۶)

وہاں پہنچے نہ پہنچا وہمِ جبریلِ امیں جس جا
وہاں بیٹھے جہاں تھا پردۂ اسرارِ یکتائی
قِدم کا تھا جہاں جلوہ وہیں جلوہ تھا حادث کا
حقیقت میں ہوئی تھی ممکن وواجب کی یکجائی(۱۸۷)

ایک اور نعتیہ قصیدے کے مطلع ثانی میں معراج کے عنوان پر قطع بند اشعار کہے ہیں یہاں تفصیلات قدرے کم ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو:

سرگرمِ اہتمام ہیں کروبیانِ عرش
ہلچل پڑی ہے چرخِ بریں کے حصار میں
قدسی ہیں صف بہ صف ادب و قاعدہ کے ساتھ
آنکھیں بچھا رہے ہیں ملک راہگزار میں
دیکھو کھُلا وہ راز حجاب نگاہ کا
اندازۂ خیال ہے اب کس شمار میں(۱۸۸)

غبارؔ کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ ۲۵۶/ اشعار پر مشتمل ہے۔ تشبیب اور مدح کے علاوہ "قطعہ در معجزہ" میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔ اس کے بعد "مطلع در معراج" میں بھی شبِ معراج کی کیفیت، براق کا حلیہ، عرش کی تزئین، قاب قوسین کی قربت پر تفصیل سے لکھا ہے:

مقام قدس میں کس شان سے استادہ ہیں حضرت
نظر ہے مستقل ، دل مطمئن ، لیکن جھکا ہے سر
قِدم کے سامنے حادث خدا کے سامنے بندہ

نیاز و راز کی صحبت ، طلب بہتر ، عطا برتر(۱۸۹)

یہاں بھی شاعر اپنے عقائد کے اظہار کے لیے سوال اُٹھاتا ہے:

خدا کے واسطے سنیے تو آتی ہے صدا کس کی
یہ کس کا ہاتھ نکلا پردۂ تقدیس سے باہر
کہاں یہ پردۂ وحدت کہاں سرکردۂ کثرت
خدا کی شان میں بندہ شریک آتا نہیں باور(۱۹۰)

پھر اس کے جواب میں شاعر اثنا عشری عقائد کی تصریح کرتا ہے۔ آخر میں شاعر نے نظام الملک آصف جاہ کے لیے دعا کی ہے۔

اثرؔ بدایونی نے ''معراج حضور'' کے نام سے خمسہ لکھا ہے۔ جو مولانا احمد رضاؔخان کے قصیدۂ معراجیہ پر تضمین ہے۔ تضمین کا فن اس قدر آسان نہیں۔ خصوصاً ایک منفرد رنگِ سخن کے حامل شاعر کے قصیدۂ معراجیہ سے اپنی قوتِ تخیل کو ہم آہنگ کرنا اور ایک تخلیقی تجربے کی بازیافت کی سعی کرنا، ایک مشکل امر ہے۔ کئی شعرا نے اس پر طبع آزمائی کی ہے۔ اثرؔ بدایونی کے معراجِ حضور سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

وہی ضیائیں ہیں پرتو افگن وہی تجلی ہے شمع مسکن
اسی سے ہیں مہر و ماہ روشن اسی سے حوروں کی چمکے جوبن
وہ آب نور و ضیا کا مخزن یہ لے گئے بھر کے جیب و دامن
''بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اترن وہ پھول گلزارِ نور کے تھے(۱۹۱)

سمجھ میں آئے یہ بھید کیونکر کہ ہے قیاس خرد سے باہر
نہ کھائے کیوں مرغِ عقل چکر کہ ہے یہاں عقلِ کُل بھی ششدر
جو تھے اولیٰ الاجنحہ موقر وہ پہلے ہی گر چکے تھے تھک کر
''قوی تھے مرغانِ وہم کے پر ، اُڑے تو اڑنے کو اور دم بھر
اُٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خونِ اندیشہ تھوکتے تھے(۱۹۲)

سیّد علی حیدر نظمؔ طباطبائی کے قصائد آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارکہ کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ جو اُمتِ مسلمہ کے ذوقِ عمل کو بیدار کریں۔ نظمؔ نے غزوات کے بیان پر زیادہ زورِ قلم صرف کیا ہے۔ ایک قصیدے کا عنوان ''قصیدۂ معراج'' ہے۔ قصیدہ کی زمین اور تشبیب سے نظمؔ

کے لکھنوی مزاج کی تکلف پسندی عیاں ہے۔

ہے ابر یا دیو سہ سرشار و مست و خشمگیں
خنداں رُخ و گریاں مژہ روشن دل و تیرہ جبیں(۱۹۳)

نادر تراکیب و مرکبات اور مفرّس فضا بھی روانی کلام میں حائل نہیں ہوتی اسی لہک میں ابر کا اندازِ جنوں اور موسم گُل کی فتنہ زائی آشکارا ہوتی جاتی ہے اور پھر شاعر گریز اور مدح کی طرف کرتا ہے:

کہتی ہے شاخِ نارون ہے وقت دور ساتگیں
اے زند بافان چمن! ہاں کوئی صوتِ دلنشیں
یاد آ گئی مجھ کو شبِ معراج ختم المرسلیں
تفسیر سبحان الذی اسریٰ سنیں اہل یقیں
اک دم میں جا کر عرش پر پھر آئے شاہِ بحر و بر
حیران ہے عقلِ بشر ششدر ہے فکر نکتہ چیں
پہنچا شہ والا مکاں اک آن میں تا لامکاں
حائل زماں ہو یا مکاں اس نور کے ممکن نہیں
تفصیل اس جمال کی مجھ سے سنے گر فلسفی
ایک آن کی تقسیم میں گزریں گے ایام و سنیں(۱۹۴)

نظّم قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اپنے کلام کو انھی حوالوں سے پیش کرتے ہیں۔ سفر معراج کے مراحل کو بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ رونگی سفر مسجد اقصیٰ میں امامت، شیر و شراب کے پیالوں میں سے دودھ کا پیالہ انتخاب کرنے کا ذکر ایک ایک شعر میں کیا ہے۔ جنت کی سیر کا بیان نہایت معرب و مفرس الفاظ و تراکیب سے کیا ہے۔ نجوم و سیارگان کی کیفیت بھی اسی اسلوب میں بیان ہوئی ہے:

چرخِ مقرنس سے بڑھے بام مکوکب پر چڑھے
نقشِ قدم پر آپؐ کے آنکھیں ستاروں نے ملیں
شعری تھا کلب آستاں اور نسر مرغ پرفشاں
دلو فلک اک آبپاش اور سنبلہ اک خوشہ چیں
طیوق تھا اک دیدباں بہرِ حصارِ آسماں
کف الخضیب اک مشعلہ دارِ رہِ سلطانِ دیں(۱۹۵)

چرخ اطلس کی طرف بذریعہ رفرف روانگی، رفرف کی رفتار کا عالم بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ معراج النبیؐ نبوت کے شرف کی وضاحت اور آپ ﷺ کے ختم المرسلیں ہونے کی دلیل ہے:

سیّد کا دل تھا آئینہ اور عکس وحی کبریا
جو حرف تھا بے صوت تھا جو بات تھی وہ دلنشیں
خلعت شفاعت کا ملا حسن رسالت کا صلہ
پایا خطاب اللہ سے حضرت نے ختم المرسلیں(۱۹۶)

عام معراجِ ناموں کے برعکس نظؔم کے اس معراجیہ قصیدے کا اختتام فکر انگیز نکات پر ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں سورۃ النجم کی ابتدائی آیات واقعہ معراج سے متعلق ہیں اس کے بعد کی آیات میں لات، منات اور عزیٰ کا ذکر آیا ہے۔ مشرکین کی ان نشانیوں کو آپ ﷺ کے ایما پر ڈھا دیا گیا تھا۔ قرآن بتاتا ہے کہ یہ محض ان کے باپ دادا کے رکھے ہوئے نام ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی دلیل نہیں اتاری، مشرکین کے یہ معبود انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ نظم طباطبائی نے معراجیہ قصیدے میں معراج کے بیان کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ ختم المرسلیں حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے پہلے دنیا سے انسان پرستی کا مرض دُور نہ ہوا تھا۔ ہزاروں انبیا نے کوششیں کیں۔ حتیٰ کہ عیسیٰ کی قوم نے بھی انہیں خدا اور خدا کا جانشیں سمجھا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کے طفیل لوگوں نے انسانوں کو خدا بنانا چھوڑ دیا۔ مشرکین اگرچہ ایمان نہ بھی لائیں انھیں اپنے اس عمل پر دلوں میں شرمندگی تھی۔ آپ ﷺ کی بدولت مشرق و مغرب میں اللہ اکبر کی صدا گونجی شاعر واضح کرنا چاہتا ہے کہ معراج النبیؐ کا مقصد آپ ﷺ کے ہر اختصاص کو معروف کرنا تھا:

یہ معنیٔ ما و دعک یہ رہگرائے فاستقم
مقصودِ امر کن فکاں محبوب رب العالمیں
حق سے تقرب کے لیے تخصیص کیا ہے عرش کی
جلوہ ہے اس کا ہر جگہ موجود ہے وہ ہر کہیں
لیکن یہ مقصود اس سے تھا سب جان لیں پہچان لیں
ہیں مصطفیٰ کونین میں اللہ کے عبدِ گزیں(۱۹۷)

ایک اور نعتیہ قصیدے میں نظؔم نے معراج کی طرف یوں اشارہ کیا ہے، اس زمین میں کئی شعرا نے قصائد کیے ہیں:

تری رفتار میں بیشک ہے اعجازِ مسیحائی
ہما بن کر فلک پر اڑ گیا سایہ ترے قد کا

براق تیز تگ جب طارق افلاک سے گزرا
تو مثلِ گرد رنگ اڑنے لگا چرخ زبر جد کا
تجھے معراج کی رفعت ہے عرش خاک پر حاصل
سریر عرش اعلیٰ متکا ہے تیری مسند کا(۱۹۸)

مولانا ظفر علی خان کی شاعری اسلامی اور قومی و ملّی موضوعات سے عبارت ہے۔ عصری سیاست پر بھی انہوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ مولانا ظفر علی خان بھی اس نعتیہ روایت کے بانیوں میں سے ہیں۔ جس کے تحت نعت کو بحضور سرورِ کائنات استغاثہ و امداد کی صورت پیش کیا گیا۔ ظفر علی خان کی شاعری میں اسوۂ حسنہ اور عقیدۂ ختم نبوت کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ عشقِ رسولؐ اور عقیدت و وارفتگی مولانا کی علمیت اور جوش سے مل کر ایک جاندار تاثر قائم کرتی ہے۔ ان کے مجموعہ کلام میں ایک نظم "شبِ معراج" کے عنوان سے ہے جس میں شبِ معراج کا عالم اور واقعۂ معراج میں انسانیت کے لیے مضمر پیغام کا اختصار سے ذکر کیا گیا ہے:

عشق مہمان ہوا حسن کے گھر آج کی رات
جذبۂ دل ہے بآغوش اثر آج کی رات

اُٹھ گیا چہرۂ ہستی سے نقاب اسرار
لائی ہے رازِ امانت کی خبر آج کی رات
مل گئی دونوں جہانوں کے خزانوں کے کلید
اپنے معراج کو پہنچا ہے بشر آج کی رات(۱۹۹)

جلیؔل مانک پوری نے "ترجیع بند شبِ معراج" کے عنوان سے معراج نامہ لکھا جو ۱۷ بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند کے آخر میں قدسی کا شعر ہے۔ کلام میں سادگی و سلاست ہے۔ جس کی بنیاد خلوص اور عقیدت پر ہے۔ شبِ معراج میں انوار و رحمت کے جلوے، قدسیوں کی کیفیات، زمین و آسمان پر عالمِ نشاط، حور و ملائک کی آپ ﷺ کے استقبال کے لیے تیاریاں، آپ ﷺ کی پُر شوکت سواری اور پُرنور سراپا کا ذکر ہے۔ مسجد اقصیٰ سے آگے آسمانوں سے ہوتے ہوئے سدرہ تلک پہنچے۔ یہاں سے آگے عرش اعظم کی طرف تنہا روانہ ہوئے۔ جہاں التفات ایزدی کے حقدار ہوئے۔ جلوۂ وحدت میسر ہوا۔ تاجِ شفاعت عنایت ہوا، آپ ﷺ قاب قوسین کی قربت اور حدِ دنیٰ تک پہنچے یہ مقام آپ ﷺ کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوا۔ شاعر کہتا ہے:

یہ وہ جا ہے کہ رسائی سے گماں قاصر ہے فہم عاجز ہے یہاں عقلِ بشر فاتر ہے

وہی منظور ہے اس وقت وہی ناظر ہے　　وہی شاہد وہی مشہود عجب یہ سِر ہے
کوئی اس رازِ نہانی سے کہاں باہر ہے　　خوب موقع سے گہر ریز لبِ شاعر ہے
مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربی　　دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی(۲۰۰)

آخر میں شاعر نے دُعا و طلب پر اختتام کیا ہے۔ خلیل کے مجموعہ ''معراجِ سخن'' میں ''رباعیاتِ معراج'' کے عنوان سے رباعیات بھی دی گئی ہیں۔

عصرِ جدید کے ادب میں کئی علما و صوفیا کی تخلیقات بھی اہمیت رکھتی ہیں۔ جن میں ان حضرات کے افتادِ طبع کے موافق عالمانہ یا صوفیانہ جھلک پائی جاتی ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ باصفات کا ذکر عالمانہ ادراک اور والہانہ عقیدت کے ساتھ ملتا ہے۔ ان کے کلام میں معراج کا ذکر بھی ایک وقار اور علو و شوکت کے ساتھ موجود ہے۔ مثلاً مولانا محمد قاسم نانوتوی کے قصیدہ کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

کہاں وہ رتبہ کہاں عقلِ نارسا اپنی
کہاں وہ نورِ خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار
جہاں کہ جلتے ہوں پر عقل کل کے بھی پھر کیا
لگی ہے جان جو پہنچیں وہاں مرے افکار(۲۰۱)

خدا کے طالبِ دیدار حضرتِ موسیٰ
تمھارا لیجئے خدا آپ طالبِ دیدار
کہاں بلندیِ طور اور کہاں تیری معراج
کہیں ہوئے ہیں زمین آسمان بھی ہموار(۲۰۲)

مگر جہاں ہو فلک آستاں سے بھی نیچا
وہاں ہو قاسم بے بال و پر کا کیونکہ گزار
نہ جبرئیل کے پر ہیں نہ ہے براق کوئی
جو اڑ کے در تئیں پہنچوں تمھارے یا ہو سوار(۲۰۳)

اکبر وارثی کی زیادہ شہرت ''میلادِ اکبر'' کے باعث ہے۔ ان کے دواوین میں بھی معراجیہ کلام جا بجا ملتا ہے۔ لیکن ان کے ہاں مراحلِ معراج کا روایتی بیان ہے۔ تشبیہات و استعارات کی سطح بھی بہت زیادہ بلند نہیں۔ کلامِ اکبر سے معراجیہ کلام کے چند مطلع ذیل میں دیے گئے ہیں:

محبوب چلا عرش کو جس دمِ شبِ معراج
تھے نور علی نور دو عالم شب معراج(۲۰۴)

کیوں نہ معراج میں ہو دھوم بڑی آج کی رات
بن کے رَو رحمتِ حق ٹوٹ پڑی آج کی رات(۲۰۵)

الٰہی کون یاں مہماں ہے آج
کہ جبریلِ امیں دربان ہے آج

بنی ہر شے مہِ وہاج ہے آج
محمد کی شبِ معراج ہے آج(۲۰۶)

جشن معراج کا مبارک ہو
وصلِ ذاتِ خدا مبارک ہو(۲۰۷)

عصرِ جدید کے آخر میں جہاں شعری و ادبی مضامین خاطر خواہ تبدیلیاں ملتی ہیں وہاں فکرِ نو کا پر تو معراجیہ شاعری میں بھی دِکھائی دیتا ہے۔ اس عہد کی تخلیقات میں شعرا فقط عقیدت و وارفتگی کا علم اُٹھائے دِکھائی نہیں دیتے بلکہ شریعت کی پاسداری اور قرآن و حدیث کی صداقت کو نبھانے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ اِسلامی تاریخ سے حقائق کو برآمد کر کے شعرا نے عصری شعور کا سہارا لیتے ہوئے۔ فکر و تخیل کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر لیا جس سے نعتیہ مضامین کا اظہار محض وجد آفریں نہ رہا بلکہ مذہبی واقعات کے جو عوامل و عواقب سماجی زندگی پر مرتب ہونے چاہئیں ان کا شعور پیدا ہونے لگا۔ ان شعرا میں اقبال سہیل کا نام بہت نمایاں ہے۔ سہیل کے فکر و فن نے موضوعات کو وسیع تناظر میں اجاگر کیا ہے۔ معراج کے مضمون کو بھی سہیلؔ نے شوکت و علمیت سے مزیّن کیا ہے۔ واقعات کے بیان میں ان کا انداز محتاط اور فنکارانہ ہے۔ ان کا تخیل حقائق کی چار دیواری میں گلکاریاں دِکھاتا ہے اور مبالغہ طرازی سے دامن بچائے رکھتا ہے۔ سہیلؔ کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ جس کا مطلع ہے:

کرے تارِ شعاعی لاکھ اپنی سعی امکانی
رفو ہوتا نہیں اب صبح کا چاک گریبانی

اس قصیدے میں ''معراج'' کے عنوان سے واقعاتِ معراج کو بالترتیب اختصار سے بیان

کیا ہے لیکن یہ بیان محض رسمی اور روایتی نہیں بلکہ عالمانہ طرز پر ہے۔ بیانِ معراج کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

شہنشاہِ سریرِ قاب قوسین احمد مرسل
شبِ اسریٰ میں جس کا فرشِ رہ تھا کاخِ کیوانی (۲۰۸)

ستائیس رجب کی شب کو اُم ہانیؓ کے گھر سے جبر ئیلؑ کے ہمراہ بذریعہ براق روانگی کا ذکر ہے۔ مسجد اقصیٰ سے آگے آسمانوں کی طرف پرواز کا ذکر نادر تشبیہات سے کیا ہے۔ ملائک اور رُسل کے استقبال اور تہنیت خوانی کا ذکر کرنے کے بعد جنت و دوزخ کے مشاہدے کا ذکر یوں کرتے ہیں:

سرِ رہ ہر قدم پر ذوقِ نظارہ کی تسکیں کو
حقائق کا تراکم تھا مناظر کی فراوانی
کھلی آنکھوں سے دیکھا محرمِ سرِّ حقیقت نے
جزائے محسن وقانت ، سزائے مذنب وجانی
نظر سے عالمِ ناسُوت کے سارے حجاب اُٹھے
برائے العین کی سیر بہارستانِ رضوانی (۲۰۹)

شاعر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جنت میں آپ ﷺ نے رُمیصہ، زوجۂ بو طلحہؓ کو دیکھا، حضرت بلالؓ کی صدائے خرام سنی، حضرت عمرؓ کا بلند و پُر شکوہ قصرِ لاثانی دیکھا، جوارِ عرش میں صدیقِ اکبرؓ کو دیکھا۔ واقعۂ معراج کے مآخذ میں ان روایات میں اختلاف موجود ہے۔ آپ ﷺ عجائبات کا مشاہدہ کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ براق و جبر ئیل سدرہ کی منزل پر رک گئے کہ یہ اقلیمِ امکانی کی انتہائی سرحد ہے۔ یہاں سے رفرف آپ ﷺ کو لے کر روانہ ہوا۔ سوادِ لامکاں تک رفرف بھی رُک گیا۔ آپ ﷺ نے خلوتِ خاص میں اپنی اُمت کو فراموش نہیں کیا ہر بندۂ صالح شریک لطفِ ربانی ہوا۔ قصیدے کا اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے:

ملا اس فیض کے صدقے میں بہرِ اُمتِ عاصی
نویدِ عفو فرمانِ کرم ، منشورِ غفرانی
بجز ذات مطہّریہ شرف کس کو ہوا حاصل
بجز صدیقِ اکبر یہ حقیقت کس نے پہچانی
خرد عاجز ، نظر خیرہ ، زباں کج مج ، بیاں قاصر
زمینِ نعت میں کیا دیجیے دادِ سخندانی (۲۱۰)

اس عہد میں عزیز لکھنوی نے نعتیہ قصائد کی روایت کو آگے بڑھایا اُن کے ہاں قصیدے کی

فضا ایک نیا رنگ رکھتی ہے۔ قصائد کے جو عنوانات متعین کیے گئے ہیں۔ انھی کے موافق بہاریہ یا متغزلیہ تشبیب کہی ہے۔ ایک قصیدے کا عنوان ''معراجیہ در مذاق تغزل و نعت ہادیٔ سبل حضرت ختم الرسل'' ہے۔ اس کے علاوہ دیگر قصائد میں بھی معراج کا ذکر شامل ہے۔ ایک بہاریہ قصیدے میں نعت کہنے کا انوکھا انداز اپنایا ہے۔ حُسن اور عشق کے مکالمے کی صورت میں نکتہ پروری دِکھائی ہے۔ خود عزیز کے بقول ''ہر اک مضموں ہے الہامی، ہر اک مصرع ہے القائی'' حسن سے سوال و جواب کے دوران عشق کا یہ مکالمہ دیکھیے:

قبا بیونتی ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کی
کسی نے دیکھ کر اس قامتِ زیبا کی رعنائی
یہ مانا میں نے بامِ قاب قوسین آپ کی منزل
یہ مانا عرش کی ہے آپ ہی سے عزت افزائی
دلِ زخمی کو مرے آپ اچھا کر نہیں سکتے
کریں گے جا کے خرق و التیام چرخِ مینائی
براق نفس میرا آپ کے رفرف سے اچھا ہے
فضائے لامکاں ہے تنگ بہرِ جادہ فرسائی
کہاں دل اور کہاں اللہ اکبر مسجد الاقصیٰ
گھر اپنا ترک کر کے وہ عمارت کیوں پسند آئی
پسند طبع نظارہ ہوا چشمِ ثوابت کا
کہیں زائد ہے جس سے میرے چشمِ دل کی بینائی
وہاں تو دوشِ نازک کو چھوا دستِ تمنا نے
یہاں ہوتی نہیں ہم سے گوارا تم کو یکجائی (۲۱۱)

حُسن عشق سے کہتا ہے اے تمنائی! ہم تجھے بھی ملیں گے لیکن اے بیخود تجھے تو رات دن ذوقِ دشت پیمائی ہے۔ مجھے بتا تیری منزل کہاں ہے۔ عشق جواب دیتا ہے:

کہا یہ عشق نے منزل مری ہے قلبِ حیدر میں
وہیں کرتا ہوں سیر عالمِ توحید و یکتائی
شبِ معراج اتنی دُور جس کے پاس جاؤ گے
ہمیشہ سے مری منزل میں ہے وہ مست رعنائی
ملو گے جس سے جا کر تم منازل اتنی طے کر کے
شب و روز اس سے مجھ سے رہتی ہے اس گھر میں یکجائی

نہ فصلِ دو کماں ہے اور نہ اتنی پردہ داری ہے
اُسی کی جنبشِ ابرو کا تنہا ہوں تماشائی (۲۱۲)

قصیدہ ''نورِ ہدایت'' میں سیّد المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت و رحمت اور شہنشاہیِ کونین کا تذکرہ معراج کے حوالے سے ان اشعار میں کیا ہے:

کسے زیبندہ ہے کون و مکاں کی مسند آرائی
محمد رحمۃ اللخلق آقائی و مولائی

یہ سبحان الذی اسری بعبدہ سے ہوا ظاہر
کہ تھی منظورِ حق کس درجہ ان کی عزت افزائی

ہوا کرتی تھیں باتیں راز کی پردے ہی پردے میں
خدا تھا ان کا شیدا اور خدا کے یہ تھے شیدائی (۲۱۳)

قصیدہ ''شمعِ رسالت'' میں بھی عروس مضامین کی آراستگی ذکرِ معراج سے کی ہے۔ اللہ کی اپنے حبیب ﷺ کے لیے محبت اور رسول اللہ کا جذب و عشقِ الٰہی بالآخر معراج پر منتج ہوا۔ تشبیب میں بھی حسن و عشق کے انجذاب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پھر معراج کی مثال دیتے ہیں۔

قیامت کی کشش رہتی ہے حسن و عشق میں باہم
اک آفت کا تعلق عشق کو ہے حسنِ زیبا سے

شبِ معراج کس خلوت میں محبوبِ خدا پہنچے
یہ جذبِ عشق تھا جس نے ملایا حسن یکتا سے

حبیب کبریا جب پردہ اسرار تک پہنچے
جدائی دو کماں یا کم کی تھی کچھ حق تعالیٰ سے

نثار اس جذبۂ بے اختیارِ شوق پر ہر دل
پلٹ کر ایک دم میں آ گئے ہیں عرش اعلا سے (۲۱۴)

قصیدہ بعنوان ''معراجیہ'' کی تشبیب متغزلانہ ہے، عزیز نے مکالماتی انداز سے ایک سماں باندھ دیا ہے۔ تشبیب اوّل میں عشق کی بے خودی، لذت وصل کی خمیازہ کشی، سر گشتگی و سراسیمگی، دل سوزی، عالمِ فرقت اور حسن کی شوخی، ستم پروری، اشارات و کنایات کو سوال و جواب میں بیان کیا ہے۔ پھر اس کا ذکر شبِ معراج سے جا ملتا ہے:

میں نے یہ کہا وصل تو ثابت ہے مری جاں
کیا بھول گئے تم شبِ معراج کے حالات

فرمایا کہ ابرو تھے وہاں بھی تو کشیدہ
تھے دونوں کمانوں میں جدائی کے اشارات
میں نے یہ کہا ہاتھ سرِ دوش تھا کس کا
فرمایا نہ پوچھ اس کو وہ تھی اور ہی اک بات
میں نے کہا فرمایئے خلوت میں ہوا کیا
فرمایا یہ ہیں راز نہ کر ایسے سوالات (۲۱۵)

مطلعِ ثانی کے بعد پھر مراحلِ معراج کی جانب بلیغ اشارے ہیں جن سے محمد مصطفیٰ ﷺ کی منزلت مترشح ہے کہ آپ ﷺ شرفِ عالم و آدم ہیں۔ چشمِ حقیقت نگر کے حامل ہیں۔ جلی و خفی راز آپ ﷺ پر ہویدہ ہیں۔ شاعر کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کی ہر بات وحی ہے اور آپ ﷺ کا نور مظہرِ ارضیت و سماوات ہے۔ قصیدے کے اختتامی حصے سے مثال ملاحظہ ہو:

تو شارح آیات کتاب فتدلیٰ
خلوت کدۂ حسن کی ہمراز تری ذات
اللہ رے شوخی تری اک چشم زدن میں
طے تو نے کیے ہیں حجبِ عرش و سماوات

ہے قصد بناؤں گا الگ عرشِ محبت
کرتا ہوں بہم جمع تری راہ کے ذرّات
کرتا ہوں ترے نام پہ ختم اپنا قصیدہ
دورِ صلوات اب ہو کہ ہے جوش موالات
محمود د محمد ، شرفِ عالم و آدم
میر عرب و میر عجم سیّدِ سادات (۲۱۶)

حمید صدیقی کی شاعری ذاتی جذبات واحساسات پر مبنی ہے۔ جن میں بے پایاں عقیدت کا اظہار ہے۔ حضوری کے شوق اور حضوری کے عالم کو بیان کیا ہے۔ ایک نظم مثمن ”عرش پیمائی“ کے عنوان سے لکھی ہے۔ جسے معراج نامہ شمار کیا جاسکتا ہے۔ ہر بند کے آخر میں جامیؔ کا شعر شامل ہے۔ اُم ہانی کے گھر میں جبرئیلؑ کا پیامِ شوق لے کر آنا۔ بیت الحرام پہنچنا بذریعہ براق روانہ ہونا نہایت اختصار سے بیان ہوا ہے۔

وہ بیتِ اُم ہانی اللہ اللہ
وہ عینِ خواب و بیداریِ سامی
جنابِ جبرئیل اہلِ رسالت
وہی روح الامیں حق کے پیامی
پیامِ شوق لائے ہیں خدا کا
حضورِ سرورِ ذاتِ گرامی
عطا ہو جرأتِ عرضِ طلب آج
فرشتوں کو ہے شوقِ ہمکلامی

”بشوقت جاں بلب آمد تمامی
فقم قم یا حبیبی کم تنامی“(۲۱۷)

صباؔ اکبر آبادی کی نظم ”معراج رسول کریم“ ۱۹۳۶ء کی تخلیق ہے۔ یہاں شاعر نے مثنوی میں قصیدے کا سا شکوہ پیدا کیا ہے۔ آغاز میں شبِ معراج کے بیان کو باعثِ فضل و تعلّی قرار دیتے ہیں:

روشن نہ ہو کیوں سوادِ تحریر	چمکی ہے روشنائی کی تقدیر
معراجِ رسول کا بیاں ہے	الفاظ میں نزہتِ جناں ہے
خامے کا دماغ عرش پر ہے	رفعت کا چراغ فرش پر ہے(۲۱۸)

اس کے بعد شاعر مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر اپنی کم مائیگی کا ذکر کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ کریمہ بیان کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سردارِ جہاں، انیسِ عالم، مصلحِ آخریں، جلوۂ اوّلیں اور جہل و ظلمات کو دُور کرنے والے ہیں۔ عرش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گہوارۂ ناز اور سدرہ آپ کا مقامِ فرش ہے دو جہانوں کی سرداری پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی فقر و ایثار کا کامل نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے بعد معراج کا ذکر شروع ہوتا ہے:

اک رات وہ آفتابِ تاثیر	بیداریِ روح کی تھا تفسیر(۲۱۹)

اُس ”رشکِ ہزار روز“ رات کا عالم بیان کرنے کے بعد شاعر آگے بڑھتا ہے۔

اس وقت مشیتِ ازل نے	کچھ اور ہی کر لیے ارادے
وہ رات تھی اشتیاق انگیز	کچھ اور ہوئیں محبتیں تیز
جبرئیلؑ کو بھیج کر بلایا	آئینے سے آئینہ سجایا(۲۲۰)

براق کا ذکر یوں شروع کرتے ہیں:

اک شوق کا طمطراق تھا وہ　　کہنے کے لیے برّاق تھا وہ(۲۲۱)

یہ براق حضور ﷺ کی خواجگاہ سے فہمِ عالم کی حد تک یوں پہنچا جیسے چشم زدن میں نظر شیشے کے پار ہو جائے۔ فرشتے آپ ﷺ کے دیدار کو ہر گام پر حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے دوزِ جنت اور ساتوں آسمانوں کی سیر کے بعد وہ مقام پایا جہاں جبریل بھی عاجز رہے۔ کوئی حجاب مابین نہ رہا۔ صرف قاب قوسین کا فاصلہ تھا:

دیکھے کوئی انتہا علو کی　　بندے نے خدا سے گفتگو کی
کیا ناز و نیاز تھا نہ پوچھو　　افسانۂ راز تھا نہ پوچھو
بھولا نہ مگر خیالِ اُمت　　حاصل کیا منصبِ شفاعت
یوں عرش کو جگمگا کے آئے　　جس طرح خیال جا کے آئے
بستر میں حرارتیں وہی تھیں　　دروازے پر جنبشیں وہی تھیں(۲۲۲)

شاعر نے منکرِ معراج کو زندیق قرار دیا ہے۔ معراجِ رسول ﷺ نے بندے کو خدا سے آشنا کر دیا۔ اسلام کے حضور ﷺ کے اس بلند رتبے پہ ناز ہے آخر میں شاعر اپنے عشقِ نبی ﷺ کا اظہار اور خاتمہ بالخیر کی دعا کرتا ہے۔

مثنوی ”بیان حضور“ میں بہزاد لکھنوی نے ولادتِ با سعادت سے لے کر وفات تک، سیرتِ نبویؐ کے واقعات کو تاریخی شواہد کی روشنی میں منظوم کیا ہے۔ ”معراج حضور“ کے عنوان سے بھی چند اشعار قلمبند کیے ہیں۔ جن میں صرف معراج کے وقوع پذیر ہونے اور روایات میں اختلاف ہونے کا ذکر ہے۔ کوئی بھی فکری و فنی ندرت موجود نہیں۔ ابتدائی اور اختتامی اشعار ملاحظہ ہوں:

سورۃ اسریٰ کے الفاظِ محبت کوش سے
صاف ظاہر ہے خدا کی رحمتوں کے جوش سے
آپؐ کو خالق نے دی معراج عرش خاص پر
رحمتیں تھیں عام ، شب تھی رشکِ انوارِ سحر(۲۲۳)

الغرض جو کچھ بھی ہو معراج حاصل ہو گئی
حق کی اور محبوب کی اک گرم محفل ہو گئی(۲۲۴)

تقسیم کے بعد شاعری کا ابتدائی دور بالعموم انہی شعرا سے عبارت ہے جو تقسیم سے قبل اپنی واضح پہچان بنا چکے تھے۔ ان شعرا میں ضیاء القادری بدایونی کا نام بہت نمایاں ہے۔ انہوں نے غزل اور سلام کی ہیئت میں بھی معراجیہ شاعری کی ہے اور ایسی بیشتر تخلیقات میں مراحل معراج کے

بالترتیب بیان کے باعث انھیں معراج نامے کہا جا سکتا ہے۔ ان کا مجموعہ "نغمۂ ربّانی" دو مثنویوں ترانۂ ولادت اور ذکرِ معراج پر مبنی ہے۔ مثنوی "ذکرِ معراجِ صاحبِ بطحا" کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

زہے عز و علائے لیلۃ المعراج سلطانی
ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ نص قرآنی(۲۲۵)

شاعر نے زمانۂ معراج کے حالات بیان کیے ہیں کہ دین کا نور فضائے دہر میں چھا رہا تھا۔ بعثت کے تقریباً گیارہ برس بعد بھی عرب کے کچھ قبیلے جاہل، بت پرست اور منکرِ اعجازِ رسول تھے۔ ایسے میں اللہ نے خصوصی رحمت فرمائی۔ محبوبؐ کو عرش پر بلوایا کہ قدومِ پاک عرشِ بریں کے لیے باعثِ افزائے عزت ہوں۔۔۔ اس کے بعد عالمِ سماوات میں آمدِ رسولؐ کی تیاری کا بیان ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

ہوئی آئینہ بندی بیتِ معمورِ الٰہی کی
سوادِ شب میں چمکیں شمعیں نور صبحگاہی کی
مقامِ حمد پر مسند بچھی انوارِ وحدت کی
حریمِ قدس سے چلمن اُٹھی اسرار قدرت کی(۲۲۶)

حورانِ جنت اور ملائک کی آرائش و زینت سے آسمان تا زمیں تجلیات کا ایک سلسلہ تھا۔ طبقاتِ آسمان منور ہو چکے تو روح الامین کو حکم ہوا کہ محبوبِ خدا کو ملاقات کی بشارت دیں جبرئیل نے بصد آداب آپ ﷺ کو بیدار فرمایا۔ مقصد بیان کیا اور شقِ صدر کے بعد براق کی سواری پیشِ خدمت ہوئی۔ براق کے متعلق کہتے ہیں:

براق اک اصطلاحی لفظ ہے کہیے تو کیا کہیے
اسے قدرت کا برقی آلۂ پرواز یا کہیے
کیے انسان نے ایجاد برقی لاکھ طیارے
ہوئے طے قوتِ پرواز کے گو مرحلے سارے
مساعی قوتِ پرواز کے ہیں ناتمام ابتک
نہ انساں کر سکا سیر فلک کا انتظام اب تک
براقِ خلد جو زورِ یدللّٰہی کا پیکر تھا
زمین و آسمان کا فاصلہ اس کو قدم بھر تھا(۲۲۷)

کعبہ سے مسجد الاقصیٰ تک کے سفر کا بیان ہے۔ آپ نے انبیاء کی امامت فرمائی اور پھر براق

آپ ﷺ کو حدِ عالمِ امکاں سے آگے لے گیا۔ جبرئیل نے ابوابِ آسمانی یکے بعد دیگرے کھلوائے انبیاء سے ملاقات کرتے ہوئے پہلے فلک سے ساتویں فلک تک پہنچے۔ مقامِ سدرہ کے بعد آپ ﷺ بذریعہ رفرف خلوت سرائے عرش میں پہنچے:

ہوئیں ضو پاشیاں بے پردہ بزمِ عرش منزل سے
مقاماتِ تقرّب کے اُٹھے پردے مقابل سے
ہوا صرف نیاز و ناز جلوہ ذاتِ سرمد کا
مچا غُل ادن منی ادن منی یا محمد کا
بفرقِ دو کماں وہ حجلۂ قوسین تک پہنچے
ہوئے گم ذاتِ حق میں اپنے نصب العین تک پہنچے
خدا جانے ہوئیں باہم دِگر کیا راز کی باتیں
غرض سرِّ خدائے ذوالمنن تھیں یہ ملاقاتیں(۲۲۸)

ماہر القادری کی شاعری لادینیت اور غیر محتاط عقائد کے خلاف ایک مصلحانہ انداز رکھتی ہے۔ قرآن وحدیث اور اسوۂ حسنہ ان کے تخیل کے سرچشمے ہیں۔ رسولِ پاک ﷺ کی بعثت سے قبل کا مرقعِ زندگی اور پھر نورِ ہدایت سے ان ظلمات کا دُور ہو جانا یہ مضامین ماہر کے ہاں نمایاں ہیں۔ ''کلیاتِ ماہر'' میں معراج کے موضوع پر بھی منظومات ملتی ہیں۔ نظم ''معراج کی رات'' میں ہر شعر معراج کے کسی مرحلے کی طرف بلیغ اشارہ کرتا ہے۔ جزئیات کے ذکر کے بغیر جبرئیل کی آمد حرم سے روانگی براق کا سریع سفر، مسجدِ اقصیٰ میں توقف، مقامِ سدرہ سے آگے تنہا سفر، قاب قوسین کا قرب، نبیٔ رحمت کی اُمت کی شفاعت کے لیے درخواست، جنت کا مشاہدہ، چشمِ زدن میں زمین پر واپسی، سبھی مراحل کا بیان ہو گیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ایک ہی سطح پہ ہے مرتبۂ غیب و شہود
اُٹھ گئے سارے حجاباتِ حسیں آج کی رات

ہوش و ادراک کی تکمیل ہوئی جاتی ہے
اپنی معراج پہ ہے علم و یقیں آج کی رات
دَر کی زنجیر بھی جنبش میں ہے بستر بھی ہے گرم
رک گئی گردشِ افلاک و زمیں آج کی رات
او! کبھی ہم کو فراموش نہ کرنے والے
روحِ ماہرؔ بھی ہے موجود کہیں آج کی رات(۲۲۹)

ایک نظم "معراج" کے عنوان سے ہے جس میں حضور کے لیے ثمرات معراج کا ذکر ہے۔ اس عظیم الشان واقعے سے آپ ﷺ کی قدر و منزلت کس طور واضح ہوئی۔ لوح و قلم اور عرش و کرسی کے پردے بتدریج اُٹھائے گئے اور سربستہ راز آپ ﷺ پر کھل گئے، دامنِ نبوت نے نماز کا تحفہ وصول کیا۔ یہاں شاعر کے انداز میں تغزّل ہے:

وہ علم و یقیں ہوں کہ حسن و محبت
یہ سب ایک مرکز پہ لائے گئے ہیں
تجلّی کی شدت وہ جبروت و ہیبت
نظر اور دل آزمائے گئے ہیں
زمیں پر ہیں زیرِ قدم لالہ و گُل
فلک پر ستارے بچھائے گئے ہیں (۲۳۰)

ماؔہر کی ایک مثنوی "معراج النبی۔۔۔ اور ایک لمحۂ فکریہ" ان کے مجموعے "ساز و آہنگ" میں شامل ہے۔ جس کی فکری بنیاد تصورِ عظمتِ انسان پر ہے۔ انسان کی رسائی ثریا سے آگے عرشِ معلّی تک تھی۔ انجم و افلاک اس کے گردِ راہ تھے۔ کونین کی وسعتیں اس کی نظر میں تھیں۔ اس کے تصورِ بلند اور فکرِ رسا نے اسے خدا کی نیابت کا حق دار بنا دیا تھا۔ مگر اب حال کی ذلت سے ہراساں اور ماضی کی روایات سے دل کو بہلا رہا ہے۔ اس میں عالی حوصلگی اور ارتقائے فکر موجود نہیں۔ اب صرف ارتفاعِ مادیت اس کا ہدف ہے۔ اس کی امیدوں کا بسیرا مادی عشرت میں ہے۔ شاعر آخر میں انسان کی اس حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے خدا سے انسان کی مثبت ارتقا کا طلبگار ہے:

یہ بھٹکا جا رہا ہے راہِ عرفان و حقیقت سے
یہ ہوتا جا رہا ہے دُور اپنی فوضویّت سے
حکومت چاہتا ہے یہ فضائے بزمِ فانی پر
نہیں جاتی نظر اس کی حیاتِ جاودانی پر
ستارے جانتا ہے ذرّہ ہائے سوز دیدہ کو
بساطِ کہکشاں سمجھا ہے یہ خاکِ تپیدہ کو
یہ برقی قمقمے افلاک کی قندیل ہیں اس کو
یہ طیارے حریفِ شہپرِ جبریل ہیں اس کو
عروجِ مادّیت ہی اسے عرشِ الٰہی ہے
مسلسل خواب ہے اور لعنت پیچیدہ راہی ہے

نہیں اس کی ترقی کے لیے کوئی جہت باقی
کہ اب انسان میں مطلق نہیں انسانیت باقی
الٰہی ذہنِ روشن فطرتِ موّاج دے اس کو
حفیظِ محض سے پھر قوتِ معراج دے اس کو[۲۳۱]

سیّد شمس الحق شمس بخاری نے مثنوی "جمالِ محمد" میں حضور ﷺ کی تشریف آوری، خصائل و عادات اور جہاد و غزوات کے علاوہ معجزات کا ذکر بھی حزمِ و احتیاط سے کیا ہے۔ واقعۂ معراج کے بیان میں بھی قرآن و حدیث سے تجاوز نہیں کیا:

ہُوا رات کا اس لیے انتخاب — کہ ہے امرِ غیبی کو لازم حجاب
حرم سے چلے حضرتِ محترم — لیا جا کے اقصیٰ کی مسجد پہ دم
وہاں زیب پُر کنا ماحول تھا — وہ کہتا تھا گویا کہ صد مرحبا
کیا شانِ محبوب میں اہتمام — کہ دیکھے نشاناتِ رب انام
وہی تھا سمیع اور وہی تھا بصیر — یہ سمجھو کہ راجع کدھر ہے ضمیر
جو سرکار نے دیکھا جو کچھ سنا — خدا جانے یا پھر حبیب خدا[۲۳۲]

نذرؔ صابری نے ۱۹۴۲ء میں معراج نامہ لکھا جو ان کے زمانۂ طالب علمی کی یادگار ہے۔ نذر صابری مرحوم نے تقسیم کے بعد اپنے علمی و شعری سرمائے سے محرومی کے باوجود جو اس کے ۱۸۰/ اشعار حافظے کی مدد سے از سرِ نو ترتیب دیے۔ یہ معراج نامہ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں کے اشعار پر مشتمل ہے۔ شاعر کے بیان میں فکری کی بلندی اور تخیل کی قوت کارفرما ہے۔ معراج نامہ کے اشعار میں جو عقیدت، کیفیت اور جذبۂ عشق موجزن ہے اس نے لبادۂ فن کو رنگینی و رعنائی بخشی ہے۔ معراج نامے کا آغاز برّاق کی صفات کے بیان سے ہوتا ہے۔

ہُوا جاری اک شب پہ فرمانِ داور — کہ جبریلؑ چُن کر وہ راہوارِ انور
جو تسنیم و کوثر کا پالا ہوا ہو — لطافت کے سانچوں میں ڈھالا ہوا ہو
سبک پا، سمن پر، بدن صبحِ خنداں — مہک مثلِ نافہ تو قامت گلستاں

مزیّن، مرصّع، مکلّل، معنبر — بہر طور شایانِ شانِ پیمبر[۲۳۳]

روح الامین اسپ مذکور کو لیے ایک پل میں شہرِ مکہ آئے ادب کی شرائط ملحوظ رکھتے ہوئے آپ ﷺ کو بیدار کیا۔ آپ ﷺ نے طائرِ عرش پیما سے مدعا معلوم کیا۔ جبرئیلؑ نے عرض کی کہ فلک آراستہ ہیں۔ آپ کے استقبال کو اہلِ سماوات بیتاب ہیں۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے جشنِ تقریب

کے سوا ہر کارِ عالم معزول ہونے کو ہے۔ موج و دریا اور خورشید و انجم کی گردش رک جائے گی۔

سبھی صورتیں جذبی ، حِسی خیالی ۔۔۔ سبھی جنبشیں فاعلی ، انفعالی
سبھی حرکتیں اضطراری ، ارادی ۔۔۔ ادائیں سبھی سہوی ، فطری و عادی
جہانِ بشر کی ہیں سو جانے والی ۔۔۔ جمود و تعطّل میں کھو جانے والی(۲۳۴)

بزبانِ جبرئیلؑ شاعر نے وہ تمام عواقب بیان کر دیے ہیں۔ جو آپ ﷺ کے فلک رسا ہونے کے بعد درپیش ہوں گے۔ آپ ﷺ کو بتایا جارہا ہے کہ زمین و آسمان کی سب بہاریں خلوتِ لامکاں میں سمٹ جائیں گی۔ آپ ﷺ مشاہدۂ ذات کے ہنگام میں ماسوا سے نظر ہٹا لیں گے۔ زندگی کے سب آثار زمین سے غائب اور فلک سے ماورا موجود ہوں گے۔ اس عالم اور کیفیت کا بیان اس قدر رواں اور مترنم ہے، الفاظ و تراکیب کا چناؤ ایسا عمدہ ہے کہ طبع قاری بھی وجد میں آ جاتی ہے:

نہ شوقِ تجلی نہ وضع گریزی ۔۔۔ نہ قدرت ارادے کی ہنگامہ خیزی

سکوں خواب و سکتہ کی چنگیز کاری ۔۔۔ نہ چھوڑے گی کچھ فیض باد بہاری

نہ پرہیز یوسف نہ شوق زلیخا ۔۔۔ نہ سودائے مجنوں نہ غمگینِ لیلیٰ
نہ تولید و تعمیر کی کار سازی ۔۔۔ نہ تخریب و تحلیل کی ترکتازی
غرض کچھ عجب کیفیت آج ہو گی ۔۔۔ خدا کی کرامت کی معراج ہو گی(۲۳۵)

نذر صابری نے معراج نامے کی ابتدا ہی میں معراج النبی ﷺ کے ان حوالوں کو بیان کر دیا ہے کہ معراج سے خدا کا منشا یہ ہے کہ سِرّ تخلیق آشکار ہو۔ آپ ﷺ کے گنج نہاں کی نقاب اُٹھے، مقامِ قوسین تک آپ ﷺ کی رسائی ہو، کمال بشر کی انتہا معلوم ہو جائے۔ یہاں جبرئیل کی جانب سے خطاب میں عجب اندازِ انسیت ہے۔ پڑھنے والا اس کیفیت میں بھیگ بھیگ جاتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کمالِ بشر کی نہایت دکھا دو ۔۔۔ چھپا آب و گل میں ہے کیا کچھ؟ بتا دو

اُٹھو بھی ، اُٹھو بھی ، اُٹھو شاہِ والا ۔۔۔ دو عالم کی آنکھوں کا نور اور اجالا

مقامِ وداع و حجاب و قبا ہے ۔۔۔ کہ شوقِ خدا آج چہرہ کشا ہے

بھرو ناز سے دیدۂ اشکبار اب کھُلا چھوڑ دو رُوئے یزداں شکار اب (۲۳۶)

دوسرے حصے میں شاعر نے فارسی میں سراپائے حضور بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ بہ اہتمام روانگی کے لیے تیار ہوئے۔ آپ ﷺ کا جبرئیلؑ سے مکالمہ اور آپ ﷺ کے حسنِ بے مثال کا تذکرہ بھی فارسی میں ہے۔ اگلے حصے میں مثنوی کی بحر تبدیل ہو جاتی ہے۔ بطحا کے دولھا مرکب کی زین پر نشست افروز ہوئے۔ کعبہ و زمزم و بیت حرم سے صدائیں آئیں۔ آپ ﷺ شام کے نخلستانوں سے ہوتے ہوئے وادی ایمن و طور کے نزدیک پہنچے۔

آگ سلگتی بھڑکا دی بطحا کی ہوا نے ہر ذرے سے پھوٹ بہے ناسور پرانے
دُور سے جانے والے مگر پہچانتا ہوں میں درد بھری دھیمی سی صدا دی جانتا ہوں میں
کیا تو حضرت ابراہیم کی جان نہیں ہے؟ اسمٰعیل نبی کی عزّ و شان نہیں ہے؟

آوازیں:

وہی وہی ہے ، وہی وہی ہے
وہی وہی ہے ، وہی وہی ہے (۲۳۷)

یہ منظر کا تبدیل ہونا، پس منظر سے آوازوں کا اُبھرنا، معراج نامے کو ایک ڈرامائی انداز عطا کرتا ہے۔ آپؐ کوہِ طور کے قریب سے گزرے تو وہاں بھی ذرّات میں سرگوشیاں تھیں۔ اس نرالی شان وادا کو دیکھ کر وہ جان لیتے ہیں کہ یہ ضرور محبوبِ خدا ہیں۔۔۔ پھر آوازیں آتی ہیں:

وہی وہی ہے ، وہی وہی ہے
وہی وہی ہے ، وہی وہی ہے

آپؐ بیت اللحم کے راستے اقصیٰ کی جانب روانہ ہوئے۔ انبیا علیہم السلام کے انتظار اور تہنیت کا ذکر ہے۔ معراج نامہ کے آخر میں حُور کی زبانی تین نغمات شامل ہیں۔ بقول نذؔر صابری:

> ”معراج نامہ کے آخر میں نغمۂ حُور بہ معراج حضور، کے عنوان سے جن تین نغموں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ وہ بہت بعد کے ہیں۔ پہلے نغمے کو ابتہاجیہ سمجھیے، دوسرے کو استقبالیہ کا نام دے دیں، تیسرا نغمہ ایک حُور کی خود کلامی ہے جو شدتِ جذبات میں ڈوبی ہوئی ہے اور فلک کی منظر گاہوں سے رخصت ہوتے مہمانِ عزیز کی بے طرح زد میں ہے، وہ سارے قدسیوں کی نمائندہ ہے۔“ (۲۳۸)

نغمۂ اوّل فارسی میں ہے۔ نغمۂ دوم مستزاد کی ہیئت میں ہے ایک مثال ملاحظہ ہو:

تاراج کیا جس نے کبھی دامِ کلیمی وہ نورِ قدیمی
مانوس ہوا رنگِ تماشہ سے ترے آج اے صاحبِ معراج

نغمہ سوم میں حور کی زبانی وہ کیفیات و جذبات بیان ہوئے ہیں جو آپ ﷺ کی مراجعت کے ہنگام میں اہل سماوات پر طاری تھیں۔ شاعر کے حسنِ تخیل کی کرامات یہاں بھی بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ان کا قلم جذباتِ حوراں و ملائکہ کو زیبِ قرطاس کرنے کا اعتماد رکھتا ہے۔ نغمۂ سوم کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

مرکز کا سوئے قوس سفر کیسا لگے گا
دریا کا سوئے تشنہ گزر کیسا لگے گا
جو پہلی ہی منزل میں تھا مسجودِ ملائک
معراج کی شب کو وہ بشر کیسا لگے گا
افلاک کی یخ و بستہ و تاریک فضا میں
بجتا ہوا نغموں کا گجر کیسا لگے گا(۲۳۹)

نذرؔ صابری مرحوم نے معراج نامے میں تفہیم معراج النبیؐ کو درست تناظر میں پیش کیا ہے۔ نیز عظمتِ مصطفیؐ اور عظمتِ انسان کے ادراک کی راہیں اجاگر کی ہیں۔

عصرِ جدید میں بحیثیتِ کُل ادبی رجحانات میں خاطر خواہ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان میں زیرِ بحث موضوع سے متعلق قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ملی کردار کی تشکیل کا مقصد پیشِ نظر تھا لہٰذا آپ ﷺ کے معجزات کی بہ نسبت سیرتِ طیبہ کے پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا۔ البتہ جن شعرا نے معجزاتِ نبیؐ بالخصوص واقعۂ معراج کو موضوع بنایا۔ انہوں نے مبالغہ آرائی سے بالعموم احتراز کیا اور اس ضمن میں علم و آگہی کی بنیاد پر خامہ فرسائی کی۔

فصل چہارم:

عصرِ حاضر کی شاعری (۱۹۴۷ء تا حال)

تحریکِ پاکستان کے وقت میں اور اس کے بعد بھی وہی رجحانات وسعت پذیر ہوئے جن کا ذکر گزشتہ فصل میں کیا گیا۔ پاکستان کا تصور احیائے اسلام کے جذبے سے مشروط تھا اور اس جذبے کے فروغ کو سیرت النبی ﷺ کا پرچار لازماً درکار تھا۔ توحید و رسالت کا صحیح اسلامی شعور اور اسلامی فلسفہ ہائے زندگی کو اسوۂ حسنہ کے ذریعے بیان کیا گیا۔ البتہ عصرِ حاضر میں ادب و فن کا دامن بلحاظ موضوعات و تجربات وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ بعد کی دہائیوں میں واقعۂ معراج کو قدرتِ الٰہی کا مظہر، عظمتِ آدم کا نقیب اور تسخیرِ کائنات کا پیامی قرار دیا گیا۔ اس واقعے سے متعلق روایات کو بطرزِ نو نظم کرنے کے علاوہ اس عظیم الشان واقعے کے مضمرات کو فکری بُو قلمونیوں نے چار چاند لگا دیے۔

سیّد محمد اشرفی جیلانی نے کئی نعتیہ قصائد کے علاوہ ایک طویل قصیدۂ معراجیہ بھی لکھا۔ یہ معراج نامہ طرح مصرع ''شبِ معراجِ محبوبِ خدا ہے'' پر کہا گیا۔ یہ طویل معراج نامہ ۵۰۰ سے زائد اشعار پر مشتمل ہے۔ جس میں مثنوی غزل، قصیدہ سبھی اصناف کا لطف ملتا ہے۔ شاعر نے بیک وقت واقعہ نگاری، پروازِ تخیل اور شکوہِ مدح کے جوہر دکھائے ہیں۔ اس معراج نامے میں مضامین قابلِ فہم اور بالتصریح ہیں۔ عشق و عقیدت انگیز اشعار کے علاوہ منکرینِ معراج کو دلائل و براہین فراہم کرنے کا کام بھی شاعر نے اپنے ذمے لیا ہے۔ بیشتر اشعار سہل ممتنع کی مثال ہیں۔ جن میں مضامین کی پرواز، بندشِ الفاظ اور وسعتِ معنوی مجتمع ہیں۔

اس قصیدے میں تین تشابیب کا اہتمام ہے۔ تشبیبِ اوّل کو ''نیچرل سینری'' کا نام دیا گیا ہے جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

یہ کیسی موج میں باد صبا ہے	خمار آلود جھونکوں میں ہوا ہے
یہ کیوں ابرِ بہاری چھا گیا ہے	کہ جو ہے مست ہے آخر یہ کیا ہے
عجب مستی میں کُل ارض و سما ہے	یہ بزمِ ہست ہے یا میکدہ ہے[۲۴۰]

اس تشبیب میں فطری منظر کی پیشکش زبان و بیان کی دلفریبی کا ایک نمونہ ہے۔ ان اشعار میں شبِ معراج، حرم، اقصیٰ، مقام ابراہیم، چاہِ زمزم، آغوشِ حطیم، بابِ اُم ہانی، زمیں سے آسماں تک قدسیوں کی قطاریں، براق برق دم، ملائکہ کے جھرمٹ اور شبِ اسریٰ کے دولھا کی بارات کا ذکر وجد آفریں ہے۔

حرم کے گوشے گوشے میں چراغاں　　تو اقصیٰ انتہا کو سج گیا ہے
یہاں آئینہ بندی ہو رہی ہے　　وہاں پر تختِ ربانی بچھا ہے
مقام ، اللہ رے شانِ خلیلی　　عبادت کا مصلّٰی بن گیا ہے
کسی کی چاہ میں ڈوبا ہوا ہے　　کس آب و تاب سے زمزم کا پانی (۲۴۱)

تشبیب دوم کا عنوان ''تاریخی و علمی'' ہے۔ ان اشعار میں بعثت سے قبل عرب کی ناگفتہ بہ حالت کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ کی دعوتِ حق کی راہ میں کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں کا ذکر ہے اور پھر باطل قوتوں کے آگے آپ ﷺ کی سر فرازی کا ذکر ہے۔ شاعر نے ظالموں کے مقابل آپ ﷺ کی شائستگی اور کریمی کو محبت و وارفتگی سے بیان کیا ہے اور ان اشعار میں سیرتِ پاک کے کئی پہلو تابندہ کر دیے ہیں۔ معجزاتِ حضورؐ کا ذکر، مشرکین کی بڑھتی ہوئی ایذا رسانیوں کا ذکر، شمع رسالت کو بجھا دینے کے ناپاک منصوبے کا ذکر اور پھر آپ ﷺ کی قدر و منزلت دنیا پر واضح کرنے کے لیے معراج کی تیاریوں کا ذکر۔۔۔ ہر مرحلے پر شاعر کا بیان انوکھا اور نرالا ہے۔

سید محمد اشرفی جیلانی کے معراج نامے کی ابتدا عربستان سے ہوتی ہے اور اس معراج نامے کا فکری محور صفات و عظمت نبوی ہے۔ تشبیہات و استعارات کے ذریعے کیفیات و مناظر کی عکاسی، فکری و سائنسی حقائق کا بیان اس قصیدے کا کمال ہے۔ شاعر نے کفار کے مذموم ارادوں کو بیان کرنے میں واقعیت نگاری کی خوبی دِکھائی ہے۔ کفار مکہ اسلام کے بڑھتے ہوئے نور سے خوفزدہ ہیں۔ اس کے سدِّباب کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ختم الرسل کو نعوذ باللہ قتل کرنے کا منصوبہ باندھتے ہیں۔ ان کی مشاورت کو شاعر نے بیان کیا ہے۔ اس تفصیل کے بعد منظر بدلتا ہے:

یہاں کفار میں ہوتا ہے یہ طے　　وہاں عرشِ معلی ہل رہا ہے
زمیں پر آ گئی ہے کپکپی سی　　فلک میں پڑ گیا اک زلزلہ ہے (۲۴۲)

پھر آمدِ جبرئیلؑ، آپ ﷺ کا بیدار ہونا، حرم میں آنا، شقِ صدر اور بذریعہ براق روانگی کا ذکر ہے۔ دو دانِ سفر کے واقعات اجمالاً بیان ہوئے ہیں۔ اقصیٰ میں انبیا سے گفتگو اور امامت کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے منکرینِ معراج کے ردّ میں منطقی انداز اپنایا ہے۔ معراجِ منامی کے حامیوں کو جواب دیتے ہیں کہ خیال و خواب پر نازش و افتخار کرنا روا نہیں نہ اس میں تقدس کی شرط ہے۔ کافر و مسلماں، خواب میں کسی بھی عالم کو دیکھ سکتے ہیں:

ہوا ثابت خیال و خواب کچھ ہو　　کرامت ہے نہ کوئی معجزہ ہے
نہ اس پر ناز کرنے کا ہے موقع　　نہ اس پر فخر کرنا ہی روا ہے

مگر قرآن تو اس واقعے کو نہایت دھوم سے فرما رہا ہے(۲۴۳)
شبِ معراج کی صبح ہونے پر کفار کی تکذیب اور استہزا کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

جو شب کا واقعہ ہوتا منامی تو پھر یہ صبح کو کیا ہو رہا ہے
بھلا دنیا میں کوئی بھی کبھی بھی کسی کے خواب کو سن کر ہنسا ہے
کہیں ہوتی ہیں جرحیں خواب میں بھی کسی کا خواب جھٹلایا گیا ہے
کسی کے خواب کی تصدیق کر کے کوئی صدیق اکبر ہو سکا ہے
نبی کے طرز سے ہوتا ہے ظاہر نہیں ہے خواب جو فرما دیا ہے(۲۴۴)

دلائل کے بیان کے بعد سفر سماوی کی تفصیل سے سدرہ سے آگے لامکاں تک رسائی اُمت کی بخشش کی درخواست، تحفۂ نماز، حضرت موسیٰ کی تجویز تخفیف اور معراج سے واپسی کے بعد کے واقعات نظم کیے ہیں۔ ان اشعار کا خاتمہ عجز دُعا پر ہے۔

تشبیب سوم کا عنوان ''تمہید میلاد شریف'' ہے۔ اس حصے میں منکرینِ معراج کے اعتراضات کا ردّ بھی موجود ہے:

بیاں اوپر جو کچھ ہو چکا ہے کوئی قصہ نہیں ہے واقعہ ہے
نہیں معراج میں حیرت کا موقع کہ مرکز اپنی ہر شے کھینچتا ہے
کوئی ڈھیلا اُٹھا کے اونچا پھینکو تو دیکھو گے زمیں پر گر پڑا ہے
جھکاؤ جس طرف شعلہ کو چاہو مگر پاؤ گے اوپر جا رہا ہے
ہر اک شے اپنے مرکز کو ہے جاتی کشش کا مسئلہ مانا ہوا ہے
گیا نورِ خدا گر عالمِ نور تو حیرت کیا ہے استعجاب کیا ہے(۲۴۵)

شاعر نے عقلی دلائل بڑی سہولت سے بیان کر دیے ہیں۔ فکری موشگافیاں ان میں نام کو نہیں۔ معراج کا ذکر کرتے کرتے زبان پر میلاد کا نام آنا، شاعر کے نزدیک اُس کی اور سامعین کی خوش عقیدگی کا مظہر ہے۔ آخر میں ''سلام'' کا ہدیہ معراج نامے کا حصہ ہے۔

سیمابؔ اکبر آبادی نے مثنوی ''معراجِ رسول'' میں عروج و نزول کی ایک شاعرانہ توجیہ پیش کی ہے کہ جب آپ کی ولادت زمین پر ہوئی تو عالمِ بالا کو پستی سے رقابت ہوئی کہ یہ سعادت آسمانوں کو کیوں حاصل نہ ہوئی۔ تو ندائے ہاتف نے تشفی فرمائی کہ سب نبیوں کے مانند آپؐ کو بھی ارضِ خاک پر پیدا کیا گیا۔ یہ شرفِ نوعِ انسانی کی انتہا ہے۔ مگر عالمِ بالا پر انسان کا مرتبہ سمجھانے کو آپ ﷺ کو عرش کا مہمان بھی بنایا جائے گا۔ پھر ایک مدّت کے بعد ایک رات اس وعدے کی تکمیل ہوئی۔ آپ ﷺ کو معراج نصیب ہوئی۔ انسانیت روحانیت سے سرفراز

ہوئی۔ معبود کا منشا تھا کہ اب حبیب ﷺ یہیں عرش و کرسی کی قربت میں رہیں۔ رسولِ مجتبیٰ ﷺ یہ سن کر خاموش تھے۔ دل رضائے الٰہی قبول کرنے کو آمادہ تھا۔ مگر عرش سیّدِ ابرار کے وقار سے گھبرا گیا۔ انسانیت کے بار سے آسماں خم ہوگئے۔ ملائکہ اور جنت بھی گھبرائے پھر وہی ازلی فیصلہ ہوا کہ آپ ﷺ دنیا میں یوں لوٹ آئے جیسے تنِ مردہ میں حیات عود کر آئے۔ گویا آسمان بارِ نبوت کا حامل نہ ہو سکا اور یہ امانت دوبارہ سپردِ خاکداں کر دی گئی۔ اس تمثیلی پیرائے میں شاعر کی فنکاری نے جادو جگایا ہے۔ قوافی کی ندرت نادر مضامین سے ہم آہنگ ہے۔ ہر کیفیت کا بیان ایک جاذبیت رکھتا ہے۔ شبِ معراج کا ظاہری عالم طرح طرح سے بیان کیا ہے اور پھر اس رات میں کائنات کے لیے مضمر پیغام بھی۔۔۔ گویا انوارِ معانی لفظ لفظ سے پھوٹ رہا ہے۔

خاکداں کے جھک کے بوسے آسماں لینے لگا
ارتقا انسان کا انگڑائیاں لینے لگا
کس پہ یہ رازِ مشیت ہو سکا ہے آشکار
کون اسرارِ الٰہی کا ہوا ہے راز دار
آدم اوّل کو جنت سے گرایا خاک پر
جلوہ گستر ابنِ آدم کو کیا افلاک پر(۲۴۶)

معراج کی رات کی عظمت، اس کی معنوی وسعت کا انوکھا بیان اس نظم میں ملتا ہے:

رنگ ما زاغ البصر کی کیفیت سے سرمگیں
طورِ سینا درکنار و سنگِ اسود بر جبیں
روپ میں لیلیٰ وشی ، رفتار اٹھلائی ہوئی
ایک رات اور وسعتِ کونین پر چھائی ہوئی

آخرِ ماہِ رجب کی وہ نویلی رات تھی
لاکھ راتوں کا خلاصہ ، ایک اکیلی رات تھی(۲۴۷)

جس طرح ابتدا میں شاعر نے آپ ﷺ کے عروجِ آسمانی کی شاعرانہ توجیہ کی بعینہٖ معراج سے واپسی کو بھی شاعرانہ علل سے بیان کیا ہے۔ پہلے لکھتے ہیں:

تھا یہ منشا اب یہیں رہ جاؤ اے میرے حبیبؐ
عرش و کرسی کو تمھارا فخر قربت ہو نصیب(۲۴۸)

مگر آسمان اس منصب کے متحمل نہ ہو سکے اور انسانِ کامل کی محفلِ انسان میں باز آمد

ہوئی۔ نظم کے اختتامی اشعار یہ ہیں:

عرشِ عالی ظرف انساں کے نہ قابل ہو سکا
آسماں بارِ نبوت کا نہ حامل ہو سکا
جلوۂ احمد سے دنیا ضوفشاں کر دی گئی
یہ امانت پھر سپردِ خاکداں کر دی گئی (۲۴۹)

اختؔر الحامدی نے بھی مثنوی میں معراج کے حالات بیان کیے ہیں۔ پہلے زمین کا حال بیان کیا ہے۔ جہاں ہر سمت، تمام مخلوق و مظاہر پر نُور و سرور طاری ہے۔ فلک کے نورانی جمال کے آگے عروسِ نو بھی ہیچ ہے۔ اس اہتمامِ نو بہ نو کا سبب یہ ہے کہ خدا نے اپنے حبیب کو عرش پر بلایا ہے۔ جبرئیل آج آپ ﷺ کے اسپ ران بنے ہیں۔ خدا کے حکم سے براق لیے حاضر ہیں۔ آپ ﷺ محوِ استراحت ہیں اور آپ ﷺ کے جمال سے جبرئیلؑ پر بے خودی سی ہے۔ یہاں جبرئیلؑ کے وجد و کیف کی صراحت کے لیے شاعر نے سراپائے مبارک میں چند اشعار کہے ہیں۔ جبرئیلؑ پائے اقدس کو چوم کر بیداری کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور عرب کے چاند کو اللہ سے ملاقات کی نوید کیف خیز سناتے ہیں۔ شقِ صدر کے بعد برّاق پر سوار ہونے کو آئے۔ برّاق اچھل رہا تھا۔ روح القدس نے اسے ادب کی تاکید کی۔ اختؔر لکھتے ہیں:

یہ نکتہ ہائے عشق یہ اشارے دل سے پوچھے　　مگر یہ شوخیاں ذرا ہمارے دل سے پوچھیے
کہ آج اس کی پشت پر شہنشہِ حجاز تھا　　براق کی یہ شوخیاں حقیقتاً تو ناز تھا
یہ ناز تھا کہ زیرِ سُم تمام عرش فرش ہے　　یہ ناز تھا کہ اس کی پشت مرتبہ میں عرش ہے (۲۵۰)

براق یوں قبلہ گاہ انبیا میں پہنچا گویا برق کوند کر نکل گئی۔ آپ ﷺ امامِ انبیا ہوئے یوں اللہ نے سب انبیا پر آپ ﷺ کی مرتبت واضح کر دی۔ پھر ایک آن میں ہفت آسماں کی سیر ہوئی۔ انبیا سے ملتے ہوئے مقامِ جبرئیلؑ تک پہنچے۔ یہاں جبرئیل نے کہا:

ادھر سے یک رمق بھی گر مرا قدم اُدھر بڑھے
فروغِ نور لم یزل مرے پروں کو پھونک دے (۲۵۱)

جبرئیلؑ نے گزارش کی کہ مقامِ دنیٰ میں میری یہ التجا پیش کریں کہ آپ ﷺ کی امت کا پل صراط سے گزر ہو تو میرے پر ان کے فرشِ پا بن جائے۔ مسجدِ ملائکہ میں نماز کے بعد آپ ﷺ کی سواری مقامِ قرب کی طرف چلی۔ آپ ﷺ نے تنہا حجاب ہائے نور کو حکمِ الٰہی سے طے کیا۔ علومِ غیب آپ پر منکشف ہوئے۔ قربِ الٰہی کی انتہاؤں کو شاعر نے اپنے عقیدے سے بیان کیا ہے:

به چشمِ سر خدا کی دید کی حضور پاکؐ نے　　بغیر واسطه کیا کلام ذوالجلال سے
جو دل کی بات پوچھیے نہ آنکھ تھی نہ دیکھنا　　حسین ظل ذات ، عین ذات میں سما گئے
مجال عقل و ہوش کیا رہا کہ دخل دے سکے　　نیاز و راز کے ہیں یہ حقیقتاً معاملے (۲۵۲)

آپ ﷺ کی معراج سے واپسی کا سفر بھی شاعر نے شان و شوکت سے بیان کیا ہے۔

وزیر الحسن عابدی کی معراجیہ مثنوی میں قصیدے کا سا انداز ہے۔ شاعر نے معراج کے واقعات کے بجائے معراج کے عواقب و اثرات کو محورِ فکر بنایا ہے۔ مثنوی میں شبِ معراج کا ذکر یوں آتا ہے جیسے ڈرامے میں پردہ اُٹھنے پر مناظر بدل جائے۔ اس رات سے پہلے شاعر نے بشر کی اصنام و اوہام میں گھری ظلمتِ نفس کا نقشہ کھینچا ہے۔ یہ دنیا ہامان، نمرود، فرعون، شداد کے تصورات کی ماری ہوئی اور طرح طرح کے سفاک ابلیسی عزائم رکھتی تھی۔

کرۂ ارض پہ چھائی تھی کراں تا بہ کراں　　تیرگی جہل و ضلالت کی توہم کا دھواں
گھٹ رہا تھا خرد و ہوش خداداد کا دم　　کھائے ٹھوکر جو کہیں عقل بڑھے چند قدم
ایسے ظلمات میں اک شام مُرادات آئی　　جس نے تاریخ بدل ڈالی حسیں رات آئی
بارشِ فیض مشیت سے بکھرتی ہوئی رات　　شانہ عظمتِ آدم پہ بکھرتی ہوئی رات
سرمدی حسن کے کوثر میں نہاتی ہوئی رات　　عشق کے آئینے میں بال سکھاتی ہوئی رات (۲۵۳)

یہاں شاعر کے بیان میں حقیقت، ندرت، اور جامعیت ہے۔ اسلوب میں وہ آہنگ ہے جو ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ معنی کو بھی جاذبِ توجہ بنا رہا ہے۔ اس رات نے انساں کے شعور و احساس میں تموّج پیدا کیا۔ شانِ نبوت کو آشکار کیا۔ اس رات کی صفات کا ذکر کرتے کرتے شاعر ایک ماہرانہ گریز کے ساتھ مدحِ رسول ﷺ کی سمت آتا ہے۔ رسولِ رحمت کی مدح میں بھی نہایت عمدہ الفاظ و تراکیب استعمال کیے ہیں۔ آپ ﷺ کے عزم نے قلعۂ امکاں کو تسخیر کیا۔ آپ ﷺ کے لیے قیدِ زماں کی زنجیر کھُل گئی۔ آپ ﷺ کے ان مراتب کو عقل نہیں پا سکتی۔ یہ عرفان عشق سے عطا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کو معراج نصیب ہوئی تو انسان نے آفاقی شعور پایا۔ زمین عرش کے قریب ہو گئی۔ عقلِ بشر کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ انسان کو نئی دنیاؤں سے آشنائی ملی۔ انسانی ذہن کو نئی قوتِ پرواز ملی۔ اہلِ معرفت و تصوف نے جلوہ گہِ ذات کی طلب کو اپنایا۔

جو حقائق تھے کئی لاکھ برس سے مخفی　　چند صدیوں میں بنے علم کی آیات جلی
شبِ معراج زمانے کی جو سرتاج ہوئی　　قدرتِ فکر و تخیل کو بھی معراج ہوئی

اس قدر بڑھ گئی انسان کی رفتارِ نظر کفِ آدم میں ہے اب آئینہ و شمس و قمر
تیرہ تھی فکر بشر عہدِ نبی سے پہلے رات تھے دن سفر نیم شبی سے پہلے
کاش اس رازِ ترقی کو جہاں جان سکے کاش اس محسنِ تہذیب کو پہچان سکے(۲۵۴)

طارق سلطان پوری نے حضور ﷺ کے سرِ عرش بریں جانے کو ربّ علیٰ کی قدرت و مختاری اور آپ ﷺ کا منفرد انداز قرار دیا ہے۔ مثنوی میں گنبد گردوں گرداں کے اس سفر کو بیان کیا ہے جس پر گرفتِ شام وسحر بے اثر رہی۔ نمونہ کلام دیکھئے:

جو تعلق عابد و معبود کے مابین ہے اس کی اک واضح شہادت خلوتِ قوسین ہے
قدرت و وحدت میں دونوں قید و حد سے ماورا عبد بھی بے انتہا معبود بھی بے انتہا
نور پیکر آدمی فخر زماں ناز مکاں حاصلِ کشتِ تمنائے زمین و آسماں(۲۵۵)

آپ ﷺ قائدِ نوع بشر اور مخدومِ جبریل امیں ہیں۔ انساں کے وہم و گماں سے ماورا آپ ﷺ کی رسائی کو شاعر نے وقار بندگی اور احتشامِ عبدیت قرار دیا ہے:

یہ وقارِ بندگی یہ احتشامِ عبدیت قسمت حور و ملک ہے کب یہ قدر و منزلت
عارف رمزِ تدلیٰ محرمِ رازِ دنیٰ وہ عظیم و اعظم و افضل، حبیب کبریا
حکمت و تعلیم، علم و غور کا بانی ہے وہ دانش و تحقیق کے ہر دور کا بانی ہے وہ(۲۵۶)

مظفر وارثی کی نظم ”معراجِ سفر“ مثنوی کی ہیئت ہے۔ نظم کا آغاز یوں ہوتا ہے:

براقِ فکر ہے گردوں نورد آج کی رات ہوا اُڑاتی ہے تاروں کی گرد آج کی رات
یہ کون ذہن کے روشن مکان میں اترا خیال صورتِ جبریل دھیان میں اترا
ہے خم رسائی انساں پہ فاصلوں کی جبیں بلندیوں پہ کمندیں اُچھالتی ہے زمیں(۲۵۷)

اس حسین رات کا زمانہ خواب نہیں لا سکتا جس نے محمد ﷺ کو عرش پر دیکھا۔ نبضِ عالم رُکی رُکی نظر آتی تھی۔ اس رات میں عشق نے خلاؤں کو چیر دیا۔ عروجِ آدمیت کا اتمام آپ ﷺ پر ہوا۔ یہ بلند رتبہ تمام نبیوں میں آپ ﷺ کو حاصل ہوا۔ شاعر فخر مند ہے کہ ہم ایسے نبی ﷺ کے اُمتی ہیں:

عروجِ آدمیت آپؐ پر تمام ہوا خدا خود اپنے ہی جلووں سے ہمکلام ہوا
تجلیات کے ہالے میں یوں گھرے دونوں کمانِ وصل کھنچی مل گئے سرے دونوں
بلند ایسے نہ رتبے کسی نبی کے ہوئے زہے نصیب کہ ہم اُمتی اسی کے ہوئے(۲۵۸)

راجا رشید محمود کی مثنوی ”خواہشِ وصل کی تکمیل“ میں معراج کا احوال بیان ہوا ہے۔

ضمائر کے استعمال سے ایک شاعرانہ رمزیت پیدا ہوگئی ہے:

کوئی محوِ خواب تھا سویا ہوا تھا عرش پر
کوئی ملنا چاہتا تھا اُس سے بامِ عرش پر
حکم کا بندہ کوئی سدرہ سے بطحا آ گیا
وہ کسی کو اب کسی کے پاس لے جانے کو تھا(۲۵۹)

پھر ذکر کرتے ہیں کہ جبرئیلؑ بے اجازت آپ ﷺ کے گھر داخل نہ ہوئے تھے۔ آج بھی انھیں کرنا پڑتا تو یہی کرتے لیکن آپ ﷺ اپنے حجرے میں نہ سوئے تھے۔ لہٰذا اذنِ حضوری کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔ مگر خللِ نیند کا خیال مانع تھا۔ جبرئیل نے بصد ادب جگانے کی سبیل نکالی۔

سونے والے کے قدم سے مل رہا تھا پر کوئی
جاگ اُٹھا لمسِ عقیدت آشنا پا کر کوئی
جاگ اُٹھا کوئی تو پیغام اس کو پہنچایا گیا
آپؐ کو جانے کہاں سرکار بلوایا گیا(۲۶۰)

شاعر نے یہیں سفر عظیم کی لامحدودیت واضح کر دی ہے۔ جب آپ ﷺ روانہ ہوئے تو سب راستے سمٹ گئے۔ کون و مکاں کے ضابطے بدل گئے۔ پہلے اقصیٰ، پھر فلک، پھر سدرہ اور پھر لامکاں تک رسائی ہوئی:

جو چلا تھا وہ تو منزل کی طرف چلتا رہا
جو پیامی تھا وہ رستے ہی میں تھک کر رہ گیا(۲۶۱)

آپ ﷺ نے منازل قاب قوسین او ادنیٰ کو طے کیا۔ شاعر ہر مرحلۂ معراج کی تعلیل و توجیہ کرتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ ﷺ کے سونے کی وجہ بھی ارشادِ ربّانی ہے کہ آپ ﷺ عبادت کم کر کے استراحت بھی فرمائیں۔ یا یہ کہ سدرہ سے آگے تنہا سفر کا باعث یہ ہوا کہ واضح کیا جا سکے کہ آپ ﷺ ایسے راہرو ہیں جو خود اپنے راہنما ہیں۔ پھر شاعر اِسرا کا جواز بیان کرنے کی سعی کرتا ہے:

ایک ہی وجہِ جوازِ اسرا ہوتی ہے بہم
تھی کسی کو خواہشِ وصلِ حبیبِ محترام
ہوتے جاتے تھے اضافے یوں کسی کی شان میں
اُدنِ منّی کی صدائیں آ رہی تھیں کان میں
لامکاں کیا چیز ہے عرشِ بریں کیا چیز ہے
کر گیا اس سے بھی آگے کے مراحل کوئی طے(۲۶۲)

راجا رشید محمود نے طویل بحر میں بھی معراجیہ مثنوی کی ہیئت کو عمدگی سے نبھایا ہے۔ اردو مثنوی کی روایت میں یہ انداز بہت کم مستعمل ہے۔ سرکار کے شبِ اسرا اپنے گھر میں نہ سونے اور معراج کے جسمانی ہونے کی تعلیل منفرد انداز میں کی ہے۔ گردشِ مظاہر کے تھم جانے کو بڑے انوکھے پیرائے میں بیان کیا ہے۔

کارخانہ دار تھا وہ آ گیا جب اس کا دوست اس خوشی میں بند اس نے کارخانہ کر دیا
جس جگہ پر تھا کوئی پرزہ وہیں پر رک گیا دوست جب واپس ہوا ہر پرزہ پھر سے چل پڑا

جان ہیں سرکار عالم کی گئے جب عرش کو، جان نکلی تو کہاں حرکت کسی شے میں رہی
عرصۂ وصلِ خدا کے بعد جب واپس ہوئے جس طرح جو چیز تھی چھوڑی وہ ویسی ہی ملی (۲۶۳)

ابوالحسن واحد رضوی نے مثنوی کی ہیئت میں ''معراج نامہ'' لکھا ہے جو روایتی طرز پر ہے۔ معراج نامے میں درج ذیل عنوانات قائم کیے گئے ہیں:

- حمد رب کمال جل شانہ
- حرف مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات
- در سبب تصنیفِ معراج نامہ
- نعت رسول کائنات
- در فضیلت معجزہ معراج مجمل بیان اُو
- آغاز بیان معجزہ اسرا و معراج ر تمہید
- در بیانِ معراج و عروج
- در بیان اسرا
- خاتمہ و دُعا
- در بیانِ دیدارِ حق

سببِ تصنیف میں شاعر لکھتا ہے کہ معراج کا حیرت افزا اور ماورائے عقل سفر ایک جداگانہ، نرالا معجزہ ہے۔ قرآن اور اخبار میں اس کی تصریح و تشریح موجود ہے۔ سبھی اہلِ سیر، اہل قلم، اہلِ ہنر پر ضروری ہے کہ اس پر خامہ فرسائی کریں۔ میری مثنوی کا بھی یہی باعث ہے۔ اگرچہ اکابر و اصاغر لکھنے والے اس پر بہت کچھ لکھ گئے ہیں لیکن کوئی بھی چیز کامل نہیں ہوتی۔ بسا اوقات معراج نامے تعلیل و ندرت، لفظ گری سے پُر اور روایاتِ صحیحہ سے تہی رہ جاتے ہیں لیکن شاعر نے اپنے معراج نامے پر کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ ان اشعار کو اظہارِ الفت اور سامانِ شفاعت قرار دیتا ہے۔

اس کے بعد معراج کے آغاز کا بیان روایتی ہے۔ معراج کی تاریخ کے متعلق ابنِ قتیبہ، ابن عبدیر اور زرقانی کا حوالہ دیا ہے۔ براق کے دو نام ''شمس'' اور ''عشور'' بھی بیان کیے ہیں۔ براق کی سج دھج اور ارض و سما کی منظر کشی قدیم معراج ناموں کی طرز پر ہے۔ دورانِ سفر مدینہ طیبہ، مدین، کوہ طور اور بیت اللحم میں توقف اور دو رکعت نماز کی ادائیگی کا ذکر ہے۔ ایک روایت بیان کی ہے کہ دورانِ سفر ایک عفریت آپ ﷺ کی جانب چلا آتا تھا۔ تو جبرئیل کے کہنے پر آپ ﷺ نے کلامِ خاص تلاوت فرمایا اور وہ منہ کے بل گر گیا۔ پھر راستے میں اللہ سے اچھا بدلہ پانے والے اور برے اعمال کی سزا پانے والے لوگوں کی تمثیلیں دکھائی گئیں۔ ایک خوشبو محسوس ہوئی جو دخترِ فرعون کی تھی۔ پھر قبر میں حضرت موسیٰ کی زیارت ہوئی۔ مسجد اقصیٰ پہنچے انبیاء کی امامت فرمائی۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے خطبہ دیا۔ پھر اسی طرز پر آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔ اس کے بعد سفر آسمانی کی ابتدا ہوتی ہے۔ آسمانوں پر انبیا سے ملاقات کا ذکر، سدرۃ المنتہیٰ کا حال، بذریعہ رفرف سوئے عرش روانگی، دنا

تدلی کے سلسلے، باچشمِ سر دیدارِ الٰہی کا ذکر ہے۔

"در بیانِ دیدارِ حق" کے عنوان سے دیدارِ الٰہی سے متعلق عباس، حاکم، نسائی، ترمذی کے حوالے سے اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ رویتِ الٰہی کے انکار کے ضمن میں حضرت عائشہ کی بیان کردہ روایت محکم نہیں۔ اسے شاعر نے اپنی تحقیق کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ معراج نامے میں تمام مراحل پر نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ اسلوب سراسر انوکھا نہیں۔ البتہ بعض مقامات پر تراکیب کی ندرت موجود ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:

سوئے عرشِ معلّٰی اب رواں تھے
مقاماتِ نہاں اُن پر عیاں تھے
سنی باگوشِ دلکش جانِ تنویر
صدائے گُل ہائے قدر و تقدیر
کمالِ قرب کے یہ سلسلے تھے
چھڑے "اُدن حبیبی" زمزمے تھے
تجلّی پر تجلّی کار فرما
انوکھا وجد آور سلسلہ تھا
لیا آغوش میں لطفِ خدا نے
بکھیرا حسن پھر حسنِ لقا نے
ملے لفظِ دنا کو اب معانی
تدلّی کے کھلے ہیں اب مبانی(۲۶۴)

صفوت علی صفوؔت نے "مثنوی رسول" میں معراج کو جدید سائنسی حوالوں سے بیان کیا ہے۔ سائنس اور مذہب کا تعلق ایک بیّن حقیقت ہے۔ صفوت خود ایک سائنسدان ہیں اور معراج النبیؐ کے متعلق مباحث کو انہوں نے خلائی سائنس کے حوالے سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثنوی کے دیگر عناصر میں حمد، نعت اور پھر بیانِ معراج کے بعد آخر میں دعا و سلام کا اہتمام ہے۔ ان میں شاعر کی دلی عقیدت اور جذبات کا خلوص نظر آتا ہے۔ معراج کی تیاریوں کے سلسلے میں احکاماتِ الٰہی کا بیان، حور و غلمان کی سجاوٹ اور محفل آرائی میں شاعر نے تخیلاتی اضافے کر دیے ہیں۔ بعض مقامات پر کمزور عقیدے کی بحث بھی اُٹھائی جا سکتی ہے لیکن ذیل میں مثنوی سے ایسی مثالیں درج کی جا رہی ہیں جو معراج ناموں کی عام روش سے منفرد ہیں اور سائنسی غور و فکر کے حوالے سے ہیں۔

شقِ صدر کے واقعے کو بھی شاعر نے سائنسی نقطۂ نگاہ سے دیکھا ہے:

نظامِ ہاضمہ کا مختلف تشکیل ہونا بھی
کہ معمولی ہے اس میں جین کا تبدیل ہونا بھی
معائینہ یہاں طبی سمجھ لیں جسمِ اطہر کا
کہ ہر "سیل" کا یہاں تبدیل ہونا اپنے سرور کا
براہِ راست دی جاتی ہے حضرت کو توانائی
یہ خلیے آپؐ کے تبدیل ہو جاتے ہیں آبائی
خدا کی ذات ایسی ہے جو ہر دم ہے ہمیشہ ہے
توانائی اسی کی مستقل ہر وقت تازہ ہے (۲۶۵)

رسولِ کریم ﷺ کی بذریعہ براق طویل مسافت کو space time سے ناپنے کی بات کی ہے۔

حرم سے اڑ کے سیدھے آپ پہنچے مسجدِ اقصیٰ
سفر میں وقت جیسے گھُل گیا بیتا ہے یوں عرصہ (۲۶۶)

شاعر نے سائنس کی بنیاد پر عرش کی وسعت کو نوری سال کے پیمانے سے ناپنے کی کوشش کی ہے لیکن پھر اپنے عجز کا اظہار یوں کیا ہے:

بیاں میں وسعتِ دربارِ یزداں کیسے کر پاؤں
کہاں سے کس لغت سے جا کے میں الفاظ لے آؤں
یہ نوری سال نقطہ بھی نہیں ہے اس کی دانش میں
یہ سورج ایک ذرّہ بھی نہیں ہے اس کی تابش میں
وہ زینہ عشق کا وہ دشتِ امکاں اک قدم ٹھہرے
مگر وہ عرصۂ قدسی میں اک نقطے سے کم ٹھہرے
ہیں لامحدود ، لا محدود ، یہ دربار و پیمانہ
وہ غالب کا قدم وہ جستِ اقبالی ہیں بچگانہ (۲۶۷)

اُمتِ مسلمہ کی کم کوشی، جدید علوم سے بے بہرہ ہونا، مذہب اور سائنس کی تفریق کے باعث مادی انقلاب اور تسخیر کائنات کے قابل نہ ہونا، یہ سب عصرِ حاضر کے سنجیدہ مسائل ہیں۔ اقبال نے معراج کے جن عواقب کو سمجھنے کے لیے اُمتِ مسلمہ کو دعوتِ فکر دی، ان پر ہنوز عمل نہ کرتے ہوئے اُمت نے بے حسی کا ثبوت دیا ہے۔ اس دُکھ کا اظہار صفوت کی مثنوی میں ملتا ہے:

ابھی اُمت کی کثرت نام اپنا پڑھ نہیں سکتی
خلا کی دوڑ میں آگے تو ویسے بڑھ نہیں سکتی
ابھی تک وقت ہی کا قد و قامت ہم نہیں سمجھے
کہ ہیں شمس و قمر اس کی علامت ہم نہیں سمجھے
بصیرت عالموں کی علم سے اب دُور رہتی ہے
مکمل روشنی میں بھی شبِ دیجور رہتی ہے(۲۶۸)

مثنوی کے وہ اجزا شعریت سے مملو ہیں جو سائنسی حقیقت کے کشف کے بجائے ذاتی جذبات کا اظہار ہیں۔ اس کی مثالیں حمد و نعت میں بھی دکھائی دیتی ہیں اور مثنوی کے اختتامی حصے میں بھی ملتی ہیں۔ ذیل میں آغاز و انجام سے نمونہ کلام درج کیا جاتا ہے:

مرے الفاظ کی چادر کا تحفہ یارسول اللہ
قصیدہ ایک پھر ہو جائے بردہ یارسول اللہ
پکڑتا ہوں وہیں سے پھر یہ تارے یارسول اللہ
جہاں جلنے لگے تھے پر ہمارے یارسول اللہ(۲۶۹)

بیاں اب ختم ہو دیجیے اجازت یارسول اللہ
یہ میرا عشق و معراجِ عبادت یارسول اللہ
حروفِ کشف سارے چُن چکا ہوں یارسول اللہ
غلافِ مثنوی میں بُن چکا ہوں یارسول اللہ
ردائے عاشقاں صفوت و ما فیہا قبول افتد
صدائے احمد مرسل پس افلاک می آید(۲۷۰)

عہدِ حاضر کے معراجیہ قصائد میں ریاض مجید کے قصیدہ معراجیہ کو فنّی اور موضوعاتی اعتبار سے انفرادیت حاصل ہے۔ اس قصیدے کی ردیف شطحیاتِ اولیا سے ماخوذ ہے:

شبِ معراج کا عالم ---۔ تنہ نا ہا یا ہو
ایک حیرت تھی مجسم ---۔ تنہ نا ہا یاہو(۲۷۱)

قصیدے میں ارضیاتی سائنس اور قرآنی حقائق کی فہم و تفہیم نظر آتی ہے۔ زمان و مکاں اور تخلیقِ کائنات کے تصورات شعور کی آنچ پر نئی آب و تاب سے سامنے آئے ہیں۔ سائنسی فکر و تدبر کو اس شاعرانہ شوکت سے بیان کرنا دلیلِ فن ہے۔ یہ تصورات اس دلیل اور تیقّن سے بیان

ہوئے ہیں کہ سفر معراج، ابنِ آدم کے لیے محض منبعِ حیرت نہیں رہتا بلکہ مادی و روحانی علوم کے دانش مندانہ ارتقا کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ صنائع بدائع کا حسن، مجردات کی تجسیم، نادر لفظیات، یہ سب اس پر دال ہیں کہ شاعر کس عظیم جوہرِ تخلیق کا حامل ہے۔ ذیل میں اس قصیدے سے چیدہ چیدہ مثالیں رقم کی جارہی ہیں جن سے متذکرہ بالا فکری و شعری خصائص کی تصریح ممکن ہے۔

سیر مابعد کی تفہیم کی خاطر دل کو
تھے سب اسباب فراہم ـــ تنہ نا ہا یاہو
ہفت افلاک سے خاک آج قد آور ٹھہری
اصلِ آدم ہوئی محکم ـــ تنہ نا ہا یاہو
سلسلہ کُن کا جو جاری تھا رُکا پل بھر کو
گردشِ وقت گئی تھم ـــ تنہ نا ہا یاہو
پل یہ حصہ تھا اسی کُن کے تسلسل ہی کا
اس سکینت میں بھی تھا رَم ـــ تنہ نا ہا یاہو
ایک نقطے میں سمٹ آئے تھے سب موجودات
کہ زماں میں تھا مکاں ضم ـــ تنہ نا ہا یاہو
وقت کے بھید بھرے سرمدی ٹھہراؤ میں
تھا عجب طرزِ کا وہ دم ـــ تنہ نا ہا یاہو[۲۷۲]

حسنِ طلب کے اشعار میں جذبے کی شدت، خلوص اور سچائی ہے۔ یہ تغزل آشنا نعتیہ فضا، تشبیہات و استعارات کی پُر کیف جمالیات اپنے اندر رکھتی ہے۔

در پئے جاں ہے یہ تنہائی کا یخ بستہ سکوت
کیا ہو اس زخم کا مرہم ـــ تنہ نا ہا یاہو
سوختہ فکر ہے محروم طراوت مولا
مہر و الطاف کی شبنم ـــ تنہ نا ہا یاہو
غیر ذی ذرع ہے اعصاب کی بنجر دھرتی
ہو عطا موجۂ زمزم ـــ تنہ نا ہا یاہو[۲۷۳]

دورِ حاضر کی شاعری میں بھی واقعۂ معراج کا بیان تمام اصناف میں جلوہ گر ہوا ہے۔ جہاں مثنوی کی روانی اس کے لامحدود پہلوؤں سے ترنم پاتی رہی وہیں قصیدہ بھی اس معجزے کی جلالت

سے شکوہ پاتا رہا۔ اردو کے مشہور معراجیہ قصائد پر تضامین کہنے کا رجحان بھی ہر دور میں برقرار رہا خصوصاً محسنؔ و رضاؔ کے قصائد کی نسبت سے یہ میلان زیادہ رہا۔ ہلالؔ جعفری نے احمد رضاؔ خان بریلوی کے مشہور معراجیہ قصیدے پر تضمین کہی ہے اور مذکورہ قصیدہ کی فضا سے اپنے تخیل کو ہم آہنگ کرنے میں بڑی فنکاری اور مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے کہے ہوئے مصارع کو مولانا کے اشعار سے جدا کر کے دیکھنا محال ہے۔ الفاظ میں وہی شکوہ ہے۔ اصل قصیدے میں اس سفر ظفریاب کا اہتمام، کیفیات ارض و سماوات اور قربتِ الٰہی کی منالز کا جس طور بیان ہوا ہے۔ ہلال جعفری نے ان نقوش کو اور گہرا کر دیا ہے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

بنا تھا ماہِ تمام کعبہ کا ذرہ ذرہ چمک چمک کر
نقاب باطل کا گر رہا تھا زمیں پہ از خود سرک سرک کر
ردائے گیتی کو دھو رہا تھا کرم کا ساغر چھلک چھلک کر
”یہ جھوما میزاب زر کا جھومر کہ آ رہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے“(۲۷۴)

خدا کا بھیدی خدا کا محرم خدا کے خوانِ کرم کا مہماں
تھی دوش پر جو سیاہ کملی غلافِ کعبہ کا گویا عنواں
لبوں کی جنبش عطائے یزداں، نظر کی جنبش علاجِ عصیاں
”چلا وہ سرو چمن خراماں نہ رُک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے“(۲۷۵)

نعیم تقوی کے قصیدے میں شبِ معراج عروجِ آدم خاکی کا ارفع و اعلیٰ تصور دیتی نظر آتی ہے۔ حضور ﷺ کا اقصیٰ میں تمام انبیا پر تفوّق بھی آپ کے فرازِ عبدیت پر دال ہے۔ شبِ معراج صبحِ بیداری کا پیام ہے اَو ادنیٰ کی قربت بھی نظامِ کُن میں آدمیت کا مرتبہ واضح کر رہی ہے۔

رجب کی بست و ہفتم شب کا روشن ہے ہر اک لمحہ
عروجِ آدم خاکی ہوا مصداق ”ما اوحی“
تقرّب سا تقرب ہے کہا ہے جس کو اَو ادنیٰ
نظامِ کُن پہ روشن ہے مقامِ ارفع و اعلیٰ
پیامِ صبحِ بیداری پئے ہر بختِ خوابیدہ
بعنوانِ عروجِ عبدیت یہ شب ہے تابندہ(۲۷۶)

حفیظؔ صدیقی کے ایک قصیدے کی مثال ملاحظہ کیجیے۔ شاعر اس رات کے مقدر کو تمام دنوں کی برکات سے بڑھ کر قرار دیتا ہے۔ جب آپ ﷺ دعوتِ حق پر جانبِ افلاک روانہ ہوئے۔ سوغاتِ شوق لے کر پہنچے تو من و تُو کے فاصلے مٹ گئے اور اپنے ربّ سے بے حجابانہ ملاقات ہوئی:

یہی شب تھی کہ جب محبِّ خدا بے حجابانہ اپنے رب سے ملا
فاصلے مٹ گئے من و تُو کے سامنے اس کے تھی خدا کی ذات
ذاتِ باری تھی مہرباں اس پر تھا مقابل کھڑا حبیب اس کا
کوئی پردہ نہ درمیاں میں تھا، ہوئی مالک سے کھل کے دل کی بات (۲۷۷)

قیصر بارہوی نے اپنے قصیدے ''معراج'' کی تشبیب میں عالمِ حشر میں اپنے وزنِ عصیاں اور نقشۂ عدل کا نقشہ کھینچا ہے۔ جب خود فریبی میں گزرا ہوا رنگِ دنیا یاد کرنے کا کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ دنیا میں پلٹ کر آنے کی مہلت نہ ہو گی۔ حسرت و یاس کی تاریکی میں کانپتے جسموں پر مایوسی طاری ہو گی۔ پھر گریز اختیار کرتے ہوئے شاعر بتاتا ہے کہ جو صاحبِ معراج کا شیدا ہو گا وہ بلندی نصیب ہو گا اور بے خوف ہو گا۔

ذکرِ معراج میں قیصؔر کوئی تازہ مطلع
فکرِ اعلیٰ میں یقیناً رُخِ اعلیٰ ہو گا
وقت پر نام پہ وہ وقت بھی کیسا ہو گا
جب لبِ عرش نے انسان کو چُوما ہو گا (۲۷۸)

معراج کے حوالے سے مدح کی مثال دیکھیے:

آسماں حدِ نظر میں سمٹ آئے ہوں گے
عرش کا فاصلہ طولِ شب اسرا ہو گا
مرضی طالب و مطلوب ہو جس کی زینت
محوِ حیرت ہوں وہ کس شان کارستا ہو گا
قاب قوسین کی منزل سے بہت دور سفر
وسعتِ لفظِ مسافت سے زیادہ ہو گا (۲۷۹)

آنحضور ﷺ سے براہِ راست تخاطب میں شاعر نے عواقبِ معراج پر نظر کی ہے کہ معراج نے سرورِ کونین ﷺ کو اور انسانیت کو کیسا تفاخر بخشا ہے:

اے شہنشاہِ رسل حاصلِ تخلیق حیات
کون اب آپؐ سا کونین میں پیدا ہو گا

کون پا سکتا ہے یہ قُربِ خدا کی منزل
کیا کسی اور کا یہ رتبۂ اعلیٰ ہو گا
جس قدر چاند ہیں سب آپؐ کے قدموں کا غبار
کہکشاؤں کا جمال آپؐ کا رستا ہو گا
ہر زمانے پر محیط آپؐ کی معراج کا ذکر
ہر ترقی کا سبب آپؐ کا چرچا ہو گا(۲۸۰)

ظفر شارب نے قصیدہ میں ایک انوکھی معنویت پیدا کی ہے۔ فلسفہ و فکر کے مضامین اور حالاتِ حاضرہ کا ذکر کرتے ہوئے شاعر مظاہر کائنات اور ارتقائے انسانی پر بات کرتا ہے۔ وہ انسان جو کون و مکاں کی وسعت کو اپنے کفِ تحقیق میں لے چکا ہے۔ اس کی ترقی پر نگاہ کرتے کرتے شاعر کو یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ سب ترقی تو صاحبِ معراج کی بدولت ہے:

اب ہے دریاؤں کی شوریدہ سری معنی خیز
جل رہے ہیں اسی پانی سے چراغِ اُلفت
سینۂ سیلِ حوادث پہ سفینے ہیں رواں
سر اُٹھانے کی سمندر کو نہیں ہے جرأت
چاند پر پاؤں بھی رکھ کر نہ رُکا اک لحظہ
اللہ اللہ یہ انسان ثریا رفعت(۲۸۱)

یہ مرا دور ہے معراجِ پیغمبر کے طفیل
ارتقا ساری اسی کی ہے رہینِ منت
پھر نہ کیوں میں بھی اسی صاحبِ معراج کی سمت
سر کو نیہوڑا کے بصد عجز کہوں یا حضرت
کاسۂ فکر میں بھر دیجیے رموز انوار
تاکہ ہوتی رہے تمئیزِ جنون و حکمت(۲۸۲)

واقعۂ معراج بذاتِ خود جس شان و جلالت کا مظہر ہے شعرانے قصائد کے بیان میں اسے بقدرِ استطاعت منعکس کرنے کی بھرپور سعی کی ہے اور شانِ رسالت اور آپ ﷺ کے دیگر انبیاء سے امتیاز کو واضح کرنے کے لیے منفرد رنگ اپنائے ہیں اور معراجِ حضور ﷺ نے عبودیت، قوتِ عشق، اور کشفِ ذات کے جو افق واضح کیے ہیں ان کے بیان کے لیے نو بہ نو اسالیب اپنائے ہیں۔ کہیں قصائد تغزل کا کیف رکھتے ہیں کہیں حکمت کا وقار لیے ہوئے ہیں۔ مثلاً:

آ گیا آنکھ جھپکنے میں زمیں پر جبریل
کس قدر تیز تھی اللہ رے پر کی رفتار
آنکھیں تلووں سے ملیں اور بصد عجز کہا
اُٹھیے حضرت کہ بلاتا ہے خدائے غفار
جس کے جلووں کو ترستی ہی رہی چشمِ کلیم
اس کا فرمان ہے آ کر لے ہمارا دیدار(۲۸۳)

معراج جس اوجِ عبدیت و رسالت کا مظہر ہے اس کا بیان شعری قرائین میں عجیب دلکشی دکھاتا ہے۔ مظاہر کائنات بھی اس عظیم الشان واقعے پر اپنا ردِّ عمل ظاہر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ گویا عالمِ امکاں کی ہر شے اس سے اثر پذیر ہے اور یہ اثرات ابدی ہیں۔ ہر گزرتے زمانے کے ساتھ معنی کی پرتیں کھلتی چلی جائیں گی۔ قصائد میں بیانِ معراج کی خوبصورت مثالیں ملاحظہ ہوں:

کریں خوشی سے ستارے پیام برداری
پلٹ کے مہر چلے ہے یہ حکم سرکاری
دو نیم ماہ ہو ادنیٰ سے اک اشارے سے
خجل ہو برق و تخیل کی برق رفتاری
بحکمِ خالقِ اکبر پئے وصال بحق
پہنچ گئے ہیں سرِ عرش عاشقِ باری
گیا بھی آیا بھی زنجیرِ در رہی ہلتی
زمانے دیکھ محمدؐ کی برق رفتاری
زمانہ کیوں نہ کہے اس کو صاحبِ معراج
ہو جس کی رفرف و براق و نور اسواری
یہ گفتگو ہے میانِ فرازِ ماہ و نجوم
فلک کی اہلِ زمیں کر رہے ہیں تیاری(۲۸۴)

(فدا بخاری)

وہ جلوہ گاہِ ازل میں ظہورِ جسم رسولؐ
نصیب ارض کہ جانِ بشر کہاں پہنچا
کہاں کی منزلِ قریہ ، کہاں کا شہر مراد
تمام منظرِ امکاں اس کی زد میں تھا
احد کی ذات میں احمد کی کائنات ڈھلی
کچھ اس طرح سے کٹا مرحلۂ او ادنیٰ(۲۸۵)

(طارق مسعود)

بجز تیرے کفِ پا کے کسی نے
وہ رستا نور کا دیکھا نہیں ہے

کبھی ہوتی نہیں معراج ایسی
خدا بندوں سے یوں ملتا نہیں ہے
بہت اونچا سہی عرش معلّٰی
ترے قد سے مگر اونچا نہیں ہے
گزارا تُو نے جو عرشِ بریں پر
کسی کے پاس وہ لمحہ نہیں ہے
کوئی گزرا نہیں اس راستے سے
کسی نے عرش کو دیکھا نہیں ہے
تیرے ہی واسطے کھولا گیا تھا
وگرنہ یہ کبھی کھلتا نہیں ہے(۲۸۶)

(انجم نیازی)

دورِ حاضر میں قدیم طرز کے معراج ناموں کا رواج مفقود ہو گیا۔ شعرا نے کثرت سے اس موضوع پر لکھا لیکن ان کا انداز قدیم طرز کے طویل معراج ناموں کا سا نہیں رہا۔ مراحلِ معراج کو شعرا نے مختصراً بیان کیا۔ ایسی لاتعداد منظومات لکھی گئیں جن میں معراج کے مراحل کا بالترتیب ذکر ہوا لیکن جزئیات سے قطع نظر کیا گیا۔ اس دور میں زیادہ تر واقعاتی جزئیات کے بجائے ہر مرحلے کے فیض و فضیلت پر نظر کی گئی۔ آگہی کے اس دور میں قاری کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے صرف ہر موقع سے متعلق تاثر کو ابھارا گیا۔ آج کی شب، معراج کی رات، آج کی رات، شبِ معراج، جیسی ردیفوں پر مشتمل سینکڑوں کلام کہے گئے۔ جن کا احاطہ کرنا یہاں ممکن نہیں۔ چند مثالوں کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ قمر یزدانی نے اپنے مجموعے ''ساغر کوثر'' میں ''نغماتِ معراج'' کے عنوان سے تین کلام درج کیے ہیں جن میں شب معراج اور قربِ حق کی کیفیات کا روایتی بیان ہے۔ نغماتِ معراج کے مطلعے ذیل میں دیے جاتے ہیں:

عالمِ قدس میں ہے نور و ضیا آج کی رات
عازمِ عرش ہوا شمسِ ضحیٰ آج کی رات(۲۸۷)

ہر ذرّہ میں انوارِ خدا دیکھ رہا ہوں
جلووں میں ہے گم ساری فضا دیکھ رہا ہوں(۲۸۸)

محمد شہِ مقتدر اللہ اللہ
ہوئے عرش پر جلوہ گر اللہ اللہ(۲۸۹)

حافظ مظہر الدین نے ''معراج کی رات'' کے عنوان سے شہِ دیں کا حرمِ ناز تک رسا ہونا مختصراً بیان کیا ہے۔ عرشِ معلّٰی کے مکیں عالمِ وجد و کیف میں ہیں اور حضور ﷺ نے قاب قوسین کی منزل کو پالیا ہے۔ مظہرؔ نے اس رات کو عبد و معبود کے قرب اور امت کی بخشش کی رات قرار دیا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:

عبد و معبود میں حائل کوئی پردہ نہ رہا
یعنی معبود ہے بندے کے قریں آج کی رات
جس حقیقت کی نہیں فلسفہ دانوں کو خبر
اس سے آگاہ ہیں اربابِ یقیں آج کی رات(۲۹۰)

یہی مضمون ''شبِ معراج'' کے عنوان سے بہ اندازِ دِگر پیش کیا ہے۔ حسنِ مستور کے جلوہ نما ہونے کا ذکر ہے۔ چار سو انوار و ضیا پھیلے ہیں۔ عالم مستی و کیف میں ڈوبا ہے۔ حور و غلماں محوِ ترنم ہیں۔ انبیا منتظرِ دید ہیں۔ حسن نے رُخ سے نقاب اُلٹ دی ہے۔ فائز جلوہ آج خود جلوہ نما ہے۔ مظہرؔ لکھتے ہیں:

حسن کیا عشق کو بھی آج ہی معراج ہوئی
حسن سے عشق ہم آغوش ہوا آج کی رات
شبِ معراج ترے کشفِ حقائق پہ نثار
کھُل گیا عقدۂ لولاک لما آج کی رات(۲۹۱)

''شبِ اسریٰ'' کے عنوان سے بھی معراج کے اسی نکتے کو واضح کیا ہے کہ خدا اور اس کے محبوب کی یہ ملاقات قدرت کے اور سربستہ رازوں میں سے ہے۔ انسانی ادراک اسرارِ قدیم کے اِس پردے کو چاک کرنے سے قاصر ہے۔ پہلا اور آخری شعر ملاحظہ ہو:

شبِ اسریٰ تھا وہ اک نقطۂ آغاز سفر
جس جگہ جلتے ہیں انوار سے جبریل کے پر(۲۹۲)

سِرِّ قوسین کو کیا سمجھے گی عقلِ محدود
رازِ معراج کو کیا پائے گا دراکِ بشر(۲۹۳)

واصف علی واصفؔ نے نظم ''معراج کی رات'' میں صرف معراج آسمانی کا ذکر کیا ہے اور

واقعات کو بالترتیب بیان کرنے کے بجائے معراج کو شانِ رسالت اور عظمتِ بشر کا مظہر ثابت کرنے میں زورِ قلم صرف کیا ہے۔ نظم کا آغاز ملاحظہ ہو:

بام اقصیٰ سے چلا رشکِ قمر آج کی رات
فرشِ رہ ہو گئی تاروں کی نظر آج کی رات
مثلکم ہی سہی انسان مگر آج کی رات
عرش پر کرنے گیا ہے وہ بسر آج کی رات (۲۹۴)

اس رات ارض و سما اور کون و مکاں نور میں ڈھل گئے اور بشر کی پرواز لامکاں تک ہوئی۔ قوتِ عشق نے گنبدِ افلاک کے در کھول دیے۔ جبریلِ امیں نے منزلِ سدرہ کو گردِ سفر ہوتے دیکھا تو رفعتِ آدم سے باخبر ہو گئے۔

قاب قوسین سے ادنیٰ ہے مقامِ محمود
سرنگوں کر گئی ادراک کا سر آج کی رات (۲۹۵)

آج کی رات حُسن حدِ یقین سے ماورا ہے۔ یہ عروج آدم کی تکمیل کی رات ہے۔ رحمت کا سمندر جوش میں آیا اور گنجِ مخفی مائل بہ عطا ہوا۔ لمعاتِ جمال نکہت و نور میں ڈھلنے لگے۔ چشم فطرت بھی حیران ہو گئی۔ گردشِ افلاک و زمین دم بخود ہے۔ جانے والے اور بلانے والے کے سوا اِن اسرار کا کوئی محرم نہیں۔

رفعتِ صاحب لولاک کوئی کیا سمجھے
خاک پر گھستی رہی عقل جبیں آج کی رات (۲۹۶)

عزیز حاصل پوری کی نظم ''معراجِ عشق'' میں معراج کا بیان نہایت اختصار سے ہوا ہے۔ شاعر کا انداز اور بے ساختگی نے سہل ممتنع کی صورت پیدا کر دی ہے۔ شبِ اسریٰ کی کیفیت بتانے کے بعد جبریل امیں کے پیغام لے کر در پر آنے کا ذکر یوں کرتے ہیں:

سرکار ہیں آرام میں وہ سوچ رہا ہے — کس طرح جگاؤں کہ یہ تعظیم کی جا ہے
جبریل کی آنکھیں ہیں نبی کا کفِ پا ہے — سہلانے میں قُربت کے مزے لوٹ رہا ہے (۲۹۷)

عزیز حاصل پوری نے معراج کا ذکر آپ ﷺ کی سطوت و عظمت کی دلیل کے طور پر ہی کیا ہے۔ یہ قُرب و عروج کی منازل آپ ﷺ کے محبوبِ خدا ہونے پہ دال ہیں:

یہ عشق کی معراج ہے یہ عشق کی معراج — معراج کی شب حسن سے خود حسن ملا ہے
اے ماہِ تمام و رفعنالک ذکرک — اک دھوم تری فرش سے تا عرش علی ہے (۲۹۸)

روشن صدیقی کی نظم ''اے صاحب معراج'' میں شبِ معراج کی فضیلت کا بیان اور صاحبِ معراج کی منزلت کا بیان ہے۔ پہلے شاعر اس رات کا مرتبہ واضح کرتا ہے۔ پھر واضح کرتا ہے کہ اس رات کو یہ فضیلت آپ ﷺ کے اعجاز سے حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ ایسی ہستی جو صاحبِ شق القمر، شافعِ یومِ نشور، عظمتِ روحِ خلیل اور نازِ مسیح و کلیم ہے۔ آپ ﷺ اس رات میں خدا سے ملے تو یہ اوج اس رات کو نصیب ہوا۔

شاہد اسرا فروز شمعِ حریمِ ظہور
اے شبِ معراج عشق مطلعِ نور و سرور
تیرے لیے لامکاں خلوتِ امکاں بنا
تیرے لیے اُٹھ گیا پردۂ غیب و حضور
خلوتِ راز دل تجھ سے سراپا جمال
دیدۂ قوسین میں تیری تمنا کا نور
تجھ سے ہوئی گرمِ راز زلفِ خفی و جلی
تو نے کیا بے نقاب چہرۂ نزدیک و دُور(۲۹۹)

جدید دور میں معراج کا بیان محض مثنوی، قصیدے تک محدود نہ رہا۔ جہاں اس ضمن میں معنوی تفہیم کو وسعت ہوئی وہاں ہیئتی تنوع بھی سامنے آیا۔ شعرا نے مثلث، مربع، مخمس، مسدس ہیئت میں معراج کے احوال میں نظمیں لکھیں جنہیں ہم معراج ناموں کی ذیل میں شمار کر سکتے ہیں۔

حفیظ تائب کی نظم ''معراجِ مصطفیٰ'' مربع ہیئت میں ہے۔ شاعر نے شانِ مصطفوی کو اس پہلو سے واضح کیا ہے کہ عرصۂ دوسرا کی تسخیر اور سیر عرش کا اعزاز صرف آپ ﷺ کے لیے تھا۔ جہاں انوارِ لامکاں آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ بابِ مشاہدات کھلا تھا اور اللہ نے ہزار اہتمام سے حضور ﷺ کو اسرارِ کائنات بتائے، گلزارِ خلد، چشمۂ کوثر، حریمِ قدس، غرض قدرت کے سب رنگ سب مقام دکھائے۔ صلوٰۃ و سلام کے تحفے حق سے عطا ہوئے۔ امت کی مغفرت کا مژدہ عطا ہوا۔ نظم کے آخر میں شاعر نے معراج کے حوالے سے دعوتِ فکر دی ہے:

معراج کا سفر ہے دلیل اس خیال کی
فتح و ظفر ہے آپؐ کی اُمت کے واسطے
ارض و سما ، خلا و ماہ سب ہیں رہگزر
شرطِ سفر ہے آپؐ کی اُمت کے واسطے

جس طرح ایک اشک سمندر کا بھید ہے
زنجیرِ در میں گنبد بے در کا بھید ہے
میرے سمندِ فکر میں باقی نہیں سکت
عجز سخن میں اوجِ پیمبر کا بھید ہے(۳۰۰)

نظیر لدھیانوی نے مخمس کی ہیئت میں معراج نامہ لکھا ہے۔ بالعموم ایک ایک بند میں ہر اہم جزئیات کو بیان کیا ہے اور اسی بند میں اختصار سے مضمون کو سمیٹ لیا ہے۔ جبرئیل کی آمد، براق کی صورت و استطاعت اقصیٰ میں امامتِ انبیا کا ذکر سب بالترتیب بیان ہوئے ہیں۔ خلوتِ لامکاں کا ذکر یوں کرتے ہیں:

عرش پر طالب و مطلوب ہوئے اتنے قریب
دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ تھا پیشِ حبیب
قاب قوسین سے ظاہر ہے شکوہِ تقریب
پردۂ راز میں حاجب نہ مقرّب نہ نقیب
حسن والوں کی ملاقات ہے معراج کی رات(۳۰۱)

چند اور شعرا کے کلام سے مخمس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

سراج آغائی:

سراج ابتک تو نہ یہ بھید جانا — بنی معراج بخشش کا بہانا
ہے کیا اس آنے جانے کا ٹھکانا — کہ جانا نفی اور اثبات آنا
یہ اک نکتہ بتایا جا رہا ہے(۳۰۲)

ندیم مراد آبادی:

سرِ عرشِ علیٰ پہنچے شہ ارض و سما ہو کر — لقب محبوب کا پایا محمد مصطفیٰ ہو کر
ہوئے پیغمبرِ اعظم رسولِ کبریا ہو کر — کھُلے اسرار وحدت آپؐ پر وحدت نما ہو کر
اٹھا پردہ مقابل سے تو ہر اک راز افشا تھا(۳۰۳)

شیوا بریلوی:

ہے ان کے سوا ایسی کوئی اور بھی ہستی — اللہ نے بخشی ہو جسے تابِ تجلی
یہ قدرتِ نظارہ ذرا آنکھ نہ جھپکی — بہکی نہ نگہ اور نہ پریشان نظر تھی
کیا سرمۂ مازاغ لگایا شبِ معراج(۳۰۴)

شعرا نے بیانِ معراج کے یہ نمونے مسدس میں بھی پیش کیے ہیں۔ محشر بدایونی نے

مسدس کی ہیئت میں معراج نامہ لکھا ہے۔ معراج کی پر مسرت رات کی کیفیت بیان ہوئی ہے:

یہ کیسی آج ہر شے پر مسرت چھائی جاتی ہے ہوا جنت بداماں ہے فضا اِترائی جاتی ہے
چمن کی ڈالی ڈالی شوق میں اٹھلائی جاتی ہے سمٹ کر ایک مرکز پر تجلی آئی جاتی ہے

فضائیں گونج اُٹھتی ہیں درودوں کی صداؤں سے
جگایا جا رہا ہے شاہِ دیں کو التجاؤں سے (۳۰۵)

روح الامین آپ ﷺ کو ادائے خاص سے بیدار فرماتے ہیں۔ براق پیش کرتے ہیں اور پلک جھپکتے میں اقصیٰ کی منزل پر موجود ہوتے ہیں۔ اس رات شانِ رسالت دیدنی تھی۔ جب امام دو جہاں نے انبیاء کی امامت فرمائی۔ اس رات ذرہ ذرہ بہشت ساماں تھا۔ بذریعہ براق سوئے فلک روانگی اور مقامِ منتہیٰ کے بعد رفرف پر سوئے عالم بالا جانے کا ذکر بے ساختہ اور رواں انداز میں کیا ہے۔ اس کی مثال دیکھیے:

براق تیز دم تا آسماں مثل ہوا لایا
فضائے قدس کی جانب چلا ہر لحظہ اترایا
ٹھہر کر یک بیک جبریل نے حضرت سے فرمایا
بس اب مجھ کو اجازت ہو مقامِ منتہیٰ آیا

یہ رتبہ آپؐ ہی کا ہے میں اس کو پا نہیں سکتا
خدا حافظ بس اب میں اس سے آگے جا نہیں سکتا (۳۰۶)

آپ رفرف پر سوار ہو کر عالمِ بالا تک تشریف لے گئے۔ خدا اور رسول ﷺ کے رازِ گفتگو کو عام انسان جاننے سے قاصر ہے۔ اُمت کی بخشش کی نوید کو بھی شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں سفر کی سرعت کو یوں بیان کیا ہے:

کوئی چیز اپنے مرکز سے ہٹی مطلق نہ ملتی تھی
ہوئے واپس تو بستر گرم تھا زنجیر ہلتی تھی (۳۰۷)

شاہد نقوی کی مسدس نظم ''قاب قوسین'' کو ایک جدید معراج نامہ کہیے کہ یہ نظم معراج کے واقعاتی بیان سے آگے کی چیز ہے۔ شاعر نے اپنی تخیلاتی معراج کے ذریعے قاب قوسین کی منزل سے متعلق اوہام کو رفع کر کے تنویرِ یقین پائی اور شاعر کا اسلوب وفن قاری کو اس تجربے میں ہمراہ بنانے کی قوت رکھتا ہے۔ نظم کا آغاز دیکھیے:

ایک دن فکر نے اک نور افق پر دیکھا چشمِ تخیل نے معراج کا منظر دیکھا
روح بالیدہ ہوئی جسم پیمبر دیکھا وہ بلندی تھی جہاں عرش کو جھک کر دیکھا

سطحِ کونین سے آتی ہوئی راہیں ٹھہریں
قابِ قوسین کی منزل پہ نگاہیں ٹھہریں(۳۰۸)

شاعر کے نگاہ و دل پر کیف کا عالم اور نور کی خنکی تھی۔ تابشِ جلوہ نے نگاہِ فکر کو محصور کر رکھا تھا۔ خامشی میں بھی حمدِ خدا جاری تھی لیکن یکایک نور پر ظلمت کی ردا چھا گئی۔ وسوسہ اور شک کے بُت کعبۂ دل میں آنے لگے:

گوشِ دل نے یہ سنی ایک سکوں پاش صدا — تُو تو کہتا تھا کہ محدود نہیں ربِّ علیٰ
قابِ قاسین کے اس فعل کا پھر مطلب کیا — اس طرف جسمِ محمد ہے ادھر ذاتِ خدا

دونوں نقطوں میں جو قوسین کی یہ دُوری ہے
یہ ارادی ہے کہ طرفین کی مجبوری ہے(۳۰۹)

شاعر کے دل میں اوہام و سوالات اُٹھتے ہیں کہ اگر نبی و معبود میں اس فاصلے کو تعینِ مقام سے مانا جائے۔ یعنی قابِ قوسین تو خود خدا کے لیے پیمانہ ہے۔ پھر خالق کی لامحدودیت کا تصوّر کیا معنی رکھتا ہے؟ اس صدائے وہم سے فکر و نظر دھندلا گئے تذبذب ہوا کہ قابِ قوسین کیونکر مادی دُوری ہے۔ یہ شعوری عنایت بے سبب تو نہیں ہو سکتی۔ شاعر اپنی بے بضاعتی اور عجز کا اظہار کرتے ہوئے حضور سے خواستگار ہوتا ہے کہ اس کے معنی و مفہوم تک رسائی میں میری مدد فرمائیں۔ میرے انکار پر پڑا اشتباہ کا پردہ خود اُٹھا دیں۔ قابِ قوسین کا مفہوم بتا دیں۔ شاعر کی دعا پوری ہوتی ہے۔ آواز آئی کہ قابِ قوسین ایک علامت ہے جس کا مفہوم دشوار نہیں۔ یہ اخلاق اور خلقت کا استعارہ ہے۔ عبودیت کا پیرایۂ اظہار ہے۔ تسلیم عبودیت کا حق ادا کرنے کے لیے یہ فاصلہ رکھا۔ معبود کا شکر ہے کہ یہ فرض ادا ہوا۔ تجھے میرے قدم دیکھ کر حیرانی کیوں ہے۔ یہ سوچ کہ میری پیشانی حدِ امکان کے آخری نقطے پر ہے۔ انسان یہاں سے یک سرِ مُو نہیں بڑھ سکتا۔ میری جبیں پر اس نقطہ آخر کا نشاں ہے۔ جہاں میری رسالت کی حدیں ختم ہوتی ہیں۔ کیا قابِ قوسین سے تمھارے دل میں سجدے کا تصور نہیں ابھرتا؟

عالمِ سجدہ میں جب ہوتا ہے جسمِ انساں — نظر آتے نہیں دو قوس بہ اندازِ کماں
پھر یہ تشبیہ سمجھتا نہیں کون اے ناداں — دشت وسواس و توہم میں ہے کیوں سرگرداں

اب تو سمجھا کہ خلا عالمِ امکاں میں نہیں
کون سا گوشۂ امکاں مرے داماں میں نہیں(۳۱۰)

قابِ قوسین کی تشریح آئینہ ہوئی تو شاعر ''اوادنیٰ'' کا مفہوم جاننے کی خواہش کرتا ہے:

قابِ قوسین کا مطلب تو کماں سے نکلا
یہ جو 'کچھ کم' کا تصور ہے کہاں سے نکلا(۳۱۱)

پھر وہی ندا آئی اور بھٹکے ہوئے تخیل کو بتایا کہ ہیئتِ سجدہ کا انداز تصوّر میں لائے۔ جو قوسین سے پہلے قدموں کا گوشہ ہے۔ یہ ایک سمت سے تکمیلِ کماں ہے۔ دوسرا گوشۂ تکمیل کہاں ہے؟

میری پیشانی تو ہے آخری نقطے پہ مکیں   کیسے ممکن ہے کہ بڑھ جائے سرِ مو سے جبیں
دوسرے گوشے کی تکمیل کا امکاں ہی نہیں   ایک گوشے کی بھی دیکھی ہے کماں تو نے کہیں
یہ کماں میں جو کمی ہے یہی اَو ادنیٰ ہے
یہ جو ادنیٰ بدنیٰ ہے یہی او ادنیٰ ہے(۳۱۲)

نظم کا اختتام اس بند پر ہوتا ہے:

شکرِ معبود کہ حاصل ہوئی تنویرِ یقیں   ذہن میں اب کوئی وسواس کوئی وہم نہیں
قاب قوسین جسے کہتا ہے قرآن مبیں   صرف اتنا ہے کہ خم ہو سکے بندے کی جبیں
ان کی معراج کہ معبود کی قربت دیکھی
میری معراج کہ معراج کی طلعت دیکھی(۳۱۳)

خبیرؔ لکھنوی کے معراجیہ مسدس میں سادگی اور سلاست ہے۔ شاعر کو ہر جزئیات کے بیان میں شانِ محمدیؐ کی صراحت مقصود ہے۔ شبِ معراج کے حقیقی معجزے کو شاعر نے عقیدت سے سرشار ہو کر بیان کیا ہے۔ الفاظ و تراکیب نفسِ مضمون سے کسی قدر ہم آہنگ ہیں:

جبریل کی وہ عرض حضورِ شہِ ذی جُود
حضرت کی ملاقات کا مشتاق ہے معبود
ہیں طالب دید اہلِ جناں با دلِ خوشنود
ہوں زینتِ زیں آپ سواری بھی ہے موجود
فردوس سے باساز و یراق آیا ہوا ہے
مولا کی سواری کو براق آیا ہوا ہے

سنتے ہی کیا شکرِ خدا شاہِ امم نے
پُر نور کیا دامنِ زیں شمعِ حرم نے
مرکب کے قدم دوش ہوا پر لگے جمنے
کہتے تھے ملک چال یہ دیکھی نہیں ہم نے
طے کرتا ہے دم میں فلکِ ہفت طبق کو
وہ قدرتِ حق لے کے چلی رحمتِ حق کو(۳۱۴)

مسدس میں بیانِ معراج کی ایک مثال سرفراز حسین رضوی کے ہاں ملاحظہ کیجیے:

کرتے رہے تبلیغ نبی دینِ خدا کی رغبت کی نظر جانبِ دنیا نہ ذرا کی
مرغوب تھی حق کو جو ادا صبر و رضا کی موسیٰ سے سوا آپؐ کو توقیر عطا کی

افزوں یہ ہوا دین کے سرتاج کا رتبہ
محبوب کو بخشا گیا معراج کا رتبہ(۳۱۵)

خلیق قریشی نے بھی معراج کو ابنِ آدم کے عروج کی بشارت کے طور پر پیش کیا ہے۔ گویا واقعہ معراج خالقِ اکبر کی قدرت اور ابنِ آدم کی اکملیت دونوں پر شاہد ہے:

نشانِ جادۂ اسرا رہے گا تا ابد قائم کہاں کھنچتی ستاروں میں وگرنہ کہکشاں کوئی
عروجِ ابنِ آدم کی بشارت ہے شہادت ہے شبِ معراج سے بڑھ کر نہیں اس کا نشاں کوئی

ادھر تکمیلِ اکمل ہے ادھر خلاقِ اکبر ہے
کہ تکمیل بشر الفاظ و معنی میں پیمبر ہے(۳۱۶)

عصرِ حاضر میں بدلتے ہوئے تخلیقی رویوں نے وسیع بیانیے کو نظم کے کوزے میں بند کر دیا ہے۔ شعرا نے قدم بہ قدم تفصیلات سے احتراز کرتے ہوئے مضامینِ معراج کو بلیغ رمزیت اور جامعیت کے ساتھ مختصر نظموں کا پیکر عطا کیا ہے۔ شوکت محمود شوکت کی معراج النبیؐ کے موضوع پر نظم ملاحظہ ہو جس میں آیاتِ قرآنی کی جھلک بھی دکھائی دے رہی ہے:

وہ ہستی پاک ہستی ہے
کہ جس نے آسمانوں کی کرائی سیر
راتوں رات
اپنے برگزیدہ ایک بندے کو
فرشتوں کا جہاں جانا نہیں ممکن،
جہاں سدرہ نشیں کے پر بھی جلتے ہیں
وہاں اک خاص مرکب کو کہ رفرف جس کو کہتے ہیں
انہیؐ کے واسطے بھیجا جو ان کو ساتھ لے کر
بارگاہِ ایزدی پہنچا
پھر اس کے بعد خالق نے
قریب ان کو کیا اتنا کہ تھا وہ فاصلہ قوسین جتنا
یا کچھ اس سے کم
پھر اس دو برگزیدہ ہستیوں کے درمیاں باتیں ہوئی وہ

جو کہ ہونی تھیں
پھر اس کے بعد خالق نے
بہت ہی شان سے محبوب اپنے کو کیا رخصت
خدائے پاک نے جو شان بخشی ہے رسولِ پاک کو شوکت
کسی کو پہلے بخشی تھی نہ اب تک ایسی بخشی ہے (۳۱۷)

مختصر یہ کہ عصرِ جدید میں معراج النبیؐ کا بیان محض عقیدت و جذباتیت کا مظہر نہیں رہا بلکہ دورِ حاضر کے شعرا قدرتِ الٰہی کے اس عظیم الشان مظہر کے عواقب پر تفکر کر رہے ہیں۔ اب بیانِ معراج ارتقائے آدم کی نوید بن کر سامنے آ رہا ہے۔ خلا و نجوم پر کمندیں ڈالتا ہوا انسان اس معجزے سے تحریک حاصل کر رہا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قلی قطب شاہ، کلیاتِ قطب شاہ، مرتّبہ:ڈاکٹر سیّدہ جعفر، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئ دہلی:۱۹۹۸ء، ص:۳۲۴

۲۔ ملّاوجہی، قطب مشتری، مرتبہ:مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اُردو(ہند)، نئ دہلی: س ن، ص:۹

۳۔ ایضاً، ص:۱۰

۴۔ ایضاً، ص:۱۱

۵۔ غوّاصی، طوطی نامہ، مرتبہ:میر سعادت علی رضوی، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، حیدرآباد دکن: ۱۹۳۹ء، ص:۵

۶۔ غوّاصی، سیف الملوک و بدیع الجمال، مرتبہ: میر سعادت علی رضوی، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، حیدرآباد دکن:۱۹۳۹ء، ص:۵

۷۔ شیخ احمد گجراتی، یوسف زلیخا، مرتبہ:سیّدہ جعفر، اردواکیڈمی آندھراپردیش:۱۹۸۳ء، ص:۲۰۶

۸۔ ایضاً، ص:۲۰۷

۹۔ ایضاً، ص:۲۰۹

۱۰۔ ایضاً، ص:۲۱۰

۱۱۔ ابن نشاطی، پھول بن، مرتبہ:عبدالقادر سروری، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، ۱۳۵۷ھ، ص:۹

۱۲۔ محمد ابراہیم صنعتی، قصہ ٔ بے نظیر، بحوالہ ڈاکٹر ریاض مجید، اُردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی پاکستان: ۱۹۹۰ء، ص:۲۰۳

۱۳۔ سیّد بلاقی، معراج نامہ(قلمی)، مشمولہ: سہ ماہی فروغِ نعت، اٹک: شمارہ۸، ص:۹تا۸۴

۱۴۔ ایضاً، ص:۲۹

۱۵۔ ایضاً، ص:۵۵

۱۶۔ ایضاً، ص:۵۷

۱۷۔ ایضاً، ص:۵۷

۱۸۔ مولانا عبدالحئ لکھنوی، الاثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، طبع ادارہ احیاء السنہ، گوجرانوالا: س ن، ص:۳۳

۱۹۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد اوّل، مجلس ترقی ادب، لاہور:۱۹۸۷ء، ص:۴۰۵

۲۰۔ ڈاکٹر حسینی شاہد، شاہ معظم، انجمن ترقی اردو، آندھراپردیش: حیدرآباد: دسمبر ۱۹۷۸ء، ص:۸۴

۲۱۔ ایضاً، ص:۶۵۔۶۷

۲۲۔ ایضاً، ص:۶۹

۲۳ ۔ ایضاً، ص:۷۰۔۷۱

۲۴ ۔ ایضاً، ص:۷۹

۲۵ ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد اوّل، ص:۵۱۱

۲۶ ۔ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، مضمون: اردو نعت گوئی کے موضوعات، مشمولہ: اُردو نعت کی شعری روایت، مرتبہ: صبیح رحمانی، اکادمی بازیافت، کراچی: ۲۰۱۶ء، ص:۹۴

۲۷ ۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، اردو میں نعتیہ شاعری، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی: ۱۹۷۶ء، ص:۱۵۶

۲۸ ۔ نصیر الدین ہاشمی، اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست، مطبع ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن: ۱۹۵۷ء، ص:۷۵۳

۲۹ ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اُردو، حصہ اوّل، ص:۱۴۲

۳۰ ۔ کمال خان رستمی، خاور نامہ، مرتبہ: شیخ چاند ابن حسین، ترقی اُردو بورڈ، کراچی: ۱۹۶۸ء، ص:۱۰

۳۱ ۔ ایضاً، ص:۱۰

۳۲ ۔ ایضاً، ص:۱۱

۳۳ ۔ ملک خوشنود، جنت سنگار، مرتبہ: پروفیسر سیّدہ جعفر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی: ۱۹۹۷ء، ص:۲۶۴

۳۴ ۔ ایضاً، ص:۲۶۵۔۲۶۶

۳۵ ۔ ملّا نصرتی، دیوانِ نصرتی، مرتبہ: جمیل جالبی: قوسین، لاہور: ۱۹۳۲ء، ص:۳۷

۳۶ ۔ ایضاً، ص:۴۰

۳۷ ۔ نصرتی، گلشن عشق، مرتبہ: سید محمد ایم۔اے، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، حیدرآباد دکن: س ن، ص:۱۶

۳۸ ۔ ایضاً، ص:۱۷

۳۹ ۔ ایضاً، ص:۱۸

۴۰ ۔ ایضاً، ص:۱۹۔۲۰

۴۱ ۔ ایضاً، ص:۲۰۔۲۱

۴۲ ۔ ایضاً، ص:۲۱

۴۳ ۔ نصرتی، علی نامہ، مرتبہ: پروفیسر عبدالمجید صدیقی، سالار جنگ دکنی پبلشنگ کمیٹی، حیدرآباد دکن: ۱۹۵۹ء، ص:۱۷

۴۴ ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد اوّل، ص:۳۵۵

۴۵ ۔ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، اردو نعت کی شعری روایت، ص:۹۵

۴۶ ۔ افسر صدیقی امروہوی، مخطوطات انجمن ترقی اُردو، جلد ششم، انجمن ترقی اُردو، پاکستان، ۱۹۸۲ء،

ص:۶۱

۴۷۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، اردو کی نعتیہ شاعری، دانش اکیڈمی، آندھرہ (بہار): ۱۹۷۴ء، ص:۳۰

۴۸۔ ایضاً، ص:۳۰

۴۹۔ عارف الدین خان عاجز، قصہ لال و گوہر، مشمولہ: اُردو کی قدیم منظوم داستانیں، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب لاہور: ۱۹۶۷ء، ص:۳۵

۵۰۔ نور اللہ، مثنوی قصہ قاضی و چور کا، مشمولہ: اردو کی قدیم منظوم داستانیں، ص:۲۰۱

۵۱۔ ڈاکٹر ریاض مجید، اردو میں نعت گوئی، ص:۲۱۱

۵۲۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، اردو میں نعتیہ شاعری، ص:۲۰۰

۵۳۔ نصیر الدین ہاشمی، دکھنی کے تحقیقی مضامین، آزاد کتاب گھر، دلّی: ۱۹۶۳ء، ص:۲۷

۵۴۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، اردو کی نعتیہ شاعری، ص:۳۱

۵۵۔ قاضی محمود بحری، من لگن، مرتبہ: سخاوت مرزا، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی: ۱۹۵۵ء، ص:۱۰، ۱۱، ۱۳

۵۶۔ لچھمی نرائن شفیق، معراج نامہ، مشمولہ: نعت رنگ، کراچی: شمارہ:۶، ص:۳۸۵، ۳۸۶

۵۷۔ ایضاً، ص:۳۸۶

۵۸۔ ایضاً، ص:۳۸۶۔۳۸۷

۵۹۔ ایضاً، ص:۳۸۷

۶۰۔ ایضاً، ص:۳۸۸

۶۱۔ ولی دکنی، کلیاتِ ولیؔ، مرتبہ: نور الحسن ہاشمی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی: ۲۰۰۸ء، ص:۳۰۶

۶۲۔ ایضاً، ص:۳۲۹

۶۳۔ ایضاً، ص:۲۷۰

۶۴۔ ڈاکٹر ریاض مجید، اردو میں نعت گوئی، ص:۲۳۵

۶۵۔ نصیر الدین ہاشمی، دکھنی کے تحقیقی مضامین، ص:۲۸۔۲۹

۶۶۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۹۴ء، ص:۴۵

۶۷۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق، اردو میں نعتیہ شاعری، ص:۱۰۳

۶۸۔ شاہ مبارک آبرو، دیوان آبرو، مرتبہ: ڈاکٹر محمد حسن، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ص:۳۳۴

۶۹۔ میر تقی میر، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: عبد الباری آسی، سنگ میل، لاہور: ۱۹۸۷ء، ص:۹۳۸

۷۰۔ مرزا رفیع سودا، کلیاتِ سودا، مطبع منشی نولکشور، لکھنؤ: ص:۲۲۵

۷۱۔ قائم چاند پوری، کلیات قائم، مرتبہ: اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب، لاہور: جلد دوم، ۱۹۶۵ء،

ص:۸۳

۷۲۔ افسر صدیقی امروہوی، مخطوطات انجمن ترقی اُردو، جلد ششم،انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی: س ن، ص:۳۵

۷۳۔ ایضاً، ص:۳۶۰

۷۴۔ ایضاً، ص:۳۷

۷۵۔ مشفق خواجہ، جائزہ مخطوطات اردو، جلد اوّل، مرکزی اردو بورڈ،لاہور:۱۹۷۹ء، ص:۲۱۳۔۲۱۴

۷۶۔ میر محمدی بیدار، دیوان بیدار، مرتبہ جلیل احمد قدوائی،ہندوستانی اکیڈمی،الٰہ آباد:یو۔پی،۱۹۳۷ء، ص:۱۱۵

۷۷۔ قلندر بخش جرأت، کلیاتِ جرأت (جلد اوّل)، مرتبہ: ڈاکٹر اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۸ء، ص:۲

۷۸۔ انشا اللہ خان انشا، کلیاتِ انشا (جلد اوّل)، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۹ء، ص:۳

۷۹۔ راسخ عظیم آبادی، دیوانِ راسخ، مرتبہ: ڈاکٹر شکیب ایاز، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ: ۲۰۰۶ء، ص:۵۷،۵۸

۸۰۔ راسخ عظیم آبادی، مثنویاتِ راسخ، مرتبہ: ممتاز احمد، کتبۂ صوفی، پٹنہ:۱۹۵۷ء، ص:۴۔۵

۸۱۔ نور الانظار، مشمولہ: مثنویاتِ راسخ، ص:۳

۸۲۔ ایضاً، ص:۶۰

۸۳۔ میر نظام الدین ممنون، مختار اشعار، انتخاب از مولوی سیّد حسین بلگرامی، مطبع مفید عام، آگرہ: ۱۸۹۶ء، ص:۱۳

۸۴۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر، مطبع نولکشور، لکھنؤ:۱۲۹۷ء، ص:۳۲

۸۵۔ ایضاً، ص:۳۷

۸۶۔ رشید حسین خان، مضمون، معراج نامۂ ناسخ، مشمولہ: تلاش و تعبیر، دہلی اردو اکادمی، ۱۹۸۸ء، ص:۲۴۰

۸۷۔ رشید حسن خان، تلاش و تعبیر، ص:۲۴۱

۸۸۔ ایضاً، ص:۲۴۲

۸۹۔ ایضاً، ص:۲۴۳

۹۰۔ ایضاً، ص:۲۴۵

۹۱۔ میر مظفر حسین ضمیر لکھنوی، ریحان معراج، مشمولہ: میر ضمیر۔ تحقیقی مطالعہ، از ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، مکتبہ ادبستان، سری نگر:۱۹۷۲ء، ص:۱۳۳

۹۲ ۔ ایضاً، ص:۱۴۰

۹۳ ۔ ایضاً، ص:۱۵۷

۹۴ ۔ ایضاً، ص:۱۵۸

۹۵ ۔ ایضاً، ص:۲۰۵

۹۶ ۔ ایضاً، ص:۲۱۲

۹۷ ۔ مرزا سلامت علی دبیرؔ، مثنویات دبیر، مرتبہ: ڈاکٹر سیّد تقی عابدی، لاہور: س ن، ص:۲۴۹، ۲۵۰

۹۸ ۔ ایضاً، ص:۲۵۴

۹۹ ۔ ایضاً، ص:۲۷۷

۱۰۰ ۔ ایضاً، ص:۲۵۰

۱۰۱ ۔ ایضاً، ص:۲۵۵

۱۰۲ ۔ ایضاً، ص:۲۷۱

۱۰۳ ۔ میر ببر علی انیس، گلدستۂ انیس، مرتبہ: سیّد صغیر حسین نقوی، اردو پبلشرز، پٹنہ:۱۹۷۶، ص:۲۷

۱۰۴ ۔ ایضاً، ص:۲۳۱

۱۰۵ ۔ ایضاً، ص:۱۰، ۱۱

۱۰۶ ۔ مراثی انیس مرحوم، جلد دوم، اودھ پبلشنگ ہاؤس، لکھنؤ:۲۰۰۴ء، ص:۲

۱۰۷ ۔ دیوان رباعیات انیس، مرتبہ: ڈاکٹر سیّد تقی عابدی، شاہد پبلی کیشنز، نئی دہلی: س ن، ص:۲۳۲

۱۰۸ ۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق، کلیاتِ ذوق (جلد دوم)، مرتبہ: ڈاکٹر تنویر احمد علوی، مجلس ترقی ادب، س ن، ص:۱۸۶

۱۰۹ ۔ ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، سنگ میل، لاہور:۲۰۰۰ء، ص:۵

۱۱۰ ۔ مومن خان مومن، کلیاتِ مومن، مقدمہ از ڈاکٹر عبادت بریلوی، کتابی دُنیا، کراچی/لاہور: ۱۹۵۵ء، ص:۱۸۸

۱۱۱ ۔ ایضاً، ص:۴۲۴

۱۱۲ ۔ ایضاً، ص:۴۲۷

۱۱۳ ۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب، مثنویات غالب، مرتبہ: ظ۔ انصاری، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی: ۱۹۸۳ء، ص:۲۱۸

۱۱۴ ۔ میر مہدی مجروح، مظہر معانی، مرتبہ: ریاض احمد، مجلس ترقی ادب، لاہور:۱۹۷۸ء، ص:۱۱

۱۱۵ ۔ ایضاً، ص:۲۵۹

۱۱۶ ۔ ایضاً، ص:۲۶۰

۱۱۷ ۔ کرامت علی خان شہیدی، دیوانِ شہیدی، مطبع اسدی، لکھنؤ:۱۲۹۰ھ، ص:۴

۱۱۸ ۔ ایضاً،ص:۴،۵
۱۱۹ ۔ مولوی کفایت علی کافی، معراج نامہ، مطبع نول کشور، ۱۸۸۵ء، ص:۵۶
۱۲۰ ۔ ایضاً
۱۲۱ ۔ غلام امام شہیدؔ، ترجیع بند مشمولہ: ''گلزار احمدی در نعت'' مؤلفہ: شیخ عبدالقادر وفاؔ، مطبع محمدی، بمبئی:۱۳۰۳ھ، ص:۲۹
۱۲۲ ۔ ایضاً،ص:۲۹
۱۲۳ ۔ ایضاً،ص:۳۱
۱۲۴ ۔ امیر مینائی لکھنوی، محامد خاتم النّبیین، مطبع دار المطابع، حیدرآباد دکن:۱۸۷۲ء، ص:۱۰
۱۲۵ ۔ ایضاً،ص:۱۷
۱۲۶ ۔ ایضاً،ص:۲۷
۱۲۷ ۔ ایضاً،ص:۱۶۵
۱۲۸ ۔ ایضاً،ص:۱۸۸
۱۲۹ ۔ محسن کاکوروی، کلیاتِ نعت مولوی محمد محسن، مرتبہ: مولوی محمد نور الحسن، نامی پریس، کانپور: ۱۳۲۳ھ، ص:۱۱۵
۱۳۰ ۔ ایضاً،ص:۱۱۶
۱۳۱ ۔ ایضاً،ص:۲۰۸
۱۳۲ ۔ ایضاً،ص:۲۰۹
۱۳۳ ۔ ایضاً،ص:۲۱۳
۱۳۴ ۔ ایضاً،ص:۱۲۴
۱۳۵ ۔ ایضاً،ص:۱۲۵
۱۳۶ ۔ ایضاً،ص:۱۲۶
۱۳۷ ۔ ایضاً،ص:۱۳۰
۱۳۸ ۔ ایضاً،ص:۱۳۱
۱۳۹ ۔ ایضاً،ص:۱۴۰
۱۴۰ ۔ ایضاً،ص:۱۴۳
۱۴۱ ۔ ایضاً،ص:۱۴۵
۱۴۲ ۔ ایضاً،ص:۱۵۱
۱۴۳ ۔ سیّد محمد اسماعیل منیر شکوہ آبادی، کلیات منیر، مطبع ثمر ہندی، لکھنؤ:ص:۲۲،۳۲
۱۴۴ ۔ ایضاً،ص:۲۳

۱۴۵۔ ایضاً،ص:۲۳
۱۴۶۔ سیّد محمد اسماعیل منیر شکوہ آبادی، مثنوی معراج المضامین، مطبع خزینۃ الدرر، لکھنؤ:۱۲۹۱ھ، ص:۹
۱۴۷۔ ایضاً،ص:۱۳
۱۴۸۔ ایضاً،ص:۱۳
۱۴۹۔ منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی، کلیاتِ تسلیم، مطبع نول کشور، لکھنؤ:۱۲۸۸ھ، ص:۵
۱۵۰۔ منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی، مثنوی تاریخ بدیع، مطبع حسنی، رامپور:س ن، ص:۱۱، ۱۲
۱۵۱۔ محمد اسمٰعیل صبر رامپوری، مثنوی طلوع و غروب، ص:۲، ۳
۱۵۲۔ میر حسین علی یاس، مثنوی سرّ الغیب، مطبع اثنا عشری، لکھنؤ:۱۳۰۷ھ، ص:۲۲، ۲۳
۱۵۳۔ مولوی محمد علی محمد، مثنوی آثار محشر، مطبع نول کشور، لکھنؤ:بار پنجم، ۱۸۸۷ء، ص:۵
۱۵۴۔ مولانا الطاف حسین حالی، دیوانِ حالی، اُردو اکادمی، دہلی:۱۹۸۷ء، ص:۱۵۵، ۱۵۶
۱۵۵۔ فرمان فتحپوری، اُردو کی نعتیہ شاعری، حلقہ نیاز و نگار، کراچی:۱۹۷۴ء، ص:۱۴۳
۱۵۶۔ ایضاً،ص:۱۴۳
۱۵۷۔ ایضاً،ص:۱۴۳
۱۵۸۔ اسیر بدایونی، فروغِ لغت (۹)، اٹک:۲۰۱۵ء، ص:۴۷
۱۵۹۔ خواجہ قمر الدین راقم دہلوی، مرقعِ نعت، مطبع نظام المطابع، حیدر آباد دکن:س ن، ص:۲۴
۱۶۰۔ ایضاً،ص:۲۵
۱۶۱۔ ایضاً،ص:۲۶
۱۶۲۔ ایضاً،ص:۲۷
۱۶۳۔ ایضاً،ص:۲۹
۱۶۴۔ سیّد ہادی علی رواں، بوستانِ نعت، مطبع حقانی، دہلی:۱۳۲۴ھ، ص:۸
۱۶۵۔ شاد عظیم آبادی، ظہورِ رحمت، رحمانی پریس، پٹنہ، ۱۹۲۹ء، ص:۱۱۳
۱۶۶۔ ایضاً،ص:۱۲۶
۱۶۷۔ ایضاً،ص:۱۲۸
۱۶۸۔ احمد رضا خان بریلوی، حدائقِ بخشش، مکتبہ المدینہ، کراچی:۲۰۱۲ء، ص:۳۵۱
۱۶۹۔ ایضاً،ص:۲۹۵ تا ۳۰۰
۱۷۰۔ ایضاً،ص:۲۲۹
۱۷۱۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، مضمون: مولانا احمد رضا خان کی اُردو نعتیہ شاعری، مشمولہ: نعت رنگ، شمارہ:۱۸، کراچی:۲۰۰۵ء، ص:۵۹
۱۷۲۔ ایضاً،ص:۲۲۹

۱۷۳۔ ایضاً، ص:۲۳۰
۱۷۴۔ ایضاً، ص:۲۳۱
۱۷۵۔ ایضاً، ص:۲۳۲
۱۷۶۔ ایضاً، ص:۲۳۳
۱۷۷۔ ایضاً، ص:۲۳۴
۱۷۸۔ ایضاً، ص:۲۳۵
۱۷۹۔ ایضاً، ص:۲۳۶
۱۸۰۔ حسن رضا خان بریلوی، ذوقِ نعت، مکتبہ رضویہ، ۱۳۲۶ھ، ص:۸۴
۱۸۱۔ ایضاً، ص:۸۵
۱۸۲۔ سیّد صادق حسین غبار، دہلوی، قصائد، نعتیہ، نامی پریس، کانپور:۱۹۱۶ء، ص:۵۴
۱۸۳۔ ایضاً، ص:۲۱
۱۸۴۔ ایضاً، ص:۲۳
۱۸۵۔ ایضاً، ص:۲۸
۱۸۶۔ ایضاً، ص:۳۷
۱۸۷۔ ایضاً، ص:۳۸
۱۸۸۔ ایضاً، ص:۶۷
۱۸۹۔ ایضاً، ص:۸۲
۱۹۰۔ ایضاً، ص:۸۲
۱۹۱۔ اثر بدایونی، معراجِ حضور، مطبع نامی، کانپور:۱۳۲۸ھ، ص:۴
۱۹۲۔ ایضاً، ص:۷
۱۹۳۔ سیّد حیدر علی نظم طباطبائی، نظم طباطبائی جزو اوّل، رضوی پرنٹرز، حیدر آباد: س ن، ص:۳۳
۱۹۴۔ ایضاً، ص:۳۵
۱۹۵۔ ایضاً، ص:۳۵
۱۹۶۔ ایضاً، ص:۳۶
۱۹۷۔ ایضاً، ص:۳۷
۱۹۸۔ نظم طباطبائی، دیوانِ طباطبائی، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن:۱۹۳۳ء، ص:۵
۱۹۹۔ مولانا ظفر علی خان، بہارستان، اُردو اکیڈمی پنجاب، ۱۹۳۷ء، ص:۳۴
۲۰۰۔ جلیل مانک پوری، معراج سخن، نظامی پریس، لکھنؤ:۱۳۴۷ھ، ص:۵۶، ۵۷
۲۰۱۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، قصائد قاسمی، مطبع مجتبائی، ۱۳۰۹ھ، ص:۴

۲۰۲۔ ایضاً، ص:۵
۲۰۳۔ ایضاً، ص:۶
۲۰۴۔ اکبر وارثی، باغ کلامِ اکبر، کشمیری بازار، لاہور: س ن، ص:۱۱۱
۲۰۵۔ اکبر وارثی، ریاض اکبر، کشمیری بازار، لاہور: ۲۰
۲۰۶۔ ایضاً، ص:۲۳
۲۰۷۔ ایضاً، ص:۵۵
۲۰۸۔ اقبال سہیل، ارمغانِ حرم، مرکزِ ادب، لکھنؤ: ۱۹۶۰ء، ص:۱۴۲
۲۰۹۔ ایضاً، ص:۱۴۴
۲۱۰۔ ایضاً، ص:۱۴۸
۲۱۱۔ میرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی، صحیفۂ ولا، لکھنؤ: ۱۹۳۰ء، ص:۷، ۸
۲۱۲۔ ایضاً، ص:۹
۲۱۳۔ ایضاً، ص:۲۷
۲۱۴۔ ایضاً، ص:۲۹، ۳۰
۲۱۵۔ ایضاً، ص:۱۸
۲۱۶۔ ایضاً، ص:۱۹
۲۱۷۔ حمید صدیقی، گلبانگِ حرم، نامی پریس، لکھنؤ: ۱۹۴۱ء، س:۱۳۲
۲۱۸۔ صبا اکبر آبادی، دستِ دعا، جہانِ حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۱۳۰
۲۱۹۔ ایضاً، ص:۱۳۴
۲۲۰۔ ایضاً، ص:۱۳۵
۲۲۱۔ ایضاً، ص:۱۳۶
۲۲۲۔ ایضاً، ص:۱۳۷
۲۲۳۔ بہزاد لکھنوی، بیانِ حضور، ساقی بک ڈپو، دہلی: ۱۹۴۲ء، ص:۹۵
۲۲۴۔ ایضاً، ص:۹۷
۲۲۵۔ ضیاء القادری بدایونی، نغمۂ ربانی، عثمانی پریس، بدایون: ۱۹۳۹ء، ص:۴۳
۲۲۶۔ ایضاً، ص:۴۴
۲۲۷۔ ایضاً، ص:۴۶، ۴۷
۲۲۸۔ ایضاً، ص:۴۸، ۴۹
۲۲۹۔ ماہر القادری، کلیاتِ ماہر، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، ادارہ تعمیرِ ادب، لاہور: ۱۹۹۴ء، ص:۹۲، ۹۳

۲۳۰ ۔ ایضاً،ص:

۲۳۱ ۔ ایضاً،ص:۸۲۴،۸۲۵

۲۳۲ ۔ ماہر القادری،سازو آہنگ،مکتبہ قصر الادب،۱۹۴۱،ص:۲۵۱

۲۳۳ ۔ سیّد شمس بخاری،جمالِ محمد،ادارہ اشاعت تفسیر،کراچی:۱۳۰۴ھ،ص:۴

۲۳۴ ۔ نذر صابری،معراج نامہ،مشمولہ:سہ ماہی فروغِ نعت،اٹک:شمارہ۸،ص:۲۰۱۵ء،ص:۱۰۸

۲۳۵ ۔ ایضاً،ص:۱۰۹

۲۳۶ ۔ ایضاً،ص:۱۱۰

۲۳۷ ۔ ایضاً،ص:۱۱۴

۲۳۸ ۔ نذر صابری،بحوالہ پروفیسر شوکت محمود شوکت،سہ ماہی دھنک رنگ،شمارہ۳،۲۰۱۹ء،ص:۳۴۱

۲۳۹ ۔ فروغِ نعت،(۸)،ص:۱۱۷

۲۴۰ ۔ سیّد محمد اشرفی جیلانی،کچھوچھوی،معراج نامہ،مشمولہ:"جہانِ نعت" (قصیدۂ معراج نمبر)،شمارہ ۱۰،حیدرآباد دکن:۲۰۱۶ء،ص:۱۰۲

۲۴۱ ۔ ایضاً،ص:۱۰۴

۲۴۲ ۔ ایضاً،ص:۱۰۸

۲۴۳ ۔ ایضاً،ص:۱۱۶

۲۴۴ ۔ ایضاً،ص:۱۱۸

۲۴۵ ۔ ایضاً،ص:۱۳۰

۲۴۶ ۔ سیماب اکبر آبادی،سازِ حجاز،سیماب اکیڈمی،پاکستان،س۔ن،ص ۴۱

۲۴۷ ۔ ایضاً،ص:۴۰

۲۴۸ ۔ ایضاً،ص:۴۲

۲۴۹ ۔ ایضاً،ص:۴۴

۲۵۰ ۔ اختر الحامدی،مثنوی،مشمولہ:فروغ نعت شمارہ۹،اٹک:۲۰۱۵ء،ص:۲۸

۲۵۱ ۔ ایضاً،ص:۲۹

۲۵۲ ۔ ایضاً،ص:۳۱

۲۵۳ ۔ وزیر الحسن عابدی، فروغ نعت (۹)،ص:۲۴

۲۵۴ ۔ ایضاً،ص:۲۶

۲۵۵ ۔ طارق سلطان پوری، فروغ نعت (۹)،ص:۶۲

۲۵۶ ۔ ایضاً،ص:۶۲

۲۵۷ ۔ مظفر وارثی، بابِ حرم، القمر انٹرپرائزز، لاہور: س ن، ص:۴۱

۲۵۸ ۔ ایضاً،ص:۴۲

۲۵۹ ۔ راجا رشید محمود، خواہشِ وصل کی تکمیل، مشمولہ: نعت کائنات، ص:۴۱۲

۲۶۰ ۔ ایضاً،ص:۴۱۳

۲۶۱ ۔ ایضاً،ص:۴۱۳

۲۶۲ ۔ ایضاً،ص:۴۱۳

۲۶۳ ۔ ایضاً،ص:۷۷

۲۶۴ ۔ ابوالحسن واحد رضوی، معراج نامہ، آستانہ عالیہ، فیض آباد شریف-اٹک: ۲۰۱۳ء، ص:۴۳، ۴۴

۲۶۵ ۔ صفوت علی صفوت، مثنوی رسول، بحوالہ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، نعت رنگ، کراچی: شمارہ ۲۹، اکتوبر ۲۰۱۹ء، ص:۱۵۱

۲۶۶ ۔ ایضاً،ص:۱۴۶

۲۶۷ ۔ ایضاً،ص:۱۴۸

۲۶۸ ۔ صفوت علی صفوت، مثنوی رسول، بحوالہ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، نعت رنگ، کراچی: شمارہ ۲۲، ستمبر ۲۰۱۱ء، ص:۱۷۹

۲۶۹ ۔ نعت رنگ، (۲۹)، ص:۱۴۳

۲۷۰ ۔ ایضاً،ص:۱۵۲

۲۷۱ ۔ نعت رنگ، شمارہ ۳۰، نومبر ۲۰۲۰ء، ص:۲۹۴

۲۷۲ ۔ ایضاً،ص:۲۹۵

۲۷۳ ۔ ایضاً، ص:۲۹۷

۲۷۴ ۔ ہلال جعفری، معراج مصطفیٰ، دانشکدۂ اوصاف، ملتان:۱۹۶۶ء، ص:۱۷

۲۷۵ ۔ ایضاً، ص:۲۹

۲۷۶ ۔ نعیم تقوی، نعت کائنات، مرتبہ: راجا رشید محمود، ص:۴۸۷

۲۷۷ ۔ حفیظ صدیقی، نعت کائنات، ص:۴۹۴

۲۷۸ ۔ قیصر بارہوی، بارگاہ، بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، لاہور:۱۹۹۲ء، ص:۱۳

۲۷۹ ۔ ایضاً، ص:۱۵

۲۸۰ ۔ ایضاً، ص:۱۷

۲۸۱ ۔ ظفر شارب، کاسۂ فکر، علی محتشم، لاہور: س ن، ص:۴

۲۸۲ ۔ ایضاً، ص:۶

۲۸۳ ۔ اصغر سودائی، فروغ نعت(۹)، ص:۵۳

۲۸۴ ۔ فدا بخاری، فروغ نعت(۹)، ص:۵۴

۲۸۵ ۔ طارق مسعود، فروغ نعت(۹)، ص:۵۰

۲۸۶ ۔ انجم نیازی، نئی صدی نئی نعت، مرتبہ: خورشید ربانی، اسلام آباد:۲۰۱۳ء، ص:۱۰۳تا۱۰۵

۲۸۷ ۔ قمر یزدانی، ساغرِ کوثر، مکتبہ اشرفیہ، شیخوپورہ، ص:۱۹۸۸ء، ص:۴۸

۲۸۸ ۔ ایضاً، ص:۵۰

۲۸۹ ۔ ایضاً، ص:۵۲

۲۹۰ ۔ حافظ مظہر الدین، تجلیات، حریمِ ادب، راولپنڈی، ۱۹۹۳ء، ص:۷۸

۲۹۱ ۔ ایضاً، ص:۱۱۲

۲۹۲ ۔ ایضاً، ص:۱۳۳

۲۹۳ ۔ ایضاً، ص:۱۳۴

۲۹۴ ۔ واصف علی واصف، شبِ چراغ، کاشف پبلی کیشنز، س ن، ص:۲۶

۲۹۵ ۔ ایضاً، ص:۲۶

۲۹۶ ۔ ایضاً، ص:۲۸

۲۹۷ ۔ عزیز حاصل پوری، نعت کائنات، ص:۴۰۳

۲۹۸ ۔ ایضاً، ص:۴۰۳

۲۹۹ ۔ ایضاً، ص:۳۷۹

۳۰۰ ۔ حفیظ تائب، کلیاتِ حفیظ تائب، حفیظ تائب فاؤنڈیشن، ۲۰۰۵ء، ص:۱۹۵

۳۰۱ ۔ نظیر لدھیانوی، نعت کائنات، ص:۶۴۴

۳۰۲ ۔ سراج آغائی، فروغ نعت(۹)، ص:۴۰

۳۰۳ ۔ ندیم مراد آبادی، فروغ نعت(۹)، ص:۶۰

۳۰۴ ۔ شیو ابریلوی، فروغ نعت(۹)، ص:۶۰

۳۰۵ ۔ محشر بدایونی، ماہنامہ نعت، لاہور: جلد ۴، شمارہ ۷، ۱۹۹۱ء، ص:۴۷

۳۰۶ ۔ ایضاً، ص:۷۶

۳۰۷ ۔ ایضاً، ص:۷۶

۳۰۸ ۔ شاہد نقوی، صراط و سلسبیل، ادارۂ تقدیس قلم، کراچی: ۱۹۹۴ء، ص:۲۷

۳۰۹ ۔ ایضاً، ص:۲۷،۲۸

۳۱۰ ۔ ایضاً، ص:۳۰

۳۱۱ ۔ ایضاً، ص:۳۰

۳۱۲ ۔ ایضاً، ص:۳۰

۳۱۳ ۔ ایضاً، ص:۳۱

۳۱۴ ۔ خبیر لکھنوی، نعت کائنات، ص:۵۵۰

۳۱۵ ۔ سرفراز، حسین رضوی، فروغ نعت(۹)، ص:۵۶

۳۱۶ ۔ خلیق قریشی، فروغ نعت(۹)، ص:۴۸

۳۱۷ ۔ شوکت محمود شوکت، فروغ نعت(۹)، ص:۸۰

باب سوم

واقعۂ معراج بطور شعری استعارہ

فصل اوّل: اُردو غزل میں تلمیحی و استعاراتی اظہار
فصل دوم: جدید اُردو نظم میں معراجیہ عناصر
فصل سوم: اقبال کی شاعری میں تصورِ معراج (خصوصی مطالعہ)

فصل اوّل:

اُردو غزل میں تلمیحی واستعاراتی اظہار

غزل بظاہر قیود کی پابند معلوم ہوتی ہے مگر قرائن کی بو قلمونی میں اس کا جواب نہیں۔ غزل مجازی قرینوں میں حقیقت کی پردہ دری کرنے کی متحمل ہے اس کے خمیر میں انسان کے داخل و خارج کے سبھی حوالے مربوط ہوتے ہیں اسی لیے مجاز کا اظہار کرنے میں بھی غزل گو شاعر کے تخلیقی لاشعور میں موجود حقیقی احساسات و عقائد الفاظ کے باطن میں جھلکتے ہیں۔ ہمارے ہاں غزل کے علائم و رموز نے علاقے، تہذیب، عقائد، معاشرت اور تاریخ، سبھی سے اکتساب کیا ہے۔ ہر عہد میں مروّجہ علامتوں میں معنیاتی وسعت بھی پیدا ہوئی جس نے غزل کی جہات بھی بڑھا دیں۔ اساطیری و تہذیبی حوالوں کے علاوہ مذہبی حوالے بھی تلمیحی و استعاراتی انداز میں معنی کا دائرہ وسیع کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں اُردو غزل میں مذہبی حوالے سے جن تاریخی واقعات کے تلمیحی و علامتی استعمال کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ان میں طوفانِ نوح، حضرت ابراہیمؑ کی قربانیاں اور آزمائشیں، حضرت عیسیٰؑ کے معجزاتِ مسیحائی اور ان کا مصلوب ہونا، حضرت موسیٰؑ کا یدِ بیضا اور کوہِ طور کا واقعہ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی جدائی کا قصہ، یوسفؑ کے بھائیوں کا سلوک، زلیخا کا قصہ، حضرت خضرؑ کی روایات، حضور پاک ﷺ کے غزوات اور ہجرت، حسین ابن علیؑ کی عظیم قربانی، منصور کا دار تک جانا۔۔۔ وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ واقعۂ معراج اور اس کے تلازمات کو غزل کی رمزیت اور تہ داری سے کشید کر کے دیکھنے کی کاوشیں نظر نہیں آتیں۔ بالعموم معجزاتِ نبویؐ کے مطالعے کو نعتیہ ادب سے مخصوص کیا گیا ہے لیکن غزل کی رمزیت اور ایمائیت کا مذکورہ بالا پہلو سے تجزیہ کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہر عہد میں معراج سے منسلک پیرایہ ہائے اظہار غزل میں موجود نظر آتے ہیں۔

ولیؔ دکنی کے کلام میں اسلامی تشبیہات و تلمیحات مثلاً قرآن، کعبہ، مسجد، عیسیٰ، طور، شق القمر سبھی کا ذکر موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکِ حقیقت کا ایک نگاہ میں مشاہدہ، لامکاں کی طلب، فلک پر رسائی، آہ کا نو افلاک سے گزرنا، عرش کے قدسیوں اور حدِّ بشر کا ذکر، سیر عالمِ بالا اور شہپرِ روح الامیں کا ذکر، یہ سب تلازمات معراج سے مربوط ہیں۔ درج ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں:

دیکھا ہے یک نگہ میں حقیقت کے ملک کوں
جب بے خودی کی راہ میں دل نے سفر کیا[۱]

ولیؔ جنت منیں رہنا نئیں درکار عاشق کُوں
جو طالب لامکاں کا ہے اسے مسکن سے کیا مطلب[۲]

شعلے کوں دل کے سہج ہے جانا فلک اُپر
برپا کیا ہوں آہ سوں میں نردبان آج[۳]

رات کو آؤں اگر تیری گلی میں اے حبیب
زیورِ لب ذکر سبحان الذی اسریٰ کروں[۴]

آرزو دل میں یہی ہے وقت مرنے کے ولیؔ
سر و قد کوں دیکھ سیر عالمِ بالا کروں[۵]

پڑھتے ہیں ولیؔ شعر ترا عرش پہ قدسی
باہر ہے تری فکرِ رسا حدِّ بشر سُوں[۶]

اے رشک مہرِ انور ٹک مہر سوں خبر لے
گزری ہے آہ میری تجھ غم میں نُہ فلک سوں[۷]

مرے حق میں عنایت نامۂ یار
مثال شہپرِ روح الامیں ہے[۸]

سراجؔ اورنگ آبادی نے عشقیہ شاعری کے علاوہ احساسات اور حقائق کے بیان میں بھی معراج کے متعلقات کو تلمیحی و استعاراتی پیرائے میں استعمال کیا کہیں یہ ذکر براہِ راست اور کہیں بالواسطہ قاری کے ذہن کو واقعۂ معراج کی طرف منتقل کر دیتا ہے:

سرو قامت کوں بھر نظر دیکھا
قمریِ دل کا ہے یہی معراج[۹]

ہے کمندِ جہاں سے جس کوں خلاص
خلوتِ قدس میں خاص الخاص[۱۰]

آہ میری ہے صورِ اسرافیل
جل گئے جس سبب پرِ جبریل[۱۱]

آج کی رات عجب رات مبارک ہے سراجؔ
اس کی صورت کوں ہے معراج مری آنکھوں میں[۱۲]

گلستانِ خوبی میں اے حُور پیکر
ترا سرو قد سدرۃ المنتہٰی ہے[۱۳]

خواب میں وہ زلفِ مشکیں دیکھنا
حق میں میرے لیلۃ المعراج ہے
دیکھ کر لشکر غنیمِ عشق کا
کشورِ عقل و خرد تاراج ہے[۱۴]

جس طرح دکن کی شعری روایت میں معراج کے حوالے مستقل نظر آتے ہیں بعینہٖ مذکورہ بالا نکات شمالی ہند کی شاعری میں بھی بآسانی مطالعہ کیے جاسکتے ہیں قدیم شعرائے دلّی کے ہاں ایہام گوئی کے زیرِ اثر کلام کی دیگر خوبیاں زیادہ وسیع نہیں ہونے پائیں لیکن عشق یا عاشق کا عالمِ دگر تک رسا ہونا، آسماں نشینی یا لامکانی، یا مقامِ سدرہ کی تلمیحات ضرور ملتی ہیں۔ حاتمؔ کے یہ اشعار دیکھیے:

جو گزرا عرش سے یہ نُہ فلک کرسی ہے اُس آگے
کرے ہے لامکاں کی سیر عاشق چھوڑ نو محلا[۱۵]

جب وہ دیکھے ہے میری جاں کی طرف
دیکھتا ہوں میں آسماں کی طرف
پَر نہ جل جائیں ٹک سمجھ کے ہما
دیکھیو میرے استخواں کی طرف[۱۶]

شوق ہے گر سیر بالا کا تو حاتم ہو سوار
کہکشاں سے کھینچ کر لایا ہوں اب تنگِ فلک(۱۷)

تکلف بر طرف سو سدرہ و طوبیٰ سے بہتر ہے
میرے سر پر ترا یہ سایۂ دیوار دنیا میں(۱۸)

اُٹھا کر خاک سے حاتمؔ چڑھایا آسماں اوپر
مرے اللہ نے بندہ نوازی اس کو کہتے ہیں(۱۹)

جو ہوا سرِّ عشق سے آگاہ
آگے مرنے سے آپ مرتا ہے
اس کو ہر آن ہر قدم ہر دم
از ثریٰ سیر تا ثریا ہے(۲۰)

ابھی مسند نشینِ طارمِ افلاک ہو جاوے
جو سب کچھ چھوڑ دل تیرے قدم کی خاک ہو جاوے(۲۱)

اس طرح آبروؔ کے اس شعر کا مزاج ملاحظہ ہو:

دل تو دیکھو آدمِ بیباک کا
عشق سِیں پھرتا ہے پُتلا خاک کا(۲۲)

میر تقی میرؔ کی غزل میں بھی افلاک کے پاس رسائی کا ذکر، سوارِ ممدوح کا روح الامین کی پرواز سے تقابل، عظمتِ انسان کا بیان، دل کی عرش تک وسعت اور پرواز، یہ سب تلازمات معراج سے جڑے ہوئے ہیں:

آہ نکلی جو مرے منھ سے تو افلاک کے پاس
اس کے آشوب کے عہدے سے بر آیا نہ گیا(۲۳)

ہیں مشتِ خاک لیکن جو کچھ ہیں میرؔ ہم ہیں
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا(۲۴)

سنیو جب وہ کبھی سوار ہوا
تا بہ روح الامیں شکار ہوا(۲۵)

ہے فرش عرش تک بھی قلب حزیں کا اپنے
اس تنگ گھر میں ہم نے دیکھی ہیں کیا فضائیں(۲۶)

فرشتہ جہاں کام کرتا نہ تھا
مری آہ نے برچھیاں ماریاں
کہاں تک یہ تکلیف مالا یطاق
ہوئیں ایک دن ناز برداریاں(۲۷)

دل کا مکاں پھر اس کا کیا صحن ، میرؔ لیکن
غالب ہے تو سعی میں میدانِ لامکاں پر(۲۸)

دل اور عرش دونوں پہ گویا ہے ان کی سیر
کرتے ہیں باتیں میرؔ جی کس کس مقام سے(۲۹)

مشکل ہے ہونا روکش رخسار کی جھلک کے
ہم تو بشر ہیں اس جا جلتے ہیں پَر ملک کے(۳۰)

میرؔ کے ہاں عشق کا ایک وسیع تصور ہے جو مکان ولامکاں کو محیط ہے اس اعلیٰ وارفع تصور کو میرؔ نے جن پیرایہ ہائے اظہار میں بیان کیا ہے ان میں اسی معراجِ عشق کی تفسیر چھپی ہوئی ہے جس کا مظہر معراج کا فقید المثال واقعہ ہے:

عشق ہے باطن ، اس ظاہر کا، ظاہر باطن عشق ہے سب
اودھر عشق ہے عالمِ بالا ایدھر کو دنیا ہے عشق
دائر سائر ہے یہ جہاں میں جہاں تہاں تصرّف ہے
عشق کہیں ہے دل میں پنہاں اور کہیں پیدا ہے عشق
موج زنی ہے میر فلک تک ہر لجہ ہے طوفاں زا
سر تا سر ہے تلاطم جس کا وہ اعظم دریا ہے عشق(۳۱)

خواجہ میر دردؔ کی متصوفانہ حیثیت نے دردؔ کی غزل میں احترامِ آدمیت اور اخلاق کے پہلو نمایاں رکھے۔ ان کی شاعری وارداتِ قلبی اور تجرباتِ باطنی کا مظہر ہے۔ دردؔ خود اسے گلزارِ معرفت گردانتے ہیں۔ دردؔ نے عشق حقیقی و عشق مجازی دونوں کا اظہار ارفع علامات و قرائن میں کیا ہے۔ دردؔ کے نزدیک جذبۂ عشق تقویمِ کائنات کا باعث انسان کے لیے مقصدِ زندگی اور باعث علویت ہے۔ اگرچہ ان کے ہاں مجاز و حقیقت باہم پیوست ہیں لیکن درد کے جو اشعار بظاہر مجازی قرینہ رکھتے ہیں ان میں پنہاں حقیقت کا ادراک گہرے غور و فکر کا متقاضی ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"ایک بزرگ نے جب میر درد کے دو شعر یہ کہہ کر سنائے کہ ان میں رسولِ خداؐ کے معراج پر جانے اور اس کے بعد فراق و ہجر کی پوری داستان چھپی ہوئی ہے تو ہمیں ان نئے معنی اور نئی وسعتوں کا پتہ چلا حالانکہ اب تک ہم "بوسہ بہ پیغام" کی لذت اور قربت و دوری کے عشقیہ پہلو ہی سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔"(۳۲)

جمیل جالبی نے درج ذیل اشعار کا حوالہ دیا ہے:

مُدّت سے وہ تپاک تو موقوف ہو گئے
اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا(۳۳)

گھر تو دونوں پاس ہیں لیکن ملاقاتیں کہاں
آمد و رفت آدمی کی ہے پہ وہ باتیں کہاں(۳۴)

"شرح دیوانِ درد"(۳۵) میں بھی مذکورہ اشعار کے بیان کردہ مطالب سے اندازہ ہوتا ہے کہ محض غزل کے مجازی قرینے کو دیکھ کر یہ سرسری فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ بباطن ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔

دردؔ کی شاعری کا ایک اہم پہلو عظمتِ انسان ہے فکر کے اس بنیادی پہلو کو دردؔ نے کئی طرح سے بیان کیا ہے۔ درج ذیل شعر میں انسانی رفعت کی مثال واقعۂ معراج کے استعارے سے دی ہے:

باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وھاں یہ پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا(۳۶)

نوعِ انساں کی بزرگی سے ٹک ایک
حضرتِ جبریل محرم ایک ہیں(۳۷)

سوداؔ نے بھی غزل میں ایسے تلازمات استعمال کیے ہیں کہ مشتِ خاک کی لامکاں تک رسائی کا ذکر پڑھ کر قاری جان لیتا ہے کہ شاعر کا تخیل کن عناصر سے بہرہ مند ہے۔ سوداؔ کی غزلیات سے یہ مثالیں ملاحظہ ہوں:

نہ بارِ خاطر یہ دل ہے گُل کا ، نہ ناز بردار گلستاں کا
برنگِ شبنم ہے خود سبکبار ، سیر فرمائے لامکاں کا(۳۸)

پاتا ہوں دماغ اس کے قدم رکھنے کا ایسا
گویا ہے مرے یار کی رفتار فلک پر(۳۹)

تُو ٹک جگر تو میرے مرغِ نامہ بر کا دیکھ
کہ واں اڑے ہے جہاں پر جلَیں فرشتے کے(۴۰)

شاعر جب تخلیقی عمل سے گزرتا ہے تو اس کا تخیل ذاتی واردات کے علاوہ اجتماعی لاشعور میں محفوظ عوامل سے بھی مستفیض ہوتا ہے۔ پھر شاعر خواہ دانستہ کوئی چھاپ لگانا، نہ بھی چاہے، تخیل اور احساس بے ارادہ ہی اپنے بنیادی سرچشموں کا پتہ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزل میں نہ صرف معراج کی معروف روایات بطور تلمیح شامل ہیں بلکہ بسا اوقات شعرا نے تصوراتِ عشق اور وسعتِ امکاناتِ آدم کو بیان کرنے میں بے ساختہ ایسا استعاراتی اظہار اپنایا ہے کہ اس واقعے کا ہمارے اجتماعی اور تخلیقی لاشعور میں موجود ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں رہتا۔ درج ذیل مثالیں دیکھیے:

فلک پہ آج غُل ہے کس کے ملنے کا کوئی پوچھے
یہ ایسا کون بختاور ہے جس کا بخت ہے جاگا(۴۱)

گئی عرش تک آہ آ کے بتاؤ
یہ دل سیر کرتا ہے اس لامکاں کی(۴۲)

ساتوں فلک کے دل میں سوراخ دیکھ لیجو
نکلی اگر جگر سے یہ آہِ عرش فرسا(۴۳)
(میر سوزؔ)

سیر اس کوچے کی کرتا ہوں کہ جبریل جہاں
جا کے بولا کہ بس اب آگے میں جل جاؤں گا(۴۴)
(قائم)

تصرّف دیکھیو ٹک جذبۂ عشقِ حقیقی کا
گیا لے فرش سے تا عرش مشتِ خاکِ آدم کو
نہ واقف کارواں سے ہوں نہ کچھ آگاہ منزل سے
کیا میں وادئ اُلفت کو طے اک جنبشِ دل سے(۴۵)
(شیخ قدرت اللہ قدرت)

لکھنوی شاعری معاشرتی تعیّش کی بنا پر معاملہ بندی، تصنّع اور تکلف سے عبارت ہے اس کے علاوہ شعر کی ظاہری صورت پر زیادہ توجہ مرکوز ہونے کے باعث صنائع وبدائع کا استعمال کثرت سے ملتا ہے، لکھنوی شعرا کے ہاں بھی معراج سے ماخوذ تشبیہات، استعارات اور تلمیحات جابجا موجود ہیں۔ مصحفی کے کلیات میں یہ حوالے مختلف انداز سے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ بعض اشعار وہ ہیں جن میں براہِ راست معراج کا حوالہ ہے:

ایک نالے پہ ہے معاش اپنی
ہم غریبوں کی ہے یہی معراج(۴۶)

نالہ جاتا ہے تابہ عرش بریں
ہے شبِ ہجر اسے شبِ معراج(۴۷)

بیشتر شعرا میں مرغوب ترین تلمیح مقامِ سدرہ کی ہے جہاں سے آگے جبریل پرواز نہ کر سکے۔ مصحفی کے ہاں اس کی مثالیں دیکھیے:

کیا تاب کبوتر جو مرے نامے کو لے جائیں
واں طاقتِ پرواز نہیں روح الامیں کو(۴۸)

جس گلی میں کہ فرشتے کے بھی پر جلتے ہیں
کب یہ ممکن ہے کہ واں اڑ کے کبوتر پہنچے(۴۹)

جس گلی میں نہ صبا اور نہ کبوتر پہنچے
مشتِ خاک اپنی کی طاقت ہے کہ اڑ کر پہنچے(۵۰)

طائرِ سدرہ سے میں تیز پری کرتا ہوں
دیکھیو پہنچی ہے یارو مری پرواز کہاں(۵۱)

پا نہیں سکتا وہ اپنے رتبۂ پرواز کو
اڑتے اڑتے طائرِ سدرہ کا دم چڑھ جائے ہے(۵۲)

بام تک اس کے بھلا کیونکہ کبوتر پہنچے
واں تو جلتے ہیں مرے نالۂ شب گیر کے پر(۵۳)

تیر گیا فلک کے پار غمزۂ جور کیش نے
نیتِ مرغِ سدرہ کر زہ پر جو فاق رکھ دیا(۵۴)

طائرانِ سدرہ جو آ آ کے نت پھنستے رہے
کیا مزہ تھا اس کی زلفِ پر شکن کی قید میں(۵۵)

پھر مصحفی نے عرش بریں سے متعلق ایسے تلازمات بھی استعمال کیے ہیں جو قاری کے ذہن کو معراج کی طرف متوجہ کرتے ہیں:

فرش پر اس کے قدم ہے اے دل
عرش پر باز کیا چاہیے اب(۵۶)

میں کنگرۂ عرش سے پَر مار کے گزرا
اللہ رے رسائی مری پرواز تو دیکھو(۵۷)

کیا پہنچے ہے رُتبے کو مرے مجھ سے فروتر
کیا قدر ہے کرسی کی جہاں عرشِ بریں ہو(۵۸)

اگر اے مصحفؔی ہو قصد تیرا
تو دُور اتنا نہیں عرشِ بریں کچھ(۵۹)

جب پائے رخشِ خوبی ہو ہفتم آسماں پر
خورشید و ماہ لیویں اس کی رکاب کیونکر(۶۰)

فراق کا نہ رہے نام اور نشاں باقی
جو چاہ مرتبۂ اتحاد کو پہنچے(۶۱)

مصحفی کے ایک شعر کے حوالے سے مبین مرزا لکھتے ہیں:

"لوح و قلم و کرسی و عرش اور یہ افلاک
اونچے ہیں پہ ہیں قوت ادراک کے نیچے

یہاں قوت ادراک کے بیان میں انسان کو ودیعت کی گئی اسی اہلیت اور استعداد کی طرف اشارہ ہے جس کی بنا پر اسے اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے یہ شعر کی عام فہم سطح کے معنی ہیں لیکن اگر اس نکتے کو معراج سے جوڑ کر دیکھا جائے تو بات اور انداز سے سمجھ میں آتی ہے۔ معراج کی معنویت کے فہم کا ایک رُخ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ انسانی ادراک کے لیے تحریک کا سامان رکھتا ہے اس زاویے کو پیشِ نظر رکھا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ یہ واقعہ انسانی قوت ادراک کے لیے غور و فکر اور ایمان و یقین کے کیسے در وا کر رہا ہے۔"(۶۲)

سیّد انشاء نے اپنی زبان دانی کی بنا پر اردو غزل میں ایک نئی طرز کا آغاز کیا ان کی شاعری محاسن و معائب دونوں سے پُر ہے۔ انشا کی غزل میں داخلی و خارجی رنگ موجود ہیں۔ تصوف، سیاست، حسن و عشق کے تصورات، سبھی کچھ موجود ہے اور معاملاتِ عشق میں انہیں سدرہ کی تلمیح بے حد مرغوب ہے۔ سفر معراج میں مقامِ سدرہ جبریلؑ کے لیے آخری حد ہے۔ انشا اس کا ذکر مختلف انداز سے بارہا کرتے ہیں۔ کبھی عشق کی رسائی کو ان استعاروں میں ظاہر کرتے ہیں کبھی آہ کی رسائی کا ذکر ان حوالوں سے کرتے ہیں کبھی معارف کے بیان کے لیے یہ علامتیں استعمال کرتے ہیں۔ کلیاتِ انشاؔ سے اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

بالکوں بالوں نے اکثر اپنے بھی اے جبرئیل
سدرہ کے سایے تلے جا کر جمایا بسترا(۶۳)

رہروانِ عشق نے جس دم علَم آگے دھرا
سدرہ کے سائے میں دم لے پھر قدم آگے بھرا(۶۴)

تم نے سکھا دیا کیا جبریل کو نہ جانے
جھٹ زیرِ سدرہ اس نے جو بسترا جمایا(۶۵)

اس سے خلوت ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے
واسطے دو دن کے عرشِ کبریائی مانگتا(۶۶)

سدرہ تک آن تو پہنچا ہوں ولے قصد ہے یہ
کہ بڑھوں اور بھی دو چار قدم یا معبود(۶۷)

پہنچی اگرچہ سدرہ تلک ہے ادب بھی شرط
اے مدِّ آہ شہپرِ روح الامیں نہ چھیڑ(۶۸)

جب سدرہ کے سائے سے گزرتی ہے مری آہ
بے ساختہ جل جاتی ہے جبریل کی گردن(۶۹)

طرز نالیدن انشا جو اڑائی تو وہیں
طائر سدرہ بہم کرتے ہوئے جنگ اڑے(۷۰)

ادب گر حضرتِ جبریل کا مانع نہ ہو مجھ کو
تو شاخِ سدرہ سے میری یہ آہ ناتواں لپٹے(۷۱)

جرأت کا نام معاملہ بندی سے مخصوص ہے لیکن ان کے کلام میں عارفانہ حقائق بھی مذکور ہوتے ہیں جن کے بیان میں معراج سے متعلق اشارے ملتے ہیں جو کبھی عشق کے سلسلے میں اور کبھی عظمتِ آدم کے سلسلے میں ہیں اور کبھی تلمیحاً یہ ذکر ملتا ہے:

گر کرے پرواز اب یہ عرش پر جرأت تو کیا
خاک میں مل جائے گا آخر یہ پتلا خاک کا(۷۲)

تا فلک لے گئی بیتابیِ دل تب بولے
حضرت عشق کہ پہلا ہے یہ زینہ اپنا(۷۳)

گر جرأتِ غمیں کو فلک پر کوئی بٹھائے
اندوہ کا بسائے دیار آسمان پر(۷۴)

کیوں کہ جرأت لگائیں ہم لگّا
کہ فرشتے کا واں لگاؤ نہیں(۷۵)

ملا آدم کو یہ رتبہ کہ پہنچا عرش سے بالا
سمجھ کر زینہ ہائے نردباں نُہ آسمانوں کو(۷۶)

باطن میں تو ہے عرش پہ پرواز ہماری
ظاہر میں میاں جرأت اگر ہم کو نہیں کچھ(۷۷)

عرش پرواز ہے بس کنجِ قناعت میں وہی
جو پرِ حرص بمقراض توکّل کترے(۷۸)

وسعت دل کیا بیاں کیجیے کہ ہم دل میں سدا
سیر عرش و کرسی و لوح و قلم دیکھا کیے(۷۹)

ناسخؔ نے زبان اور شاعری کو قواعد و ضوابط عطا کیے۔ دوسری طرف غزل میں بھی بلند پروازی اور نازک خیالی دکھائی ہے جس کی بنیاد بعید المآخذ تشبیہوں اور استعاروں پر ہوتی ہے۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جہاں اشعار میں موجود قرینے متعلقاتِ معراج پر دلالت کرتے ہیں:

لوٹتے ہیں خاک میں آنکھیں لگی ہیں سُوئے بام
مرتے ہیں معراج پر افتادگان کوئے دوست(۸۰)

خواہشِ دیدار میں ہے تارِ نگہ جسمِ زار
طے میں اک لمحے میں کر جاتا ہوں راہِ دُور کو(۸۱)

پرِ پروانہ ہے کیا شمع رُخِ جاناں پر
گر فرشتہ بھی کوئی آئے تو شہپر جل جائے(۸۲)

تنزّل میں ترقی کرتی ہے افتادگی ناسخؔ
کہ معراجِ شجر پانی نے پایا خاکساری سے(۸۳)

آتشؔ کے فقیرانہ، قلندرانہ رنگِ شاعری میں عشق و محبت کے اسرار و رموز بیان ہوتے ہیں۔ آتش ان کے اظہار کو دیگر لوازمات کے علاوہ معراج سے متعلق تشبیہات و استعارات اور تلمیحات بھی استعمال کرتے ہیں جن میں معراج، پروازِ جبرئیل، مقامِ سدرہ، سیر افلاک، سیر عرش، اور لامکاں کی تلمیحات شامل ہیں:

لے جائے خطِ شوق کبوتر غریب کیا
واں جس جگہ مقام نہیں جبرئیل کا(۸۴)

نہ کرتی عقل اگر ہفت آسماں کی سیر
کوئی یہ سات ورق کا رسالہ کیا کرتا(۸۵)

عرش کی سیر ریاضت نے مجھے دِکھلائی
دخلِ مزدور ہے سلطان کے محل میں ہوتا(۸۶)

کیوں نہ معراجِ محمدؐ کا ہو قائل آتشؔ
مہ و خورشید کو نقشِ سمِ توسن سمجھا(۸۷)

تختۂ میت فراقِ یار میں معراج ہے
وحی آنا جانتا ہوں موت کے پیغام کا(۸۸)

خاکساری کی ہو چکی معراج
سینہ اپنا زمین صاف ہوا(۸۹)

زباں سے اس کے افسانہ دہانِ یار کا سُنتے
پیمبرؐ سا کوئی ہوتا جو واقف رازِ پنہاں کا(۹۰)

حضوری نگاہوں کو دیدار سے تھی
کھلا تھا وہ پردہ کہ جو درمیاں تھا(۹۱)

سیر بامِ عرش کی دکھلاتی ہے دل کی تڑپ
صاحبِ تاثیر کو کیا نردباں درکار ہے(۹۲)

پہونچا وہ عرش پر جو درِ دل تلک گیا
رفعت ہے آستانہ میں اس گھر کے بام کی(۹۳)

آتشؔ بلند پا یہ ہے درگاہ یار کی
ہفتم فلک کی رفعت اسی آستاں میں ہے(۹۴)

کس سر کو نہیں یار کی رفتار کا سودا
معراج وہ سمجھا ہے کہ پامال ہوا ہے(۹۵)

عہدِ غالبؔ و مومن میں بھی شعری تخلیقات اس عنصر سے مبرّا نہیں ذوق کے کلیات میں جا بجا ایسے اشعار مل جاتے ہیں جہاں انسانی تگ و تاز کو پروازِ جبرئیل سے بڑھ کر رسا ظاہر کرنے کے لیے یا لامکاں تک رسائی کے ممکنات کو بیان کرنے کے لیے ایسی تشبیہات یا تلمیحات ملتی ہیں جن کا ربط معراج سے ہے:

جو فرشتے کرتے ہیں کر سکتے ہیں انسان بھی
پر فرشتوں سے نہ ہو جو کام ہے انسان کا(۹۶)

واں طائرِ خیال اڑے تھا مرا جہاں
پرواز عاجزی میں پرِ جبرئیل تھا(۹۷)

ترا مکان تو کیا لامکاں میں کود پڑیں
اُمیدِ وصل میں ہم بامِ عرش پر چڑھ کر(۹۸)

بیٹھ کر بام فلک پر دودِ دل سے دیکھنا
ہم بنائیں گے فلک اس مہ جبیں کے واسطے(۹۹)

پھر ایسی تلمیحات بھی موجود ہیں جو براہِ راست معراج سے منسوب ہیں۔ یعنی معراج کو انتہائی ممکن عروج کی علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے یا مقامِ سدرہ یا سیر عالم بالا کی تلمیح استعمال ہوئی:

معراج سمجھ ذوقؔ تو قاتل کی سناں کو
چڑھ سر کے بل اس زینے پہ تا بامِ محبت(۱۰۰)

مردار ہیں وہ طائر سدرہ ہی کیوں نہ ہوں
تیر نگاہِ یار کی جو دُور زد سے ہیں(۱۰۱)

کرے آہِ رسا میری جو سیر عالمِ بالا
فلک کو بھی یونہی اک آبلہ سا زیرِ پا سمجھے(۱۰۲)

بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اس کی فروتنی ہے
وگرنہ قندیل عرش میں بھی اسی کے جلوے کی روشنی ہے(۱۰۳)

آپ ﷺ کو شبِ معراج میں دیدارِ الٰہی نصیب ہوا، خدا کے دیدار کے حوالے سے بھی شعرا تلمیحی پیرایہ اپناتے ہیں تو اس کی کڑیاں معراج سے جا ملتی ہیں:

چشم کو بے پردہ ہو کس طرح نظارہ نصیب
جب کہ وہ پردہ نشیں پردہ کرے ادراک سے(۱۰۴)

غالبؔ کے ہاں حصولِ بلندی کی خواہش کا محرک واقعہ ٔمعراج کو کہا جائے تو کچھ بعید نہیں:

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا(۱۰۵)

ایک بڑا شاعر بلند تخیل اور گہرے علم کے بل بوتے پر خود کلامی کے انداز میں ایسے نکات بیان کرتا ہے جو بلند فہمی کے متقاضی ہوتے ہیں۔ ہر قاری اس کے بطن سے متوقع معانی کا کھوج لگاتا ہے۔ غالب کا ایک مشہور شعر ہے:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا(۱۰۶)

اس شعر کے متعلق پروفیسر شفقت رضوی لکھتے ہیں:

"غالب کے خیال میں آدم کا جنت سے نکل کر دشتِ امکاں میں پہلا قدم رکھنا ایک تجربہ تھا جس کا نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ یہ عالمِ رنگ و بو اپنی تمام وسعتوں کے باوجود فانی اور حقیر ہے اس کی حیثیت اور اہمیت "نقشِ کف پا" سے زیادہ نہیں اب ابنِ آدم کی تمنا دوسرے قدم کی خواہشمند ہے صرف یقینِ منزل کی ضرورت ہے۔ یہ اشارہ یا تو حیات بعد الموت کی طرف ہو سکتا ہے یا سرحدِ ادراک سے پرے۔ یعنی معراج کی طرف! میرا ذہن معراج کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ غالب حیات بعد الموت کے قائل ہونے کے باوجود اس کی طرف کم ہی مائل ہوتے ہیں۔"(۱۰۷)

درج بالا رائے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعر کے لفظ لفظ میں جہانِ معنی آباد ہوتا ہے جسے قاری کا علم اور ذہنی اُپج بقدرِ استطاعت دریافت کر سکتے ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی اور ڈاکٹر ابوالخیر کشفی(۱۰۸) نے غالب کے درج ذیل اشعار میں بھی معراج کی تلمیح کا ذکر کیا ہے:

رکھتے ہوئے قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں
کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں(۱۰۹)

شارحینِ دیوانِ غالب اس کے متعلق مختلف آرار کھتے ہیں۔ غلام رسول مہر(۱۱۰)، جوش ملسیانی(۱۱۱) اور نظم طباطبائی(۱۱۲) نے ان اشعار کو اور معنی پر محمول کرنے کے بجائے نعتیہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک ان اشعار میں خطاب صاحبِ معراج کی طرف ہے اور غالبؔ نے آپ ﷺ کی مدح میں اپنی فضیلت اور اعزازِ نفس کو خوبی سے بیان کر دیا ہے اور غالبؔ کی مراد یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ نے معراج کی رات مہر وماہ کو قدم گاہ بنایا اسی طرح میری آنکھوں کو قدمِ مبارک سے مشرف کیوں نہیں کرتے۔ معراج کی رات آسمان کو قدم بوسی کا جو شرف عطا ہوا یہ سعادت مجھے کیوں نصیب نہیں ہوتی۔۔۔ ظفر احمد صدیقی اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں خطاب بہادر شاہ ظفر سے ہے۔(۱۱۳) پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بھی یہی لکھا ہے کہ ان اشعار کا مخاطب محبوب یا بادشاہِ وقت ہو سکتا ہے۔(۱۱۴)

غالب نے معراج کو براہِ راست بھی موضوع بنایا ہے۔ فارسی کے نعتیہ کلام میں اس کی

مثالیں موجود ہیں۔ مثنوی ابرِ گہر بار کا ذکر بھی گزشتہ باب میں کیا جا چکا ہے۔ ایک غزل کے مقطع میں غالب نے نہایت خوبی سے معراج کا ذکر کنایۃً کیا ہے:

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبدِ بے در کھُلا(۱۱۵)

بہادر شاہ ظفر کے اکثر اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعۂ معراج ان کی فکر میں مستقلاً موجود ہے۔ عشقیہ شاعری میں ظفر نے محبوب تک رسائی کے ضمن میں، محبّ اور محبوب کی ملاقات کے ضمن میں ایسے قرائن پیش کیے ہیں جو واقعۂ معراج کے ماخوذ ہیں۔ ''پر جلنا'' کی تلمیح کو ظفر نے اکثر دہرایا ہے:

آدمی میرا تیرے گھر میں کہاں جائے کہ واں
پر فرشتوں کے ہیں واں شوخِ پری رُو جلتے(۱۱۶)

کون واں جائے جہاں تفتہ جگر جلتے ہیں
اس جگہ تو ملک الموت کے پر جلتے ہیں(۱۱۷)

میں جہاں جا کے تجھے دُور سے لیتا ہوں گھُور
اس جگہ جلتے ہیں ظالم ترے جاسوس کے پر(۱۱۸)

گرم نظارہ ہوں اس شعلۂ رخسار پہ کیا
کہ وہاں بال و پر مرغِ نظر جلتے ہیں(۱۱۹)

کئی اشعار میں ظفر نے اپنی پروازِ خیال کو فرشتے سے بڑھ کر قرار دیا ہے۔ کبھی یہ مضمون بیان کرتے ہیں کہ محبوب تک رسا ہونا کسی فرشتے کا بھی مقدور نہیں ہے۔ یہ قرینہ صریحاً واقعہ معراج سے ماخوذ ہے:

کہاں پہنچا ہے دیکھو ہمدمو پیکِ خیال اپنا
کہ اب تک جس جگہ کوئی فرشتہ بھی نہ پہنچا تھا(۱۲۰)

ظفر دل لے گیا مجھ کو گلی میں اس پری وش کی
وگرنہ اب تلک تو واں فرشتہ بھی نہ پھٹکا تھا(۱۲۱)

نامہ بر میرا کہاں دیکھو عزیزاں پہنچا
جائے جس جا نہ فرشتہ وہاں انساں پہنچا(۱۲۲)

پیام بر میرا انساں ہے پر وہیں پہنچے
جہاں کے اڑ کے فرشتے کہیں نہیں پہنچے(۱۲۳)

اس کی پرواز کو پہنچے نہ فرشتہ نہ پری
ہر بشر کے نہیں پر، رکھتا یہ پر اور ہی ہے(۱۲۴)

چلا جو اڑ کے مرے طائرِ خیال کے ساتھ
تو ٹوٹ کر وہیں بس بال و پر ملک کے گرے(۱۲۵)

ایسے اشعار بھی موجود ہیں جن میں کہیں حضرت انسان کی بلند مقامی کا ذکر ہے کہیں جذبۂ عشق کی تاثیر سے قوت پرواز پیدا ہنے کا ذکر ہے اور کہیں عالمِ افلاک سے متعلق ایسے اشارے ہیں جو معراج کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ نیز معراج کو بطور تلمیح بھی استعمال کیا ہے:

ہلالِ عید کو گردوں پہ تیرا
بجز یک نعلِ کفشِ پا نہ پایا(۱۲۶)

طائر سدرہ نشیں گرچہ ہوں گرمِ پرواز
پر کبھی جا نہ سکے حضرتِ انساں سے دُور(۱۲۷)

حقیقت میں ہے وہ معراج، چڑھنا دار پر اس کو
قدم رکھتا بڑھا کر آگے، کب منصور پیچھے ہے(۱۲۸)

کر دیا گو قالبِ خاکی نے زندانی مجھے
پر فضائے قدس تک ہے سیر روحانی مجھے(۱۲۹)

قدسی صفات ہو کے بشر کیونکہ ہو گئے
ہم تھے اُدھر اُدھر سے اِدھر کیونکہ ہو گئے
پر تو پڑا ہوا ہے ترے نور حسن کا

روشن وگرنہ شمس و قمر کیونکہ ہو گئے(۱۳۰)

کیا کسی کو جگر سوختۂ دوام فراق
دیا کسی کو مزا وصل گاہ گاہی کا(۱۳۱)

تا بام یار طاقتِ پرواز تھی کسے
اے عشق تیرا نام ظفرؔ لے کے اڑ گیا(۱۳۲)

نامۂ شوق کی تاثیر سے قاصد نے مرے
طے گھڑی بھر میں کیا آٹھ پہر کا رستا(۱۳۳)

مومنؔ کے ہاں تلمیحی انداز میں معراج کی طرف کہیں کہیں اشارہ موجود ہے:

رتبہ افتادگی کا دیکھو! ہے
عرش کے بھی پرے مقام مرا(۱۳۴)

واعظ کبھی ہلا نہیں کوئے صنم سے میں
کیا جانوں کیا ہے مرتبہ عرشِ عظیم کا(۱۳۵)

کس قدر تیز رَو ہے سوئے صنم
نامہ بر میرا جبرئیل ہوا(۱۳۶)

سدرہ ایسی نہیں غیرتِ یاد اغیار
کب خیال اپنا ترے دل سے گزر کرتا ہے(۱۳۷)

مرزا داغؔ کے کلام میں ان کی زباندانی اور شوخی کے ہمرکاب ایسے مضامین موجود ہیں جو انسان کے احوالِ باطن کے غمّاز ہیں۔ مقامِ انسانیت کو داغ نے بھی معراج کے حوالے سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے:

صیقل عرفانِ آئینہ بنا
کون جانے ہے یہ مشت خاک کیا(۱۳۸)

زمیں سے قدم عرش پر لے گیا
فرشتوں سے بازی بشر لے گیا(۱۳۹)

بشر وہ کام کرتا ہے فرشتے کر نہیں سکتے
کہ جو ہوتا ہے اس سے دُور دُور ایسا نہیں ہوتا(۱۴۰)

کھُل جائے ابھی عالم بالا کی حقیقت
اس راز کو پوچھو جو کسی خاک نشیں سے(۱۴۱)

فرشتے بھی دیکھیں تو کھُل جائیں آنکھیں
بشر کو وہ جلوے دِکھائے گئے ہیں(۱۴۲)

داغؔ نے غزلوں میں براہِ راست بھی معراج کی تلمیح کو برتا ہے، کہیں مجازی قرینوں کو ان تلمیحات کے توسط سے بیان کیا ہے کہیں تخاطب براہِ راست ہے:

آ گیا جب سے رسول اللہ کے زیرِ قدم
عرشِ الٰہی کا تبھی سے بول بالا ہو گیا(۱۴۳)

جو کوہِ عشق کروں طے تو ہو مجھے معراج
کہ ہے بلند بہت اس پہاڑ کی چوٹی(۱۴۴)

پڑے ہوئے تھے ہزار پردے کلیم دیکھو تو تب بھی غش تھے
ہم اس کی آنکھوں کے صدقے جس نے وہ جلوہ یوں بے حجاب دیکھا(۱۴۵)

اے داغؔ آدمی کی رسائی تو دیکھنا
سر پر دھرے ہیں عرش نے خیر البشر کے پانْو(۱۴۶)

کہیں مشتاق سے حجاب ہوا
کہیں پردہ اُٹھا دیا تو نے(۱۴۷)

کیونکر انسان کا اس رشک پری تک ہو گزر
آدمی کیا ہے فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں(۱۴۸)

شبِ معراج یہ کہتے تھے فرشتے باہم
سخنِ طالب و مطلوب ہوا خُوب ہُوا(۱۴۹)

ترے قدم سے عرش بنے دوش نقش پا
صل علی کہے لب خاموشِ نقش پا
افتادگی میں کوئی سہارا نہیں مجھے
معراج ہو جو ہاتھ لگے دوش نقش پا(۱۵۰)

داغؔ نے عشق کی تاثیر اور منزل عشق کی بلندی کے بیان میں، نیز زندگی کے حقائق اور اسرار ورموز کو بیان کرنے میں بعض اوقات جو پیرایہ اختیار کیا ہے اُس سے صاف جھلکتا ہے کہ داغ نے واقعۂ معراج کو عشق کی عظیم ترین مثال سمجھا ہے۔ لہٰذا معاملاتِ عشق میں سرفرازی کا ذکر وہ اسی حوالے سے کرتے ہیں:

کھینچ لائے عرش سے تسخیر عشق
آپ نے دیکھی نہیں تاثیر عشق(۱۵۱)

آنکھیں ہوں تو وہ جلوہ نہاں ہو نہیں سکتا
پھر عرش بھی پردے کا مکاں نہیں ہو سکتا(۱۵۲)

دنیا میں نشیب اور فراز اپنے لیے ہیں
ہم فرش زمیں ہیں تو کبھی عرش بریں ہیں(۱۵۳)

کہاں قسمت، کہاں ہمت، کہاں طاقت کہ میں پہنچوں
کہ منزل عشق کی کچھ عرش اعلیٰ سے بھی عالی ہے(۱۵۴)

پروا نہیں اس کی جو رسائی نہیں ہوتی
کچھ عرش معلی تو نہیں بام تمھارا(۱۵۵)

وہ میں کہ مری عرش پہ تھی منزلِ عالی
کرتی ہے زمیں بھی مرے قدموں سے حذر آج
وہ میں کہ مجھے عالم بالا کی خبر تھی
اے بے خبری خاک نہیں اپنی خبر آج(۱۵۶)

لا مکاں میں بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے
بے کسی میں تو ادھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں(۱۵۷)

امیر مینائی کے کلام میں بحیثیت مجموعی واقعہ ٔمعراج کو بہت اہمیت حاصل ہے جہاں ان کے قصائد مثنویات اور نعتیہ کلام میں اس کا ذکر نمایاں ہے۔ وہاں ان کی غزلیات بھی اس عنصر سے خالی نہیں امیر مینائی کی غزلوں سے واقعہ ٔمعراج سے متعلق تلمیحات کی مثالیں درج ذیل ہیں:

نئی معراج پائی ہے غبارِ گورِ مجنوں لے
بگولا جو اُٹھا قبہ بنا لیلیٰ کے محمل کا(۱۵۸)

وصل چاہا شبِ معراج تو یہ عُذر کیا
یہ ہے اللہ وپیمبر کی ملاقات کی رات(۱۵۹)

تجھے ملتا نہیں گھر ان کا قاصد
گئے کیونکر پیمبر لامکاں تک(۱۶۰)

بام جاناں دور ہے کیا کہتی ہے پروازِ شوق
حوصلہ عالی اگر ہو آسماں نزدیک ہے(۱۶۱)

کمال جذب سے تا لامکاں پہنچے امیرؔ احمد
رہا معشوق و عاشق میں نہ پردہ درمیاں کوئی(۱۶۲)

یہ وہ زمانہ تھا جس کے بعد اُردو ادب نے پلٹا لیا، حقیقت اور مادیت کی دنیا میں قدم رکھا لیکن بیسویں صدی کے آغاز تک عہدِ سرسیّد کی مقصدیت اور عقلیت مفقود ہو گئی۔ بیسویں صدی عالمی سطح پر سماجی و ذہنی تغیر کی صدی ہے۔ عالمی جنگوں کے زیرِ اثر مادی سوچ پروان چڑھی۔ علمی، ادبی

اور تعلیمی شعور متغیر ہوا اُردو ادب میں بھی تبدیلی آئی۔ روس کے اشتراکی انقلاب نے تخلیقی ذہنوں کو متاثر کیا۔ نفسیات کا بول بالا ہوا۔ نیز بیسویں صدی کے اُردو ادب کے مطالعے میں ترقی پسند تحریک کا قیام، برصغیر کی تقسیم، ہجرت اور فسادات بھی اہم حوالے ہیں۔ ان عوامل کے تحت فروغ پانے والی شاعری زندگی کے خارجی شواہد پر غور کرتی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے داخلی کرب کا اظہار کرتی ہے۔ اس شعری فضا میں مظاہرِ کائنات، معجزات کا کیف بیان کرنے کے بجائے فرد کی سماجی ریاضتوں کے شاہد ہیں۔ لیکن غزل بہر حال عشق، رومان، سیاست، سماجیت، مذہب، نظریہ اور مقصد کا بار اُٹھاتی رہی ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے نمایاں غزل گو شعرا ہی کے مطالعے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ غزل کے علامتی و استعاراتی نظام میں معراج سے وابستہ تلازمات ہمیشہ موجود رہے ہیں۔

شادؔ عظیم آبادی کی غزل میں ذہنی پختگی، شائستہ مزاجی، فکر و تدبر، متانت و سنجیدگی کے اوصاف نظر آتے ہیں۔ عشق کا سوز و گداز اور زندگی کو نہایت قریب سے دیکھنے کا تجربہ جھلکتا ہے۔ مقامِ آدمیت کے بیان میں شاد کے ہاں بارہا ایسا پیرایۂ اظہار ملتا ہے جس میں معراج سے ماخوذ اشارے موجود ہیں ان کی تلمیحات میں بھی یہ بازگشت موجود ہے۔

مجھے لاکھ سجدے کریں ملک، مرا فرشِ راہ ہو عرش تک
میں حفیضِ محض ہوں اے فلک، فلذ انزلت من لعلا (۱۶۳)

ناپ چکا ہے پائے فکر، وسعتِ فرش و عرش کو
تو بھی پتا نہ کچھ چلا شوق ترے حدود کا (۱۶۴)

اب اس معراج سے بڑھ کر خدا کا نام ہے ساقی
وظیفوں میں کیا کرتے ہیں ذکر اربابِ دیں تیرا (۱۶۵)

چھپائے گا کسی دن عرش تک کو اپنے دامن میں
دکھا دے گا تماشا پھیل کر مشتِ غبار اپنا (۱۶۶)

لپٹ کر کاکلِ جاناں سے ناز کر شانے
خدا نے عرش سے رُتبہ ترا بلند کیا (۱۶۷)

خاک کے پتلے سنبھل ، خاک کا پتلا نہ بن
تیری تو مسند ہے عرش ، خاک کجا ، تو کجا(۱۶۸)

نگاہِ شوق مجنوں فرش سے تا عرش جاتی ہے
کہاں تک پردۂ محمل چھپائے رُوئے لیلیٰ کو(۱۶۹)

پرے ہے عرش سے بھی سوزِ عشق! راہ تری
لگائی جا کے کہاں آگ ، اُف پناہ تری(۱۷۰)

فاؔنی کی غزل کا محور فلسفۂ غم ہے لیکن فانی کے اندازِ تفلسف نے زندگی کے حقائق کو قریب سے دیکھا ہے، جب وہ معرفتِ حقیقی کے مضامین بیان کرتے ہیں تو ان کے ہاں حیرت و استعجاب اور وجدان کی کیفیات سامنے آتی ہیں۔ فانی کی غزل میں حقیقتِ مطلق کے مشاہدے کے امکانات بیان ہوتے ہیں تو تخیل کا واقعۂ معراج سے شعوری یا غیر شعوری اکتساب جھلکتا ہے۔

تعیّنات کی حد سے گزر رہی ہے نگاہ
بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والوں کا(۱۷۱)

اے عزم خبر ہوش کے پردوں کو اُلٹ دے
اے ذوقِ نظر محملِ لیلا سے گزر جا
اُٹھ بزم تحیر سے وہ کہتے ہیں ادھر آ
جا اور حدِ امکانِ تمنا سے گزر جا
لے دیدۂ دل کھول وہ کہتے ہیں ادھر دیکھ!
دیکھ اور حدِ آدابِ تماشا سے گزر جا(۱۷۲)

میری نظر کی آڑ میں ان کا ظہور تھا
اللہ! ان کے نور کا پردہ بھی نور تھا(۱۷۳)

نقابِ جلوہ کی کایا پلٹ دی شوق بے حد نے
مری وحشت نے توڑا ہے طلسم رنگ و بو برسوں(۱۷۴)

پھر بھی نارسا ٹھہرا ، اور کیا رسا ہوتا
عرش سے پرے پہنچا شور الاماں اپنا(۱۷۵)

خم ہے سرِ عرش میرے آگے
کس سجدۂ شوق کا نشاں ہوں(۱۷۶)

بنا کے ہجر کی راتوں کو بے نیازِ سحر
تعینات کے پردے اُٹھا دیے تو نے(۱۷۷)

حسرؔت موہانی کی غزل مذہبی، ادبی، علمی، روحانی، سیاسی اور سماجی شعور سے آبیار ہے۔ انسانی عظمت کے احساس نے کلامِ حسرت کو ایک قلندرانہ شان عطا کی ہے۔ حسرت کے تغزل میں احساس اور وجدان انفرادی شان سے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ کہیں عشق کی عمومی وارداتوں کی بے ساختہ تصویر کشی ہے کہیں عارفانہ حقائق کے لیے بلند آہنگ اسلوب اپنایا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں میں زیرِ نظر موضوع کے حوالے سے تجزیہ ممکن ہے:

میں دل کی آنکھ سے دیکھوں نہ چشمِ سر سے انھیں
کہ پھر نہ پیشِ نظر ہو وہ کوہِ طور کی بات(۱۷۸)

اک بڑی منزلِ پر خوف و خطر ہے در پیش
روح کو عالمِ بالا کا سفر ہے در پیش(۱۷۹)

کہیں ان کے تصور کی بلندی
گزر جائے نہ حدِّ لامکاں سے(۱۸۰)

شبِ معراجِ مردانِ خدا ہے
بقول شیخ روزِ نامرادی(۱۸۱)

اصغر گونڈوی کی غزل میں عشق کا درد و سوز اور جوش و سرمستی تمام موجود ہے اور منزہ احساسات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جہاں تک ہر ذہن کی رسائی ممکن نہیں۔ فلسفہ و حکمت ہو یا عرفان و سلوک کی کیفیات، اصغرؔ کی غزل میں سحر کاری سے بیان ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں تصوف اور تغزل ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔ اصغؔر نے عشق و معرفت کے اسرار و رموز کو بیان کرنے میں جو

استعاراتی انداز اپنایا ہے اس میں واقعۂ معراج سے ربط دکھائی دیتا ہے:

مانا حریمِ ناز کا پایہ بلند ہے
لے جائے گا اُچھال کے دردِ جگر مجھے(۱۸۲)

نگاہِ شوق کو یارائے سیر و دید کہاں
جو ساتھ ساتھ تجلّیٔ حسن یار نہ ہو
ذرا سے پردۂ محمل کی کیا حقیقت تھی
غبارِ قیس کہیں خود ہی پردہ دار نہ ہو(۱۸۳)

اے دلِ شوخ و حیلہ جو ، زیرِ کمینِ رنگ و بو
طائر قدس کو بھی لے دامگہِ مجاز میں(۱۸۴)

سب گھیر لیا جلوۂ حسنِ بشری نے
پایا ہے سر عرش بھی سیر نظری نے
کس شان سے پردے کو ہٹایا ہے تڑپ کر
ناکامیِ پُر دردِ حجابِ بشری نے(۱۸۵)

انتہا دید کی یہ ہے کہ نہ کچھ آئے نظر
کیفِ بے رنگیٔ حیرت ہے نظر کی معراج(۱۸۶)

فصلِ گل کیا ہے یہ معراج ہے آب و گل کی
میری رگ رگ کو مبارک رگِ سودا ہونا(۱۸۷)

جسم کو اپنا سا کر کے لے اڑی افلاک پر
اللہ یہ کمالِ روحِ جولاں دیکھیے(۱۸۸)

وہ اُٹھی موجِ مے ، وہ جام و مینا میں تلاطم ہے
جہانِ بے نشاں سے دعوتِ پرواز ہے ساقی(۱۸۹)

حسن وعشق کے احوال ومقامات کو بیان کرنے میں بھی یہی عنصر کارفرما نظر آتا ہے:

عرش تک تو لے گیا تھا ساتھ اپنے حسن کو
پھر نہیں معلوم اب خود عشق کس منزل میں ہے(۱۹۰)

نگاہِ عشق تو بے پردہ دیکھتی ہے اسے
خرد کے سامنے اب تک حجابِ عالم ہے(۱۹۱)

عشق میں وہ مقام جب زمان و مکاں کے ظاہری پیمانے کچھ نہ رہیں اس کا بیان دیکھیے:

اب وہ زماں نہ وہ مکاں اب وہ زمیں نہ آسماں
تم نے جہاں بدل دیا آکے مری نگاہ میں
رازِ فتادگی نہ پوچھ لذتِ خستگی نہ پوچھ
ورنہ ہزار جبرئیل چھپ گئے گردِ راہ میں(۱۹۲)

کہاں زمان و مکاں پھر کہاں یہ ارض و سما
جہاں تم آئے یہ ساری بساط برہم ہے(۱۹۳)

عزیزؔ لکھنوی کے ہاں بھی حسن و عشق کی یہ کار فرمائیاں ہیں۔ انسان کی وقعت، عظمت اور روحانی ترفع کی طرف جن قرائن سے اشارہ کرتے ہیں وہ شاعر کے تخلیقی لاشعور میں تصورِ معراج کا پتا دیتے ہیں۔ جسے شاعر نے اپنے اظہار سے بخوبی ہم آہنگ کر لیا ہے۔ عزیز نے اس تخلیقی عمل سے گزر کر انسان کی عالی مقامی کو واضح کیا ہے:

لے گئی اس کی چمک مجھ کو خدا جانے کہاں
پائی معراج اسی دردِ نہاں سے میں نے(۱۹۴)

عرش ہے اک فرش پا انداز اللہ رے عروج
پوچھیے لطفِ کشش حسنِ سبک پرواز سے(۱۹۵)

حجاب اُٹھتے چلے جاتے ہیں اور میں بڑھتا جاتا ہوں
کہاں تک مجھ کو لے جاتی ہے دیکھوں بے خودی میری(۱۹۶)

جہاں ہے پست ملائک کی ہمتِ عالی
وہاں پہ لیتی ہے دم میری بے پر و بالی(۱۹۷)

شہپرِ جبریل سے نسبت ہے کیا
طائر دل تیری آواز اور ہے(۱۹۸)

انتہا دل کی رسائی کی کسے معلوم ہو
یہ بھی کیا روح الامیں کی طاقتِ پرواز ہے(۱۹۹)

عرش کو فرش راہ پاتے ہیں
جبہ سا تیرے آستانے کے(۲۰۰)

مری پرواز سے واقف نہیں وہ
مجھے گھیرے ہوئے کیوں آسماں ہے(۲۰۱)

عشق جو معراج کا اک زینہ ہے
یہ ہمارا مذہبِ پارینہ ہے(۲۰۲)

جگرؔ مراد آبادی کی غزل میں حیات وکائنات کی جمالیات بصیرت اور حسّیت ہے۔ حُسن ان کے نزدیک حاصلِ کائنات اور حقیقت کائنات ہے۔ احترامِ آدمیت بھی ان کی شاعری کی بنیادی قدروں میں سے ہے۔ جگر نے عرفانِ کائنات اور عرفانِ ذات، کیفیتِ عشق اور حقیقتِ حسن کے اظہار میں ایسا استعاراتی پیرایہ اکثر اپنایا ہے جو وارداتِ عشق کے عظیم مظہر یعنی معراج سے ماخوذ ہے۔

ناصح! گداز عشق کی معراج دیکھنا
ہر قطرہ خوں ہے شمعِ فروزاں لیے ہوئے(۲۰۳)

یہ مہر و ماہ مرے ہمسفر رہے برسوں
پھر اس کے بعد مری گرد کو بھی پا نہ سکے
گھٹے اگر تو بس اک مشت خاک ہے ورنہ
بڑھے تو وسعتِ کونین میں سما نہ سکے(۲۰۴)

بحمد اللہ جنون عشق پہنچا
بہت آگے مقامِ آگہی سے(۲۰۵)

سمجھا گیا اک جلوۂ بیتاب کسی کا
وہ راز کہ محجوب تھا فہمِ بشری سے(۲۰۶)

رہ گئی ہے رکھی عقلِ پختہ کار
عشق کی کام آ گئیں خود رائیاں(۲۰۷)

جب مکان و لامکاں سب سے گزر جاتا ہوں میں
اللہ اللہ تجھ کو خود اپنی جگہ پاتا ہوں میں(۲۰۸)

معراجِ شوق کہیے یا حاصلِ تصوّر
جس سمت دیکھتا ہوں تو مسکرا رہا ہے(۲۰۹)

عشق بھی رنگِ تعین کا اُٹھا دے پردہ
سامنے آئے تو بے قیدِ رگ جاں کوئی(۲۱۰)

ملا ہے آج اذنِ باریابی
ہر اک پردہ اُٹھایا جا رہا ہے(۲۱۱)

عشق ہی تنہا نہیں شوریدہ سر میرے لیے
حسن بھی بیتاب ہے اور کس قدر میرے لیے
ہاں مبارک اب یہ معراجِ نظر میرے لیے
جس قدر وہ دور تر ، نزدیک تر میرے لیے
کھیل ہے بازیچۂ شام و سحر میرے لیے
دو گلِ بازی ہیں یہ شمس و قمر میرے لیے(۲۱۲)

فراقؔ گورکھپوری کی غزل کا ذائقہ اپنے عہد میں نیا اور منفرد ہے یہاں حسن و عشق کی جمالیات، دیو مالائی اور اساطیری تصورات اور لہجے کی دل نشینی ہے۔ انگریزی ادب، ہندی اور

سنسکرت ادب کے علاوہ حیات و کائنات، تاریخ و تمدن، علوم و فنون اور فلسفیانہ مسائل نے بھی ان کے شعری ذوق کو جِلا بخشی ہے۔ آفاق کے اس وسیع منظر نامے سے ان کی عشقیہ شاعری کو احساس و اظہار کے بے شمار زاویے عطا ہوئے ہیں۔ درج ذیل اشعار میں وہ بازگشت موجود ہے جو زیرِ نظر موضوع سے میل رکھتی ہے:

چھُوٹ پڑتی ہے سرِ عرش بریں کوسوں تک
آج چمکا ہے ترا حسنِ خود آرا بھی کہاں(۲۱۳)

سرحدِ غیب تک تجھے صاف ملیں گے نقشِ پا
پوچھ نہ یہ پھرا ہوں میں تیرے لیے کہاں کہاں(۲۱۴)

جو فضائے غیب میں گونج اُٹھیں وہ ہیں میری نغمہ سرائیاں
پرِ جبرئیل کو چوم لے وہ لپک ہے شعلۂ ساز میں
مری منزلوں کا تو ذکر کیا مری گرد کو بھی نہ پا سکیں
جو فضا میں جذب تھیں بجلیاں وہ ہیں آج تک تگ و تاز میں(۲۱۵)

عشق کی لَو سے فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں
رشک خورشید قیامت یہ شرارہ نکلا(۲۱۶)

ہمیں سے پستیاں ابھریں ہمیں سے رفعتیں چمکیں
نہ پوچھو ہم سے اے ارض و سما ہم کون ہیں کیا ہیں
زمیں کی منزلوں سے آشنا ہونا مبارک ہو
کہ نُہ افلاک کی راہوں سے مل جاتی ہیں یہ راہیں(۲۱۷)

ہماری شعری روایت کے ایک مختصر جائزے ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی تاریخ کے محیر العقل واقعات و معجزات اجتماعی لاشعور میں موجود رہتے ہیں۔ مختلف ادوار میں اس سے متعلق محسوسات کی نوعیت اور تناسب مختلف ہوتا ہے اور اخذ معنی کا عمل بھی ہر عہد میں مختلف ہو سکتا ہے۔ مگر ان کی بازگشت موجود رہتی ہے۔ واقعۂ معراج کو صاحبانِ فکر و شعور نے مختلف معنیاتی زاویوں سے دیکھا ہے۔ ہماری مذہبی تاریخ میں واقعۂ معراج نہ صرف تمام انبیا علیہم السلام بلکہ خود حضور پاک ﷺ کے تمام معجزات سے بھی منفرد اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ قرآن

میں آپ ﷺ کے اس عظیم معجزے کا بیان ''عبدہ'' کے لفظ سے کیا گیا لہٰذا یہی وہ نکتہ ہے جس کے تحت معراج النبی ﷺ سے عظمت انسان کے پہلو اخذ کیے گئے۔ بندگی کی معراج یہ ہے کہ انسان زمان و مکاں کو تسخیر کر سکتا ہے۔ قربِ خُداوندی کا اہل ہو سکتا ہے۔ شاعری میں معراج کے حوالے سے سب سے زیادہ عظمتِ انسان کو ہی موضوع بنایا گیا ہے۔ بالخصوص اقبالؔ کے ہاں یہ عنصر غالب ہے جس کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔ دیگر شعرا کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

چھُوتی نہیں مجھے پرِ جبریل کی ہوا
یہ کن بلندیوں پہ اڑا جا رہا ہوں میں[۲۱۸]
(سیماب اکبر آبادی)

جو ترے آستاں سے لوٹ آئے
جنتِ دو جہاں سے لوٹ آئے
بندگی کے مقام سے آگاہ
سرحدِ لامکاں سے لوٹ آئے[۲۱۹]
(احسان دانش)

کرتے ہیں سیر عالم لاہوت کی بشر
ہوتا ہے مشتِ خاک کا دیکھو گزر کہاں[۲۲۰]
(محمدی جان صاحبہ)

وسعت تھا ، بہانہ بے پری کا
اڑتے ہی سمٹ چلی فضائیں
آدم کی رسائیوں سے ڈر کر
اسرارِ حیات تھرتھرائیں[۲۲۱]

وہ دھندلکا جسے سب حد نظر کہتے ہیں
اب تو انسان کی ہے رہگزر کہتے ہیں[۲۲۲]

پرواز کو محدود نہ کر شام و سحر تک
انسان کی ہیں مملکتیں حد نظر تک[۲۲۳]

(احمد ندیم قاسمی)

مری رفعتوں سے لرزاں کبھی مہر و ماہ و انجم
مری پستیوں سے خائف کبھی اوجِ خسروانہ[۲۲۴]

(معین احسن جذبی)

علما کے بقول انبیا و مرسلین کو ان کے عہد کے تمدنی و ثقافتی پس منظر میں معجزات عطا کیے گئے جو عقل انسانی کی تاریخ کے اس موڑ پر ارتقا یافتہ علوم و فنون سے بالاتر تھے۔ عقلِ انسانی کی ماحصل تمام تر ایجادات سے آگے نکل جانے میں ہی معجزے کا اختصاص پنہاں ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

"سابقہ تمام انبیا کرام کی نبوتیں چونکہ زمان و مکاں کی پابند تھیں اس لیے انہیں اسی سطح کے محدود معجزات عطا کیے گئے جب نبی آخر الزماں کا ظہور ہوا تو گو پوری دنیا جہالت کی تاریکیوں میں لپٹی ہوئی تھی تاہم تمدنی اور ثقافتی حوالوں سے آپ کا عہد ماضی سے یکسر مختلف تھا۔ تاریخ ارتقائے انسانی کا ایسا دور تھا جس میں عقلِ انسانی ترقی کی کئی منازل طے کر چکی تھی اور اسے قیامت تک تعمیر و ترقی کے ان گنت مراحل سے گزرنا تھا اور کائنات کی وسعتوں میں بستیاں آباد کرنا تھیں اس لیے حضور ﷺ کو جو معجزات عطا کیے گئے وہ بھی جدید سائنسی علوم کے ذریعے خلاؤں میں انسان کی پیش رفت کو مد نظر رکھ کر عطا کیے گئے اس لیے اب قیامت تک عقل انسانی سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جتنی بھی ترقی کرتی چلی جائے معجزۂ مصطفوی کی وسعتوں اور عظمتوں کا جزوی طور پر بھی جواب پیش کرنے سے قاصر رہے گی۔"[۲۲۵]

اس حوالے سے شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے محض مقامِ نبوت یا سرِ عرش انسان کی رسائی کے بیان کو ہی واقعۂ معراج سے ماخوذ و متاثر قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ اس سے متعلق تصورات مثلاً زمان و مکاں، انسان کے روحانی و مادی ارتقا کے امکانات کائنات کی وسعتوں سے برسرِ پیکار ہونا، ان سب موضوعات کا شمار واقعۂ معراج کی معنیاتی و استعاراتی توسیع میں ہو گا۔

خاص خدا کا وہ مقام دل میں خدا کے اس کا گھر
عرش سے کچھ بلند ہے درگہِ بے نیازِ عشق

فرش زمیں پہ مصطفیٰ عرش بریں پہ کبریا
پہنچا ہے دیکھنا کہاں سلسلۂ دراز عشق[۲۲۶]

(سحر بھوپالی)

جہان قدس تک روح تخیل سیر کر آئی
مری پرواز کتنی ہے کہاں تک ہے فضا میری[۲۲۷]

(اکبر حیدری)

چاند تارے دُور پیچھے رہ گئے
میں کہاں پر آ گیا اڑتا ہوا[۲۲۸]

(امجد اسلام امجد)

ذرّے پھر مائل رم ہیں ناؔصر
پھر انھیں سیر فلک یاد آئی[۲۲۹]

(ناصر کاظمی)

آنکھیں بھی دیکھتی تھیں میری آسمان تک
اڑنے کی بھی ہوس تھی پر و بال ہی نہ تھے[۲۳۰]

(شہزاد احمد)

آدم کی سلگتی ہوئی تاریخ رقم ہے
جبریل کے شہپر سے مرے دامنِ تر تک[۲۳۱]

(احمد ندیم قاسمی)

تخلیق کار کا لاشعور ایک محرک کے طور پر کام کرتا ہے اور تخلیقی عمل کو ایک خاص رنگ عطا کرتا ہے۔ ذاتی رجحانات اور نفسی میلانات اسے آمادۂ تخلیق کرتے ہیں اور یہی اس کے لیے صنف کا تعین کرتے ہیں۔ گوپی چند نارنگ نے ماہرِ معنیات اسٹیفن المن کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''استعارے میں علاقہ پیدا ہونے سے دوہرا ذہنی تصور پیدا ہوتا ہے اور دونوں عنصر ایک دوسرے کے معنیاتی وجود سے روشن ہو اُٹھتے ہیں یعنی مجازی معنی یا لازمی معنی کے مراد لیے جانے کے باوجود اصلی معنی کا وجود ختم نہیں ہوتا۔ دو عناصر میں علاقہ جس قدر پوشیدہ اور غیر متوقع ہو گا۔ معنیاتی اثر اتنا ہی زیادہ ہو گا اور مختلف عناصر میں علاقہ یا نسبت قائم کرنے کے لیے فنکار کی آزادی لامحدود ہے۔''(۲۳۲)

لفظ اور معنی کی استعاراتی توسیع کے حوالے سے دیکھیے تو شعرا نے واقعہ معراج سے ماخوذ استعارات و تلمیحات کو صدہا انداز سے برتا ہے:

مٹ گیا میں تو مری خاک کو معراج ہوئی
اپنے دامن پہ جگہ تو نے عنایت کی ہے(۲۳۳)

ایسی خلوت میں کبھی تنہا بلا لے مجھ کو
تیرے جلوے کو میں دیکھوں ترا جلوہ مجھ کو(۲۳۴)

میرے غبار کی یہ تعلّی تو دیکھیے
اتنا بڑھا کہ عرش معلّٰی سے مل گیا(۲۳۵)

غرورِ اُلفت کی طرز نازش عجب کرشمے دکھا رہی ہے
ہماری روٹھی ہوئی نظر کو تری تجلّی منا رہی ہے
وہ طور والی تری تجلی غضب کی گرمی دکھا رہی ہے
وہاں تو پتھر جلا دیے تھے یہاں کلیجہ جلا رہی ہے(۲۳۶)
(مضطر خیر آبادی)

پہنائی گردوں سے گزر کر کوئی دیکھے
رنگوں کا چمکتا ہے اُفق پار سمندر(۲۳۷)
(صدیق افغانی)

آ تجھ کو دِکھا دوں کہ ستاروں سے بھی آگے
انسان کے نقشِ کفِ پا ہیں کہ نہیں ہیں(۲۳۸)

کب سے پابندِ قفس ہوں مجھے معلوم نہیں
شاخِ سدرہ پہ کسی دن تھا نشیمن میرا(۲۳۹)

ہے ابھی دور بہت دور ہماری منزل
حکم ہے فرش سے تا عرشِ معلی ہم کو(۲۴۰)
(حفیظ جالندھری)

مرے دل کی آخری دھڑکن تو مری چاہت کی معراج
تیرے بھیتر میں جو سمائی نہیں مجھے مار گئی کوئی لاج(۲۴۱)

جہان اور بھی ہوں گے ظفر تلاش تو کر
خیال ہی میں سہی قیدِ دو جہاں سے نکل(۲۴۲)
(صابر ظفر)

مری تلاش کی معراج ہو تمھی لیکن
نقاب اُٹھاؤ نشانِ سفر ابھارو بھی(۲۴۳)

عرش پہ جا کے بھی جو خاک نشیں ہوتا ہے
خاک ہو جائے تو آزردہ نہیں ہوتا ہے
حشر بھی آئے تو سر جھک نہ سکے جس کے بعد
وہی سجدہ ہے جو معراجِ جبیں ہوتا ہے(۲۴۴)
(احمد ندیم قاسمی)

ان حسیں چاند ستاروں میں کہیں
تیرا نقشِ کفِ پا ہے شاید(۲۴۵)

دل کو یارانہ ہوا آنکھ بھی جھپکانے کا
ایسے نظارے بھی کچھ اپنی نظر سے گزرے(۲۴۶)
(صوفی غلام مصطفیٰ تبسم)

یہ کون سوچ پہن کر گیا ہے سوئے فلک
کہ جس کا چاند پہ نقش قدم سلگتا ہے[۲۴۷]
(شیر افضل جعفری)

یہ دشتِ خلد کس کی گزرگاہ ہے سوچو
وہ کون ہے جس کا ہے نقشِ کفِ پا چاند[۲۴۸]
(پیرزادہ قاسم)

ہاتھ پکڑا اک شعاعِ نُور کا اور چل پڑا
خواب ، جیسے ایک شہر آسمانی کی طرف[۲۴۹]
(عابد سیال)

آسمانوں سے پرے منظر بھی ان آنکھوں میں تھے
حدِّ بینائی سے بھی کچھ ماورا دیکھا گیا[۲۵۰]

زمیں نژاد ہوں آغوش آسماں میں نہ ڈال
مرے خدا مجھے اب اور امتحاں میں نہ ڈال[۲۵۱]

پستی سے بلندی کا سفر بھی ہے نرالا
افلاک پہ جا پہنچے ہیں زیرِ اثرِ خاک[۲۵۲]
(محسن احسان)

فضائے مقاصد کی وسعت ادھر
ادھر مشت بھر بال و پر دیکھنا[۲۵۳]
(ماجد صدیقی)

نہ ہم آہنگ مسیحا ، نہ حریف جبریل
تیرا شاعر کہ ہے زندانیِ گیسوئے جمیل[۲۵۴]

(اسرار الحق مجاز)

آخری حد بھی ہے معراجِ مقدر فیصل
پھر بھی خواہش ہے کہ ہو جائیں ذرا سا آگے (۲۵۵)
(فیصل عجمی)

ادبی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ کسی واقعے یا شخصیت اور ان کے انسلاکات کو اصلی مضمون کے بجائے وسیع تر امکانات میں بیان کیا گیا۔ شاعری میں کوئی واقعہ اس معنیاتی توسیع کا حامل ہوتا ہے تو اس کا استعاراتی اظہار مختلف ادوار میں معنوی پرتوں کی نشاندہی کرتا چلا جاتا ہے۔ فنکار کی تخلیقی مہارت، معنی یابی اور تازہ کاری اسے مختلف صورتوں میں ظاہر کرتی ہے۔ تخلیق کار کی ذاتی نفسیات اور اس کے گرد کی سماجی نفسیات اظہار کے ان پیرایوں کا تعین کرنے میں مدد دیتی ہے اور اس معنوی توسیع کے ردّ و قبول کا انحصار بھی فنکار اور سماج کی نفسیات ہی پر ہے۔

فصل دوم:

جدید اُردو نظم میں معراجیہ عناصر

بنیادی مفہوم کے اعتبار سے تمام شاعری نظم ہے۔ ہمارے ہاں نظم اُس شاعری کو کہا گیا جو غزل سے سوا ہے۔ قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، شہر آشوب، کلاسیکی شاعری میں نظم کا سرمایہ ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے موضوعاتی نظم میں طبع آزمائی کی۔ بیک وقت فرد اور کائنات دونوں ان کے موضوعات ہیں۔ اُردو میں جدید نظم انجمن پنجاب کی تحریکی مساعی سے رائج ہوئی۔ اس میں سر سیّد تحریک کی مقصدیت کا پرتَو بھی ہے اور انگریزی نظم کے اثر سے رومانیت بھی در آئی۔ ترقی پسند تحریک نے نظم کو اقتصادی حقائق سے آشنا کیا اور انسانیت کی خوشحالی کا خواب دِکھایا۔ امن و مساوات کی اُمنگ پیدا کی حلقہ اربابِ ذوق نے فرد کے باطن تک رسائی پانے اور اس کے جمالیاتی اظہار کی کوشش کی۔ مستقبل کے بجائے عصری کرب کو پیش کیا۔

۱۹۶۰ء کے بعد نئ نظم کا منظر نامہ کچھ مختلف ہے۔ نئ نظم کے شاعر کا مدعا صرف اپنی شناخت ہے وجودی کرب اور لایعنیت کے اظہار نے بھی ابہام پیدا کر دیا۔ عصرِ حاضر میں نظم متنوع پہلو رکھتی ہے۔ جس میں ماحول سے عدم اطمینانی اور مثالی فرد کی تلاش پائی جاتی ہے۔ جدید نظم انسانی، سماجی اور مابعد الطبیعیاتی سوالات رکھتی ہے۔ انسان اور کائنات کا وجود، وقت کا بہاؤ اور انسان کے علمی و مذہبی افکار سے متعلق استفہام پایا جاتا ہے۔ شعراَ نے اپنے فکری تلازمات میں جہاں کائنات کی تاریخ سے رشتہ جوڑا ہے وہیں ان کا تخلیقی شعور مذاہب و اساطیر سے بھی کسبِ خیال کرتا ہے۔ واقعۂ معراج میں مضمر عظمتِ بشر اور تسخیر کائنات کے تصورات شعری فکر میں کارفرما نظر آتے ہیں۔ شعرا نے نظم میں اس کا اظہار کئی طرح سے کیا ہے۔ بعض شعرا نے براہِ راست معراج اور اس کے مضمرات کو موضوع بنا کر نظمیں کہی ہیں جن کا رنگ روایتی نہیں جدید ہے۔ اسلوب اور فکر کے منفرد تجربات سامنے آئے ہیں اور نظم کے یہ تجربات نعتیہ روایت میں بھی صوری اور معنوی اضافوں کا باعث ہوئے ہیں۔ جدید اصناف سخن کو اپنایا گیا۔ آزاد، معرّیٰ اور نثری نظمیں کہی گئیں جن میں جذبہ اور فکر کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ مثلاً سرشار صدیقی کی نظم ''معراج'' دیکھیے۔ شاعر وقتِ معراج کائنات کی کیفیت بیان کرتے ہوئے بین السطور یہ واضح کرتا ہے کہ عبد و معبود کی قربت کیا معنویت اور وُقعت رکھتی ہے:

ساکت و صامت ہے نبضِ کائنات
ذرّہ و سیارہ و ماہ و نجوم
ساری مخلوقات عالم کا ہجوم
ہے تغیر جن کی فطرت
ان کو ہے حکمِ ثبات
دم بخود ہیں
آب و آتش، خاک و باد
سب عناصر، سارے اجزا
بے نیاز امتداد
وقت تھم کر رہ گیا ہے
لمحۂ موجود میں
فاصلے کم ہو گئے ہیں
عبد اور معبود میں
اک طرف ہے خالق کون و مکاں
ایک جانب حاصلِ کونین ہے
درمیاں بس پردۂ قوسین ہے (۲۵۶)

آسمانوں پر یارِ خوش خرام کے خیر مقدم کا سماں اور آپ ﷺ کی عالی مقامی کو بیان کرنے کے بعد نظم کا اختتام یوں ہوتا ہے:

۔۔۔رک گیا ہے
دل کی دھڑکن کی طرح
سارا نظام
اور اسی خلوت گہِ انوار میں
روشنی ہے روشنی سے ہمکلام (۲۵۷)

ایسی نظمیں بھی کہی گئیں جن میں مراحلِ معراج کا ذکر روایتی اسلوب میں نہیں بلکہ ندرت کے ساتھ اور جمالیاتی اسلوب میں کیا گیا اور رواں دواں ترنم میں ہی فکری نکات کو بڑی سہولت سے پرو دیا گیا ہے۔ عاصی کرنالی کی نظم "شبِ معراج" اس کا خوبصورت نمونہ ہے۔ فلک کی فضا کے بیان میں مترنم اور شیریں الفاظ و تراکیب نے حسن پیدا کیا ہے۔ مہ و نجوم کی کیفیات بیان

کرنے کے بعد شاعر اس رات کو عظمتِ بشر کا مظہر قرار دیتا ہے۔ نظم کے کچھ بند ملاحظہ ہوں:

شعاعِ نُور بے کراں — رواں دواں رواں دواں
تجلیات کہکشاں — حسیں حسیں جواں جواں
ضیائے جلوہ پیکراں — یہاں وہاں یہاں وہاں
تمام چرخ نیلگوں
جمالیات کا وطن

بشر بلند بال ہے — کمال ہے کمال ہے
عروج بے مثال ہے — کمال بے زوال ہے
تقرب جلال ہے — تسلط جمال ہے
رسائی دل و نظر
بلندئ شعور و فن

خودی جو پر کُشا ہوئی — شعاعِ نُور بن گئی
زمینِ خاک سے اُٹھی — بڑھی فلک کو چیرتی
ہوئی شکستہ ہر لڑی — یہ مادّی نظام بھی
خودی اگر ہو خود نگر
زماں شکن زماں شکن

یہ شب ہے رشکِ صد سحر — یہ نور سے بھی زندہ تر
رسول کی شبِ سفر — خودی کی سیر معتبر
یہ شب ہے عظمتِ بشر — بشر کی عظمتِ دگر
عظیم شب سعید شب
عطیۂ شہِ زمن[۲۵۸]

صدیق افغانی کی نظم ''کمال فن کا سراپا'' میں تصورِ عظمتِ آدم پر معراج النبیؐ کے پس منظر میں ہی نکتہ سنجی کی گئی ہے۔ شاعر کے بقول یہ عرش و فرش، کون و مکاں، خلد و دوزخ سب بشر کے زیرِ نگیں ہیں۔ انسان گردشِ ایام کے تصرّف سے انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ اس کی پروازِ حدودِ سما سے

آگے ہے۔ یہ قُرب و بُعد اور نشیب و فراز اس کے لیے کچھ بھی نہیں۔ بشر کی منزل کوہِ طور نہیں، وہ اس فریبِ نظر کائنات کے طلسمات، دام اور زنجیروں سے ماورا ہو کر عرشِ عظیم تک رسائی پا سکتا ہے:

بتانِ وہم کی تخلیق ، اہرمن کا کمال
کمالِ آدمِ خاکی مقامِ ابراہیم
رواں دواں ہو اگر روح و دل میں جوشِ جنوں
تو کچھ عجب نہیں زیرِ قدم ہو عرشِ عظیم (۲۵۹)

زمیں تا فلک ایک طلسم ہوش ربا چھایا ہے۔ یہ آسمان اور خلائیں انسان کے خلوصِ عمل اور عزم کے لیے امتحان گاہ ہیں آب و گِل اور عناصر کے بیچ اس رابطۂ روح و بدن سے مترشح ہے کہ انسان کا وجود کمالِ فن کا سراپا ہے۔ خدا نے آدمی کو وہ خروشِ لامحدود عطا کیا ہے کہ وہ اپنی حدود میں کبھی محدود نہیں ہو سکتا۔ نظم کا اختتام دیکھیے:

عبور کر کے حدودِ تعیناتِ جمال — خدا کا قرب بشر کی خودی کا ہے معراج
اور اس کے آگے خدا کیا ہے آدمی کیا ہے — یہ عقدہ نطق و بیاں کا ہے آج تک محتاج
بلند و افضل و اکمل بشر سے کوئی نہیں
مقام دُور حدودِ نظر سے کوئی نہیں (۲۶۰)

شعرا نے معراج کے لامحدود ابعاد کو مظاہر فطرت کے مطالعے کے ذریعے بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ واقعۂ معراج عمل میں آیا تو بعد ازاں اس کے اثرات کائناتِ ارض و سما میں تا ابد قائم رہنے والے ہیں۔ یہ امرِ عظیم انسان اور کائنات کے تعلق کی گواہی ہے جس کا ادراک اور احساس کسی خطے یا عہد کا پابند نہیں۔ صہبا اختر کی نظم ''نُور کی پرچھائیاں'' اس کی مثال ہے:

ایک دشتِ بیکراں سا آسماں
اور دشتِ بیکراں میں صورتِ ماہ و نجوم و کہکشاں
جا رہے ہیں رات کے یہ بادپا گھوڑے کہاں
ان کے سر پر کیوں تنے ہیں بجلیوں کے سائباں
کیسے گھوڑے ہیں کہ جن کو پر لگے ہیں بے گماں
اور یہ گھوڑے پرندے ہیں اگر تو اے سمائے بیکراں
کن خلائی شاخساروں میں ہیں ان کے آشیاں
اک ستارے نے کہا یہ ناگہاں
جو براقِ سیّد افلاک تھا

سب اسی کا عکسِ ضو ہیں
سب اسی کے نُور کی پرچھائیاں (۲۶۱)

واقعۂ معراج میں اللہ نے جو برتری اور تقرّب آپ ﷺ کو عطا فرمایا وہ آپ ﷺ کا اعزازِ خاص ہے اور خاتم النّبیین کی جداگانہ شانِ رسالت کا مظہر ہے۔ اس پہلو کو بھی نظم کا موضوع بتایا جاتا رہا ہے کہ ذاتِ مصطفی ﷺ کی وسعت اور ہمہ گیری کو اُجاگر کیا جاسکے۔ عزیز احسن کی نظم ''رمزِ معراج مصطفیٰ'' ملاحظہ ہو:

رات کے چھوٹے سے حصے میں سفر تا آسماں
صرف آقا کے لیے دنیا میں ممکن ہو سکا
مصلحت یہ تھی کہ وہ دیکھیں سبھی آیاتِ حق
اور دیں انسان کو سارا علم خود دیکھا ہوا
عالمِ انسانیت میں صرف اک انساں ہیں آپؐ
جن کو ان کے ربّ نے خود دیدار کا موقع دیا
علم کے عین الیقیں تک وسعتیں دیکھے کوئی
روشنی آفاق کی ہے مصطفیٰ تا مصطفیٰ (۲۶۲)

امجد اسلام امجد نے بھی اس اختصاص کو بیان کیا ہے کہ کائنات کے نظام میں یہ خاص عمل محض آپؐ کی خاطر وقوع پذیر ہوا۔ نظم ''شبِ معراج'' کے چند اشعار یہ ہیں۔

ہے یوں تو ایک گردشِ پیہم میں کائنات
جتنے نجوم اور ہیں سیارگاں یہاں
روزِ ازل سے ان کے لیے حکم ہے یہی
''سب اپنے اپنے دائروں میں گھومتے رہیں
کوئی کہیں رکے گا نہ بدلے گا راستا''
سو آج تک اسی طرح جاری ہے یہ نظام
ہر شے اپنی حد کی اور اوقات کی غلام
لیکن وہ ایک رات کہ جس رات میں کہیں
ٹھہرا تھا وقت صاحبِ معراج کے لیے
اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ٹھہری تھی کائنات
جانے وہ کتنا وقت تھا کیسا تھا وہ مقام (۲۶۳)

معراج کی بدولت آدمِ خاکی کے ذہن پر علوم وفنون کے نئے در وا ہوئے جو اس کے آئندہ ارتقا کی تعبیر بن گئے۔ یہ موضوع بصد انداز شعر و ادب کا موضوع بنا۔ ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کی نظم ''قصیدہ بردہ شریف کا ایک نقش'' کا ٹکڑا درج ذیل ہے:

---یہ تارے، کہکشاں نجم سحر، خورشید خاور آج تک ہمدم
اسی معراج کی افسانہ خوانی کرتے جاتے ہیں
فضائے بیکراں میں ذرّۂ خاکی
اسی معراج کے نقش کہن کو ڈھونڈنے نکلا
گروہِ مسلمیں آگے بڑھو، تاروں کو اب چھُو لو
زمیں کی پستیوں کو آسماں کر دو(۲۶۴)

اختر حسین جعفری کی نظم ''وہ نرم لہجے میں بولتا تھا'' کے اس ٹکڑے میں معراج کا ذکر جدید تر لہجے اور اسلوب کا مظہر ہے:

---یہ مالکِ عصر دیکھنا کون ہے کہ جس کے خطوط پر کار
قاب قوسین کے پُلوں سے
نکیل تھامے ہوئے ازل کی ابد کا محمل گزر رہا ہے(۲۶۵)

جلیل عالی کی منفرد نظم ''نور نہایا رستہ'' ایک منفرد تفکراتی فضا کی حامل ہے۔ آپؐ کی ذات اس نظم کا مرکزی کردار ہے جس سے وابستہ معیاراتِ عالیہ انسانیت کو تکمیل کی دعوت دے رہے ہیں۔ مختصر بلیغ اشاروں میں سیرتِ رسول ﷺ اور حیاتِ رسول ﷺ کے گوناگوں پہلوؤں کو بیان کرنا شاعر کا فنی کمال ہے۔ معراج سے متعلقہ اشعار درج ذیل ہیں:

اس کے نقوشِ پا کی ضیا سے   روشن کاہکشاں سا رستہ
اس کے خرامِ نور فزا سے   شب زاروں میں چمکا رستہ
اک کردار کہ جس کے ناطے   دل سے دل تک پہنچا رستہ
اک رفتار کہ صدیوں والا   پل دو پل میں نمٹا رستہ(۲۶۶)

فرشِ غارِ حرا سے لے کر   عرشِ علیٰ تک جاتا رستہ
اس کے سفر کی سمت مطابق   وقت نے اپنا بدلا رستہ(۲۶۷)

صلاح الدین پرویز نے اپنی نظموں کے مجموعے کو ''خطوط'' کا نام دیا ہے۔ جس کے ایک حصے میں ''رسول اللہ کے نام چند خطوط'' کی ذیل میں ۸ خطوط یعنی نظمیں درج کی ہیں۔ یہ طرزِ

اظہار بالکل انوکھا ہے۔ جس میں ندرت بھی ہے اور بے پایاں عقیدت بھی۔ ان کا تخلیقی شعور: تاریخی واقعات کو تقدّس اور شعریت سے آمیز کر دیتا ہے۔ خط نمبر ۸ میں سفر معراج کے اشارے موجود ہیں اور یہ واقعہ کائنات کے ہر منظر، فطرت کے سب مظاہر کی روح میں جاگزیں نظر آتا ہے:

دشت شب یک روز
کہ سب عزوعلا اک عالم غل میں جلتے رہے
بے تابیِ گل ٹوٹی بھی نہیں اور سارے مکاں چلتے بھی رہے
ناؤ تھی کوئی بادل سے بنی ایک عرصہ ٔگل پہ بہتی رہی
ایک بلبل لب خاموشی سے باراں رم جھم برساتی رہی
ایک عالمِ ہو تھا زیرِ زمیں، یک سکتہ شب میں ڈوبا ہوا
تھا فرش زمیں پر پھولوں کا عرشیلا مکاں دستک سے بندھا

زندہ زندہ

اے سیر ازل!
سامانِ سفر آنسو سے بھرا، ہنستا بھی ہوا
اے سیر ازل!
وہ رختِ سفر
اک درِّ ثمیں تھا آتش وش
نے رخش تھا پھر بھی رقص میں تھا
لگتے تھے گل و مل گلدستہ
انجم سے ملائک پیوستہ
وہ حُور نظر تا حد ادب رستہ تھا بنا شیشہ بہ صدف
ساقی تھا ہر اک منظر منظر، پیتا تھا مے بے جام صفت
یہ آتش دل کی بستی ہے
یہ کون مسافر رکتا ہے
جلتا ہے نگین خاتم دل، آہٹ کا سایہ جلتا ہے
جلتا ہے ہر اک ذرّہ ذرّہ "ہے" جلتا ہے "لا" جلتا ہے
اک آگ کا پردہ اُٹھتا ہے
اک پردہ نشیں بے تابانہ

خود کاسۂ دل چھاؤں کا بنا
بھرلیتا ہے اک پیاسے مسافر کو اپنی
آتش سے بھری تنہائی میں
پھر ابر دھڑکتا ہے زوروں
اور سب جل تھل ہو جاتا ہے
جل تھل جل تھل جل تھل جل تھل
جل تھل جل تھل جل تھل جل تھل (۲۶۸)

اس مجموعے کے آخری خط یعنی نظم کا نام بھی ''محمد رسول اللہ'' ہے۔ اس آزاد نظم کے پانچ بند ہیں جن میں واقعۂ ہجرت، سراپائے مبارک، غزواتِ نبوی اور معراج کی طرف اشارے ہیں نظم کا تیسرا بند یوں شروع ہوتا ہے:

''۔۔۔وہ اب پہاڑی پہ آ گیا تھا
کہ منتہیٰ تھی سہیلی اس کی
ہوا نے دیکھا
تھکی ہوئی سانس کی تہوں سے
اسے پکارا
سمندروں کے غلاف آنکھیں
صداؤں کی بے حساب سانسیں
سمٹ کے اس کے قریب آئیں
ہوا تھا لیکن ہوا نہیں تھا
صدا تھا لیکن صدا نہیں تھا
خدا نہیں تھا خدا نہیں تھا
وہ میٹھے پانی کا ایک جھرنا
خدائے برتر کا آئینہ تھا
وہ جا چکا ہے
وہ جا چکا ہے
وہ موتیا جیسے پاؤں والا
وہ چمپئی چاند نور والا
وہ بیلیا وہ مرا پیارا

اسے بلاؤ کہ ٹوٹ جاؤں میں اس کی آنکھوں میں نیند بن کے
اسے بلاؤ کہ پھوٹ جاؤں میں اس کے سینے میں بوند کے

وہ جاچکا ہے
وہ جاچکا ہے
وہ راہ اسریٰ کا کبریائی
وہ شاہ معراج وہ خدائی

وہ جاچکا ہے
مگر یہ گھر کیسا گھر ہے اس کا
یہ کیسا گھر ہے
مہک رہا ہے
یہ کیسا بستر ہے
جل رہا ہے
یہ اسپ از حد مکان والا
ابھی تلک سامنے کھڑا ہے
عبادتوں سے بنا پرندہ
ابھی تلک آنکھ مل رہا ہے
صدا صدا بے صدا فقیری
ہوا کے کاندھوں پہ چل رہی ہے
مگر بدن ڈر رہا ہے اس کا

صدا صدا بے صدا فقیری
ہوا ہوا، بے ہوا سواری
بدن بدن، بے بدن نمازی
خموش خاموش بے خموشی

وہ جاچکا ہے
وہ جاچکا ہے
کواڑ کی نرم گرم دستک
ابھی تلک اس کی منتظر ہے (۲۶۹)

رشید نثار کی نظم ''آج'' کا فکری محور عواقبِ معراج ہیں نظم کا آغاز نہایت خوبصورت ہے۔

رات بیدار ہے کونین کی آنکھیں روشن
ہر طرف نورِ صدا رنگ ہے لمحہ لمحہ (۲۷۰)

شاعر منازلِ عشق و عرفان کا بذریعہ معراج منکشف ہونا، استعاروں کنایوں میں بیان کرتا ہے۔ اس منصبِ عظیم نے آدمیت کا وقار واضح کر دیا۔ مرتبۂ انسان کائنات پر آشکارا ہو گیا۔ بشر خاکی عناصر کی قید سے مبرّا ہو گیا۔ عظمتِ انسان کا فسانہ عام ہوا۔ طلسم زمان و مکاں کی بے مائیگی ظاہر ہوئی۔ وقت اور مقام کا حصار اضافی شمار ہوا۔ نگاہِ عصر پہ نئی راہیں اُجاگر ہوئیں۔ لامتناہی امکانات کا در کھل گیا۔

آج انسان کی آنکھوں سے سحر پھوٹی ہے
جاگ اُٹھا ہے جنوں شعلۂ احساس ضمیر
پھر فروزاں ہے خودی رنگ کتاب تصویر
پھر بیاں ہونے لگی میری انا کی تفسیر
آج زنجیرِ غلامی کی صدا ٹوٹی ہے (۲۷۱)

یعقوب لطیف کی نظم ''خلاباز اور بوریا نشیں'' ایک فکر انگیز نظم ہے۔ اس نظم میں ڈرامائی اور مکالماتی انداز میں خلا سے آگے یعنی لامکاں سے متعلق تجسس کا اظہار اور انکشافات کی کوشش نظر آتی ہے۔ انسان کی عقل و دانش نے ہمیشہ سعی کی ہے کہ گماں سے آگے کے حقائق کو دریافت کر لے۔ کائنات کے سرِ تخلیق کو جانے، لیکن انسان کی محدود سوچ اور نظر اسے اسیر گمان رکھتی ہے۔ وہ اس نورِ بصیرت کا حامل نہیں کہ اس بشر کے مقام کو کماحقہٗ جان سکے جو ناظرِ لامکاں ہے۔

نظم میں بوریا نشیں کا ایک مکالمہ ملاحظہ کیجیے:

روح کیا چیز ہے فہم ہے کیا ۔۔۔ کیا وجود ان کا بھی اک گماں ہے
آنکھ اُنھیں دیکھ لیتی مجسم ۔۔۔ آنکھ کو اتنی قدرت کہاں ہے
آدمی کی سمجھ کیا نظر کیا ۔۔۔ اور ملک خدا بے کراں ہے
ہے زمان مکان سے مبرّا ۔۔۔ بزم نورانیاں لا مکاں ہے
لامکاں میں ہے واقع جہنم ۔۔۔ اور آباد باغ جناں ہے
سدرۃ المنتہٰی انتہا ہے ۔۔۔ آ گے کوئی فرشتہ کہاں ہے
بعد میں قاب قوسین ہے جو ۔۔۔ پایۂ تخت خدائے زماں ہے

واحد و لاشریک اس کی ہستی — صرف وہ ہے کہ جو جاوداں ہے
لے کے پیغام جبرئیل آئے — اے محمدؐ! خدا مہرباں ہے
اذنِ معراج تم کو مبارک — یہ سفر ارض تا لامکاں ہے
ایک لمحے میں طے کی مسافت — اس نے جو رہبرِ رہبراں ہے
اس جگہ میہماں تھے محمد — جس کا شاہد تو خود میزباں ہے
جس کی قرآن نے تصدیق کی ہے — ناسمجھ ہی کہے گا گماں ہے

روشنی مانگ دل کی نظر سے
دیکھ آگے بھی حدِّ خبر سے(۲۷۲)

عمیق حنفی نے ''صلصلۃالجرس'' میں سیرت النبیؐ کو جدید شاعری کے اوصاف کی حامل نظم کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ جدّت اظہار و بیان، آہنگ اور عروض میں تنوع کے باعث پیدا ہوتی ہے۔ عمیق حنفی نے فنکارانہ حساسیت کے ساتھ عشق و عقیدت کو نئی شعری تکنیک میں ڈھالا ہے۔ قاری کے لیے اس فن پارے میں قلب و نظر کی تسکین کا سامان ہے جس کی بنیاد اس تجربے پر ہے کہ قاری اُن کے پیش کردہ تناظرات میں ماضی و حال کا منظر نامہ، مستقبل کے امکانات، مذہب و اساطیر کے حوالے سے طلوع و عروجِ اسلام کے مراحل کو دھڑکتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ ایک درد مند دل حیاتِ رسول ﷺ کی تابندگی اور تبلیغِ اسلام کی سعیِ عظیم کے اُفق سے انسانی تاریخ کے منتشر اور زوال آمادہ مناظر پر نظر ڈالتا ہے تو وسیع تعمیری کرب اس کے تخلیقی سانچے میں ڈھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ نظم ہیئت کے اعتبار سے وسعت کا حامل تجربہ ہے۔ شاعر کی لفظیات، صوتیات، تمام تر جدید لسانیات کی عکاس ہیں۔ نظم میں واقعۂ معراج کے بیان کا آغاز یوں ہوتا ہے:

طلسم عناصر تمام
زمیں کی کشش خام
بہر گام بکھرے ہوئے ہیں
دشاؤں کے دام(۲۷۳)

گویا زمان و مکاں سے ماورا ایک امر کے بیان کے لیے فضا تیار ہو جاتی ہے۔ پھر شاعر شقِ صدر کا ذکر تاریخی اور سائنسی دونوں حوالوں سے کرتا ہے۔ براق کی ماہیئت بیان کرتا ہے۔ بیت المقدس پہنچنے اور پھر سفر آسمانی کے شروع ہونے کا ذکر کرتا ہے:

۔۔۔زمیں کو فلک سے ملانے لگا نور کا ایک زینہ

فلک جیسے چاندی کا فرس
ستارے سبک زر کی زنجیر میں کہکشانوں پہ لٹکے ہوئے
کیا جدّ اوّل کو بڑھ کے سلام
نظر آئی مصروفِ تسبیح مخلوق جس کا نہیں کچھ شمار (۲۷۴)

انبیا سے ملاقات، آسمانوں پر مشاہدہ کیے گئے مختلف فرشتوں کی صورتیں، سدرۃ المنتہٰی کا بیان، جب حجابِ جلال و حجابِ کمال نظر آنے لگا جبریل ٹھٹک کر کھڑے ہوگئے اور حضور اکیلے ہی آگے بڑھے، معراج کے بیان کا آخری حصہ دیکھیے:

۔۔۔اُٹھے سب حجاب
قریب آ گیا عرش اب فاصلہ قاب قوسین کا بھی نہیں
کہ گویا مقامِ فنا آ گیا
وہ سیلابِ انوار سورج بھی شرما گیا
کئی لاکھ سورج
مگر روشنی چاندنی مثلِ کافور
نہ ٹیڑھی ہوئی وہ نگاہ
نہ حد سے تجاوز کیا
لگا جیسے دو ہاتھ دل اور شانے کی جانب بڑھے
مشاماتِ جاں میں پگھلنے لگے برف کے کوہسار
سرور اور سکون اور راحت کا یہ انتہائی مقام
سفر وہ مکاں کا زماں کا
سفر لامکاں کا
ہوئی ریزہ ریزہ رصد گاہِ ادراک
ہوئے ذرہ ذرہ تمام آئینہ خانہ ہائے حواس
بہر گام بکھرے ہوئے ہیں دشاؤں کے دام
زمیں کی کشش خام
طلسمِ عناصر تمام (۲۷۵)

واقعۂ معراج کی مذہبی اساس سے قطع نظر اس سے تخلیق پانے والا ادبی اظہار زمان و مکاں سے ماورا ایک کائنات کی تصویر کھینچتا ہے جس کے اظہار میں ایک تہذیبی تاریخ سموئی ہوئی ہے۔

جسمانی اور روحانی کیفیات کے بیان میں بھی شعرا نے ہر عہد میں اپنے تہذیبی عناصر سے لاشعوری یا شعوری مدد لی ہے۔ معراج میں رسولِ کریم ﷺ کے سوا دیگر تمام مخلوقات غیر بشری ہیں جن کی حقیقت و ماہیت تک انسان کلی طور پر رسائی نہیں رکھتا۔ معراج کے بیان میں ان سب کی عکاسی بزورِ تخیل کی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ معراج کا ذکر گویا ایک ایسے زمانے پر مبنی ہے۔ جو ہمارے ماضی، حال، مستقبل سے ماورا ایک الگ زمانہ ہے۔ معراج کی عقلی تفہیم ممکن نہیں۔ اس حقیقت سے ہر انسان واقف ہے۔ واقعاتِ معراج میں جنت و دوزخ کا مشاہدہ بھی شامل ہے۔ روایات میں دستیاب مناظر کے سہارے شعرا نے اپنے تخیل کو پھیلا دیا ہے اور ہر عہد میں اس تخیل کی کارفرمائی نے گزشتہ مناظر میں اضافہ کر دیا ہے۔

جیلانی کامران لکھتے ہیں:

> ''ادبی تنقید کے مطابق ادب یا تو عکاسی ہے یا کشف ہے اور یہ دونوں باتیں انسانی تہذیبی شعور کی عدم موجودگی میں کام نہیں کر سکتیں۔ عکاسی کا دائرۂ کار حاضر اور موجود میں ہے۔ کشف کا دائرہ کار مستقبل میں ہے۔ معراج میں انسان کے ماضی، حال اور مستقبل کو ایک لمحے میں جمع کر کے ایسے انداز میں پھیلایا گیا ہے کہ یہ تینوں زمانے، زمانے سے الگ ہو کر قائم بالذات ہو گئے ہیں اور جس بلند ترین مقام سے رفت و بود اور آئندہ کو دیکھا گیا ہے۔ وہاں صرف ''ہست'' ہی کا لفظ سنائی دیتا ہے۔ معراج کا واقعہ ''ہست'' کی ایک ایسی تفسیر ہے جہاں ہر شے کی نیستی سے خدا کی ہمیشگی کا اقرار کیا گیا ہے۔''(۲۷۶)

وہ منظومات جن میں واقعۂ معراج براہِ راست موضوع نہیں بلکہ معراج سے وابستہ افکار و تصورات کو موضوعِ سخن بنایا گیا ان میں نمایاں رجحان تصورِ عظمت بشر یعنی مادّی کائنات پر انسان کے تفوّق کے اظہار کا ہے اور شعرا کے پیرایۂ اظہار میں صاف جھلکتا ہے کہ ان خیالات کی بنیاد اسلامی تصور معراج پر ہے۔ عبدالعزیز خالد کی ایک نظم ''اے خاک کے پتلے'' ملاحظہ ہو:

اے خاک کے پتلے کبھی اپنے پہ نظر کی	کس قطرہ ناچیز سے تخمیر ہے تیری
کر چھان پھٹک پہلے حجابات خودی کی	پھر پوچھ ہر اک شے سے طلسماتِ خُدائی
پہلے تو سمجھ سوچ پرکھ اپنی حدوں کو	برقا دل تیرہ کو اُجال اپنی شبوں کو
پھر کھینچ کفِ دست میں تاروں کی لووں کو	تقدیر کو دے مات کر افلاک کو تسخیر
سیّار و ثوابت پہ اڑا رفرفِ تدبیر	مہتاب کی وادی کو بنا رُوکشِ کشمیر

ہر طاق منور کر ہر کوچہ مصوّر ہستی سے عدم کی طرف آہستہ سفر کر(۲۷۷)

امین حزیں سیالکوٹی کی نظموں میں اسی سوچ کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ الفاظ و تراکیب کا چناؤ، شعری خیالات کے کلیدی الفاظ معراج النبیؐ سے مستنیر ہیں:

فرشتے شوق سے لینے لگے ہیں نام ترا
اب ان کی آنکھ سے اوجھل نہیں مقام ترا
تری نمود کی فطرت بھی ہو گئی قائل
تو ہی امام ہے کوئی نہیں امام ترا
غرورِ وسعت و پہنائیِ مکاں ٹوٹا
بچھا ہوا نہیں کیا لامکاں میں دام ترا
شراب عشق ترستے ہیں جس کو آفاقی
اسی سرورِ مجسم سے پر ہے جام ترا
مجال کس کی ہے اتنی کہ تیرے منہ آئے
بلا سکوت ، قیامت ہے اک کلام ترا
اسی مقام کو کہتے ہیں ''عبدہ'' کا مقام
خدا حبیب ترا ما سوا غلام ترا(۲۷۸)

نظم ''طلسم تضاد'' خدا اور بندے کے مابین مکالمہ ہے جس میں بندے کو اپنی ماہیت پر غور کرنے اور امکانات کو دریافت کرنے کی دعوت دی گئی ہے:

پہلے اپنی ماہیت پر کر نظر تو نہیں ہے خاک ہی خاک اے بشر
خاک کے پتلے نہیں مسئول تو تیری بپتا ہیں ترے فکر و نظر
پوچھتا ہے کون خالی سیپ کو دیکھتے یہ ہیں کہ ہے کیسا گُہر
خاک کو تخئیل نے چمکا دیا ظلمت شب ہو گئی نُور سحر
یہ جو ہیں قیدِ مکاں قیدِ زماں دسترس ان کا ہے خالی خاک پر
جوہر تخلیق یعنی امرِ ربّ لامکانی چیز ہے اے بے خبر

اے امین امر رب خاکی نہاد
خود تری تخلیق ہے جمع تضاد

لامکانی جوہرِ آزاد ہے اور مکانی خوگرِ فریاد ہے

لامکانی قمریٔ فردوس ہست　　اور مکانی بستہ پا شمشاد ہے
لامکانی ہے ھدیناہ السبیل　　اور مکانی صورتِ افتاد ہے
جس کو یزداں گیر کہتے ہیں مَلک　　لامکانی ہی وہ اک صیاد ہے (۲۷۹)

اسی طرح نظم ''احوال و مقامات'' کے یہ اشعار دیکھیے:

ہو غرقِ یمِ نور دل کا سفینہ___ کبھی آئینہ اور کبھی چشمِ بینا___ کبھی دستِ بیضا کبھی طور سینا
یہی ہے مقام حریمِ حضوری
خودی کی بلندی وہ معراج دل کی___ غنی ہے نظر جس سے محتاج دل کی___ غرض ہاتھ میں جس کے ہے لاج دل کی
حقیقت میں ہے جادۂ ناصبوری
وفورِ محبت سے مجبور ہونا___ مئے شوق سے مست و مسرور ہونا___ انا الحق سراۡ مثل منصور ہونا
ہے عشاق کی منزلِ بے قصوری
کفِ خاک بیباک ہو دیدہ ور ہو___ خود آگاہ ہو خود گر و خود نگر ہو___ زمیں پر قدم آسماں پر نظر ہو
کہ لاریب منشائے فطرت یہی ہے (۲۸۰)

الٓم مظفر نگری نے فنا و بقا کے تصورات اور وادیٔ عشق کے اطوار بیان کیے ہیں۔ بزم شوق میں سوز و ساز کو اثر گیری فقط خونِ جگر سے ملتی ہے۔ عشق کا قافلہ سرگرم ہو تو یہ چرخ بھی اس کے لیے گردِ راہ ہے۔ نظم ''عزیمت دعوت'' کے چند اشعار یہ ہیں:

رکتا نہیں جو سرحدِ افلاک پہ جا کر
لے جاتی ہے تا عرش اسے گرمیِ پرواز
اہمیتیں ایوانِ طلسمی کو نہ تُو دے
یہ گنبدِ نیلی تو ہے اک حدِ تگ و تاز
معراج محمدؐ کی حقیقت کو سمجھ لے
تھی صرف وہ اک نالۂ شبگیر کی آواز

پھر گرمِ سفر قافلۂ عشق ہوا ہے
یہ چرخ نہیں اس کی ہے گرد رہِ پرواز

شہباز ہے تو بامِ ہویت سے گزر جا
یہ عرش کی چوٹی تو ہے اک نقطۂ پرواز (۲۸۱)

انسان اپنی ذات میں کامل ہو اُس کی زندگی کی بنیاد عشق پر ہو تو وہ ہر فنا سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کائنات کا نظم و انتشار اس کی ذات سے منسلک ہے۔ خودی کے تصرّف کا یہ بیان نظم ''آزادِ ہر فناہوں میں'' کے ان اشعار میں دیکھیے:

وقار عالم تقدیس ہے مرا عرفاں
مری خودی کے تصرّف میں ہے نظام جہاں
ہزار حشر بدامن ہے میری آہ خموش
نفس نفس ہے مرا موجۂ پیام سروش
مرے جلو میں رواں ہیں فرشتگانِ جلیل
مجھے نصیب ہے ہر لمحہ سایۂ جبرئیل(۲۸۲)

نظم ''صفیر خودی'' میں بھی انسان کے دلِ ہنگامہ زا، جوشِ نفس اور شوق بے پروا کا ذکر ہے۔ انسان کا جذبۂ شوق ہزار طوفان و انقلاب کی بنیاد بن سکتا ہے۔ یہی آرزومندی اور تب و تاب اسے فرشتوں سے بہتر بناتی ہے:

میرے دم سے ہے ضیائے ماہ و انجم کا وجود
وسعتِ افلاک کو خورشید زا رکھتا ہوں میں
فیض ادراکِ صفاتی پر نہ ہو کیوں مجھ کو ناز
عالم جبروت کو حیرت فزا رکھتا ہوں میں

دُور ہے وہ دسترس سے شہپرِ جبریل کی
جس بلندی پر مقامِ کبریا رکھتا ہوں میں(۲۸۳)

اثؔر صہبائی کی ایک نظم سے اشعار دیکھیے:

یہ میرا پیکرِ خاکی ہے نور در آغوش
ہے ذرہ ذرہ مرے دل کا طور در آغوش
یہ کس کے حسن سے روشن ہوئی نگاہ مری
کمندِ ہر دو جہاں ہو گئی نگاہ مری
یہ کس کا نُور جبیں میں مری چمکتا ہے
کہ جبرئیلؑ بھی حیرت سے اس کو تکتا ہے(۲۸۴)

جوش کی ایک نظم ''زمین پر براق'' کا آغاز یوں ہوتا ہے:

رواں ہُوا ہے سُوئے آسماں زمیں کا براق
نگاہ روبرو اے روحِ انفس و آفاق(۲۸۵)

جوشؔ نے اس عنوان سے جو استعاراتی فضا پیدا کی ہے وہ عصرِ حاضر کے فکری، سیاسی، سماجی اور معاشی انقلاب کو بیان کر رہی ہے۔

وحید اختر کی نظم ''معراج'' کا خارجی پیکر مراحلِ معراج کی طرز پر اور داخلی فضا انسان کے اس فکری ارتقا کی آئینہ دار ہے جو مسلسل اضطراب سے جنم لیتا ہے نظم کی اس بُنت میں دلکشی اور تاثر ہے:

''۔۔۔ نیند کے در پہ ہوئی دستک سی
کس نے زنجیرِ خیالات کو جنبش دی ہے
جگمگانے لگے احساس کے آئینوں میں رنگیں اوراق
بول اُٹھیں جاگتی سوتی ہوئی تصویریں بھی
مطلعِ ذہن سے پھوٹی شفقِ نو آثار
خوابِ نادیدہ نے آنکھوں سے ہٹا دی چلمن
ماضی و حال نے آیندہ زمانوں کی حدوں سے جھانکا
پاؤں کی چاپ سے گونج اُٹھا سراپردۂ خواب
کھنچ گئیں پھیلی فضاؤں کی، خلاؤں کی طنابیں اک بار
چشمِ سیار و ثوابت سے لڑی ارض کی چشمِ بیدار
رقصِ افلاک بھی اب دسترسِ شوق میں ہے
خواب ہی خواب میں ہر سُو رقصاں
جل گئے شہپرِ کہیں سدرہ پر
اب ہے خود شوقِ سفر جادہ طراز و رہبر
کب کا تکمیل کو پہونچا سفر ہفت افلاک
پھر بھی زنجیرِ تخیل میں ہے جنبش اب تک
اس سے آگے بھی کہیں شاید کئی نادیدہ جہاں منتظرِ چشمِ بشر(۲۸۶)

اُردو نظم میں انسان اور مادی و روحانی دنیاؤں کے متعلق بے شمار سوالات، تصورات، امکانات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ وقت کی ماہیئت، وقت کا بہاؤ وقت کی اعتباری یا مستقل کیفیات

ذہنِ انسانی کے لیے ہمیشہ تجسس اور تحقیق کا موضوع رہی ہیں۔ جدید نظم نگاروں نے ان موضوعات پر بات کرتے ہوئے بسا اوقات شعوری یا لاشعوری طور پر ایسے تلازمات کو مَس کیا ہے جو واقعہ معراج سے اخذ و اکتساب کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ مختلف شعرا کی نظموں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کوئی دیتا ہے بہت دور سے آواز مجھے
چھپ کے بیٹھا ہے وہ شاید کسی سیارے میں
نغمہ و نُور کے اک سرمدی گہوارے میں
دے اجازت جو تری چشم فسوں ساز مجھے
اور ہو جائے محبت پرِ پرواز مجھے
اڑ کے پہنچوں میں وہاں روح کے طیارے میں
سرعتِ نُور سے یا آنکھ کے پلکارے میں
کہ فلک بھی نظر آتا ہے درِ باز مجھے(۲۸۷)

(راشدؔ)

تم سے ملنا تھا ملے دنیا سے
کشتیٔ کون و مکاں میں بیٹھے
تیر کر پار کیے حرف و حکایت کے سمندر کتنے
کتنی صدیوں سے سفریاب ہوئے
سرحدِ افلاک کے آگے کے جہاں خانوں میں
روشنی بن کے بہے

ہم نے تقدیر کے ہر نقطے کو ہمراز کیا
جسم کو تیری طرف مائلِ پرواز کیا(۲۸۸)

(نظم: غالب احمد)

بڑا پُر ہول رستا تھا
بدن کے جوہرِ خفتہ میں کوئی قوت لاہوت مدغم تھی

شش جہت کے سب عناصر زور سے پیچھے ہٹے تھے
اور میں آگے ہزاروں کوس بڑھ گیا تھا
اک عجب رفتار میری آگ میں تھی
کس قدر پُر ہول رستا تھا
پڑاؤ کے لیے کتنے جزیرے درمیاں آئے
زمیں مڑ مڑ کے آئی اور اک اک کر کے ساتوں آسماں آئے
مسلسل چل رہا تھا میں
ہوا میں ڈھل رہا تھا میں
مساموں سے شعاعِ بے نہایت پھوٹی پڑتی تھی
ابد کا اک جڑاؤ تاج میرے سر پہ رکھا تھا۔۔۔[۲۸۹]

(بڑا پُر ہول رستا تھا: رفیق سندیلوی)

احمد ندیمؔ قاسمی کی نظموں میں مرکزی موضوع انسان ہے۔ انسان کے عروج و زوال، عرفان و ایقان، تذبذب اور انتشار سبھی کچھ ان نظموں کا موضوع ہے۔ معلوم و نامعلوم کے مابین بھٹکتا ہوا سراسیمہ انسان بھی دِکھائی دیتا ہے جو حریمِ حسن تک پہنچنے کے لیے مضطرب ہے راہِ عشق میں اُٹھائے ہوئے روحانی کشف و ریاضت کا سہارا بھی تھامتا ہے۔ خوف و ہراس سے نکلنا چاہتا ہے۔ شعور کے مسائل، انسان کے مادی ارتقاء اور ذہنی خلا کی تعلیل بھی ندیم کی نظموں میں سنائی دیتی ہے۔ یہ انسان وقت کے ہاتھوں آگہی پایا ہوا انسان ہے جو اپنے مقامِ اوّلین پہ لوٹ جانے کو مستعد ہے۔ اس کی پرواز کی ابتدا ہی سے ستارے لرز رہے ہیں۔ آسمان کا خلا اس کی منزل نہیں بلکہ وہ اپنی جنت گم گشتہ کو پالینا چاہتا ہے۔

حیاتِ انسانی کے ظاہر و باطن اور نشیب و فراز پر غور کرتے ہوئے، پسِ کائنات مستور حقائق کو جاننے کی سعی کرتے ہوئے۔ کائنات کے مادی حصار سے نکل کر فردا پہ کمند ڈالنے کا پیام دیتے ہوئے، انسانی ذہنوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے شاعر کا تخیل وہی کڑیاں ملانے لگتا ہے۔ جن کا ماخذ واقعۂ معراج ہے۔ اکثر نظموں کے اشعار اور مصرعے معراج کے متعلقات سے استعاراتی فیض پا رہے ہیں۔

آج اس اوجِ پہ انساں ہے جہاں تک نہ اُٹھا
بالِ جبریل کا کیا ذکر، خیالِ جبریل[۲۹۰]

آخر انساں ہوں مشیت سے الجھنے والا
اوجِ افلاک کے اسرار کا غمّاز ہوں میں
جس کی پرواز میں خود خلوتِ یزداں ہے محیط
وہ دھندلکوں سے الجھتا ہوا شہباز ہوں میں (۲۹۱)

زندگی کے ورق الٹنے لگے
کتنے پردے نظر سے ہٹنے لگے
نوعِ انساں خدا سے جا کے ملی
ابتدا انتہا سے جا کے ملی
ٹوٹتا ہے فضا کا سناٹا (۲۹۲)

چاند ابھی دُور سہی چاند کی باتیں نہ کرو
یہ ستارہ تو بس اک مرحلۂ شب ہو گا
اب تو ذہنوں کو ستاتا ہے فقط ایک سوال
عرش سے پار تک انساں کا سفر کب ہو گا (۲۹۳)

وہ آہنی در جو نصب تھا فرش و عرش کے درمیاں
آخر پگھل رہا ہے
تقدس اور احترام کے مرکزوں سے پہرہ ہٹا ہوا ہے
خدا سے انساں کا ربط
سجدے سے آگے بڑھ کر
معانقے میں بدل رہا ہے (۲۹۴)

کبھی ایک ذرّے میں لاکھوں زمینیں کبھی ایک پل میں کروڑوں زمانے
میں کیا ہوں کہاں کا ارادہ ہے میرا مجھے کون سمجھے مجھے کون جانے
الٰہی خیالوں کے خلوت کدے میں کوئی شعبدہ باز سا آ بسا ہے
وہ پردے ہٹے۔ وہ کوئی مسکرایا۔ مجھے ہو بہو تُو نظر آ رہا (۲۹۵)

یوں دمادم اُٹھ رہے ہیں قدم
وقت حیران کھڑا سوچتا ہے
طیش میں لاکھ آئیں عناصر
ابنِ آدم کہاں مانتا ہے(۲۹۶)

اپنی نظروں کو مے عشق سے صیقل کر کے
کر لیے گنبدِ گردوں میں بھی روزن میں نے(۲۹۷)

اب بھی کرنوں کے سہارے سے کوئی پیکرِ نور
عرش سے وادیِ سینا میں اتر آتا ہے
اب بھی جبریل ستاروں کے اٹھا کر پردے
بحر و بر پر شب خاموش میں منڈلاتا ہے
اب بھی افلاک پہ دہکا ہوا گلزارِ جناں
خاک سے آنکھ ملاتے ہوئے شرماتا ہے(۲۹۸)

وہ ایک پل جو تجلی سے ہمکنار ہوا
ہماری تیز روی کا ہے ایک اجرِ عظیم(۲۹۹)

زمیں مری ہے فضا بھی مری خلا بھی مری
خلا مری ہے تو اقلیمِ ماورا بھی مری(۳۰۰)

انسان کے مادی جسم میں روح ایک ایسا جوہر ہے جس میں وسیع تر امکانات پوشیدہ ہیں اس طبعی دنیا سے نکل کر شاعر کا متخیّلہ ایک ان دیکھی دنیا میں سفر کرتا اور اس کے مشاہدات بیان کرتا ہے۔ وزیر آغا کی نظموں میں ماورائے عقل دنیاؤں کی کھوج ہے۔ انسان اور انسانیت سے محبت کی تمنا ہے۔ اس کی بنیاد وہ انسان کے ثباتِ وجود پر رکھتے ہیں ان کے ہاں امیجری؛ قدیم و جدید تہذیبی و ثقافتی حوالوں کے ساتھ ساتھ ماورائی حوالوں سے بھی تشکیل پاتی ہے۔ انسان اور کائنات کی ریخت کا خدشہ ان کے اندر معجزات کی اُمید بھی جگاتا ہے۔ ترفع کی یہ خواہش مختلف استعاراتی پیرایوں میں بیان ہوتی ہے۔ زمان و مکاں سے ماورائیت کا اظہار بھی ملتا ہے۔ جو اس ظاہری مادی دنیا سے دور کسی

دوسرے جہانِ حیرت میں لے جاتا ہے۔ ان نظموں کا بنیادی موضوع کچھ بھی ہو ماورائی عناصر کے بیان میں وہی تلازمات دِکھائی دیتے ہیں جن کا زیرِ نظر موضوع کے تحت مطالعہ ممکن ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

زمیں کی گدڑی کے سارے پیوند
اپنے اندر سمٹ گئے تھے
ستارے اب میرے روبرو تھے
ستارے جیسے کروڑوں اربوں ہمکتے جگنو
کہ زر فشاں تھے
مگر ستارے بھی ہولے ہولے سمٹ رہے تھے
سفر نے بے انت روشنی کا
سفید چوغہ پہن لیا تھا
کوئی بھی رستہ نہیں بچا تھا
سفر حدودِ سفر سے آزاد ہو گیا تھا(۳۰۱)

قدموں کے تلے میرے
زنجیر تھی لمحوں کی
میرے زرہ بکتر سے
جو کوندا لپکتا تھا
تاروں کے جھروکوں تک
پل بھر میں پہنچتا تھا
میں جسم کے مرقد سے
باہر بھی تھا اندر بھی (۳۰۲)

فلک سے سیڑھیاں اتری ہوئی ہیں
زمیں سے آسماں کو جانے والے
منتظر بیٹھے ہیں
کب آواز آئے
اور وہ اپنے مقدر میں لکھی

سیڑھی پہ جھپٹیں
آسماں کی سمت اوپر کو اُٹھیں
اوپر ہی اوپر
ان گنت پردے ہٹاتے
دوریوں کو جھولتے جائیں (۳۰۳)

معراج کے لغوی معنی انتہائی بلندی اور عروج کے ہیں اصطلاحاً وہ معنی مراد لیے جاتے ہیں جو حضور ﷺ کی عالمِ بالا کی سیر سے منسوب ہیں لیکن یہ کہنا بعید از امکان نہیں کہ ہمارے ذہنوں میں یہ دونوں معانی مدغم یا یوں کہیے کہ لازم و ملزوم ہو چکے ہیں۔ خواہ لاشعوری طور پر ہی سہی ہمارا تخلیق کار بھی اسی لغوی و اصطلاحی معانی کے اتصال پر ہی کاربند رہتا ہے۔ بعض ایسی نظمیں ہیں جنہیں شعرا نے معراج سے معنون کیا ہے۔

"معراج"

زمیں گھوم چکا آسماں سے ہو آیا
مکاں کا ذکر کیا لا مکاں سے ہو آیا
مگر عروج کا احساس ہے جبھی ممکن
اگر ندیم ترے آستاں سے ہو آیا (۳۰۴)

مختصر یہ کہ نظم میں شعرا نے سیرت پاک کی بیکرانی کو اپنے فن کی بنیاد بنا کر بھی لفظ گری کی ہے۔ بلیغ رموز و اشارات جہانِ معنی کے صورت گر ہیں۔ واقعۂ معراج کی زمانی و مکانی جہات سے تصویر کشی علم اور عقیدت سے مرکب انداز بیان تخلیق کرتی ہے۔ نظموں کے مختصر پیکر میں ڈرامائیت، مکالمہ سازی، کردار کی عکاسی، تخیل کی قوت، سبھی کچھ مترشح ہے۔ ادبی حوالے سے اس لازوال معجزے نے حساس اور توانا تخلیقی اذہان کو لازوال اسلوب اپنانے کے لیے ایک تحریک مہیا کی ہے۔ اس واقعے کی لامحدودیت اسلوب کے امکانات کو اور بھی وسیع کر دیتی ہے۔ اگرچہ اس ضمن میں ابھی بے پناہ تجربات نہیں ہوئے لیکن یہ بابِ سخن نئی راہیں اُجاگر کر رہا ہے۔ چند صفحات پر مبنی یہ جائزہ جدید اُردو نظم کے ایک محدود مطالعے کا ماحصل ہے۔ زیرِ نظر موضوع کے حوالے سے نظم کا وسیع اور کثیر الجہت مطالعہ و تجزیہ ایک ضخیم دفتر کا متقاضی ہے۔ بلاشبہ اس اقدام سے نئے فکری و فنی حقائق منکشف ہو سکتے ہیں۔

فصل سوم:

اقبال کی شاعری میں تصوّرِ معراج (خصوصی مطالعہ)

عشقِ رسول ﷺ اقبال کی فکر کا غالب ترین پہلو ہے۔ جس نے شعرِ اقبال میں ایک زندگی بخش لہر دوڑادی ہے۔ اس جذبۂ عشق میں سرمستی و رعنائی کے ساتھ ساتھ، گرمی، حرکت اور توانائی بھی ہے۔ اس لیے اقبال آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے انسلاکات بیان کرتے ہیں تو اوصافِ حمیدہ کا بیان بھی، مروّجہ مضامین کا اعادہ یا تکرار بننے کے بجائے احیا کا انداز رکھتا ہے۔ اقبال حبّ رسول ﷺ کو مسلم اُمّہ کے لیے باعثِ تقویت خیال کرتے ہیں۔ لٰہذا معجزاتِ رسول ﷺ میں سے واقعۂ معراج وہ معجزہ ہے جو آنحضور ﷺ کی لامکاں تک رسائی کے حوالے سے عروجِ عبدیت کی فروزاں مثال ہے۔ یہ عظیم واقعہ فکرِ اقبال کے لیے قوتِ بخش ساماں ہے وہ اس کے مضمرات سے بنی نوع انسان کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں اور واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ انسان کی حرکی قوّتوں کے لیے یہ کائنات ایک جولان گاہ ہے اور حدودِ سماوات بھی قوتِ انسانی سے پنہاں نہیں۔ خودی کامل ہو جائے تو کائنات اس میں سما جاتی ہے۔

اقبال کے نزدیک محبوبِ الٰہی کی شان کا بلیغ اظہار واقعۂ معراج سے ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ کے حکم سے افلاک کے سربستہ راز مشاہدہ کرائے گئے اور گویا یہ خبر دی گئی کہ اس کائنات کی وسعتوں میں انسان کے ارتقاء کے لیے لامتناہی امکانات موجود ہیں۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ واقعۂ معراج نے ظاہر کر دیا کہ انسان تکمیلِ خودی کے بعد خالق کے روبرو اپنی ہستی برقرار رکھتا ہے۔ یہی خودی کی معراج ہے کہ انسان عالم عبدیت میں بھی منشائے خداوندی سے تطبیق کر لیتا ہے۔ معراج النبی ﷺ نے انسانیت کو یہ درس دیا کہ حضور ﷺ کی یہ روحانی عظمت، انسانیت کا شرف ہے۔ اللہ نے جو خاص عنایت آپ ﷺ پر کی، تحفۂ نماز کی ودیعت سے اس کا پرتو ہر مسلمان کو نصیب ہو گیا۔

واقعۂ معراج کا ذکر قرآن حکیم احادیث، کتب سیرت و تواریخ کے علاوہ صوفیاء و عارفین کے ہاں موجود ہے۔ ان ماخذات سے استفادے کے بعد اقبال نے اسے یوں اپنی فکر کا جزو بنایا ہے کہ اقبال کے ذہنی ارتقا کے ساتھ ساتھ فکر کا یہ پہلو بھی نکھرتا جاتا ہے اور بالآخر۔ جاوید نامہ میں اپنے عروج کو پہنچتا ہے۔ اگرچہ فکرِ اقبال پر مغربی فلسفیوں اور مفکرین کے جزوی اثرات سے انکار

نہیں کیا جا سکتا۔ مگر وہ زبردست باطنی قوت جو فکر اقبال کو عرفانِ نفس سے عرفانِ حقیقت مطلق تک کا تخلیقی شعور فراہم کرتی ہے۔ وہ عشقِ رسول ہے اور رسولِ مقبول کی حیاتِ مبارکہ کا لازوال معجزہ یعنی واقعۂ معراج بالخصوص اقبال کے تمام فکری عناصر میں پرتَو فگن ہے۔ اقبال کے ہاں معراج ایک نکتۂ ہدایت ہے اور تسخیرِ افلاک کے لیے سنگِ میل ہے کئی علوم کی طرف انسان نے اس واقعے کی بدولت توجہ کی اور رسالت پر انسان کا ایمان ویقین اور گہرا ہو گیا۔

اقبال کا مطمع نظر تھا کہ معراج کے روحانی فکری اور نفسیاتی مضمرات پر غور کیا جائے وہ مسلم حکماءو محققین کی توجہ اس طرف دلانا چاہتے تھے۔ڈاکٹر سیّد عبد اللہ لکھتے ہیں:

> ''معراج حقائق علوی کی دریافت کے لیے ایک جذبہ انگیز مہمیز ہے۔۔۔ اور افلاک کی تسخیر کے لیے نشانِ راہ۔ علامہ کے لیے باعث تشویش شاید یہ امر تھا کہ مسلمانوں نے حقائق روحانی کی طرف تو پوری پوری توجہ کی۔۔۔ اور خطیرۃ القدس تک کی خبر لے آئے لیکن اس واقعے سے پیدا شدہ دوسری قریبی معرفتیں جن کی بدولت یورپ آج خلائی تسخیر کے قابل ہو سکا ہے کیوں نظر انداز کر گئے۔ یہ نکتہ علامہ کی نظر میں قابلِ تحقیق ہے۔''(۳۰۵)

معراج مصطفوی امرِ خاص ہے۔ حضور ﷺ کے مقام کی بات منفرد ہے جو حدِّ ادراک سے بالاتر ہے۔ سیّد عبد اللہ نے دیگر نکات کے ساتھ اس پر بھی بحث کی ہے کہ اقبال نے عام صوفیا و اولیا کے سفر روحانی اور معراج مصطفوی کے مابین خطِ فاصل کھینچ دیا ہے۔ عام روحانی شخصیتوں کی سیرِ آسمانی کے لیے لفظ معراج کا استعمال آسانی سے کر لیا جاتا ہے مگر علامہ نے اس میں احتیاط برتی ہے۔

اقبال نے معراج محمدیؐ کی بلندی و عظمت اور تخصص کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے رازوں کی طرف توجہ دلائی ہے انسان کو عرفان اور ارتقائے شعور کی دعوت دی ہے۔ اقبال کا منشا ہے کہ معراج جسمانی یا روحانی، نیز بحالتِ بیداری یا بحالتِ خواب کے مباحث میں الجھنے کے بجائے اس کے اثرات، ثمرات اور غایات پر سوچ بچار کی جائے۔ اقبال کے اردو کلام میں درج ذیل دو نظمیں براہِ راست معراج کے عنوان سے ہیں:

''شبِ معراج''

اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات (۳۰۶)

"معراج"

دلے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرّہ مہ و مہر کو تاراج
مشکل نہیں یارانِ چمن معرکۂ باز
پر سوز اگر ہو نفسِ سینۂ درّاج
ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سرِّ سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج
تو معنی "والنجم" نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جذر ابھی چاند کا محتاج(۳۰۷)

ان اشعار میں اقبال نے واضح کر دیا کہ انسان کے عزمِ صمیم کے آگے آسمان کی بلندی کو پالینا بھی بعید از امکان نہیں معراج کے اس بیان میں نتیجہ خیزی ہمت کوشی، فلک رسائی اور آدم کی عظمت و جلالت جھلکتی ہے۔ معراجِ محمدی نے مادی کائنات پر انسانی تفوّق کی مہر ثبت کر دی جس پر چاند ستارے بھی ششدر رہیں۔

عروج آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے(۳۰۸)

اقبال نے معراج اور صاحبِ معراج کا ذکر عام دین دارانہ انداز میں نہیں کیا بلکہ حیات آفریں اور محرّک عامل کے طور پر کیا ہے۔ اسی لیے ان کے ہاں یہ پیغام جھلکتا ہے کہ اس مشتِ خاک میں لذتِ پرواز کی بدولت چاند سورج کو زیر کرنے کی قوت موجود ہے۔ مسلمان کا مقصد اوجِ ثریا کو پانا ہے۔ یہی وہ راز ہے جو معراج میں مضمر ہے اور واقعۂ معراج کا مقصود جن انقلاب آفریں حقائق کو آشکار کرنا ہے ان سے نگاہِ مسلم ابھی پوری طرح واقف نہیں۔ اس کے فکری و روحانی ارتقا کے لیے ابھی مزید تحریک کی ضرورت ہے۔

معراجِ مصطفیؐ سے متعلق اقبال کے تدبّرات کا خلاصہ یہ شعر ہے:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں(۳۰۹)

گویا واقعۂ معراج نے امکاناتِ آدم کا بھید آشکارا کر دیا اور یہ ممکن ہو گیا کہ انسان اپنے کمال کو پہنچ جائے تو اس خاکی دنیا سے متعلق ہونے کے باوجود ذاتِ حقیقی کے اسرار و مشاہدات اپنے سینے

میں بھر لائے۔

چُناں باز آمدن از لا مکانش
درونِ سینہ اُو برکف جہانش[۳۱۰]

اقبال کے نزدیک واقعۂ معراج انسان کے روحانی ارتقاء کے لیے مہمیز کرتا ہے۔ ”زبورِ عجم“ میں ایک مقام پر سوال ہے:

وصال ممکن و واجب بہم چیست؟
حدیث قرب و بُعد و بیش و کم چیست؟[۳۱۱]

ذاتِ الٰہی واجب ہے اور اس کی ذات کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ ممکن ہے۔ ممکن اور واجب کا وصال یا باہمی تعلق کیا ہے؟ نزدیک اور دُور زیادہ اور کم کی بات کیا ہے، یہ سوالات دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ عارفین یہ سمجھتے ہیں کہ انسان ذاتِ حقیقی کے قُرب کی خواہش رکھتا ہے اور اللہ بھی اپنے بندے سے رابطہ چاہتا ہے۔ اس لیے آگے چل کر اقبال کہتے ہیں کہ کمان میں تیر رکھ اور اپنا ہدف پہچان لے۔ اسی نکتے سے معراج کی یہ رمز سمجھ میں آتی ہے کہ اگر انسان اپنی پوشیدہ قوتوں سے واقف ہو جائے تو جان لے گا کہ کس طرح زمین و آسمان چشمِ زدن میں طے کیے جا سکتے ہیں۔

کماں را زہ کن و آماج دریاب
ز حرفم نکتۂ معراج دریاب[۳۱۲]

اقبال اسی کو کمال زندگی قرار دیتے ہیں کہ اطراف و جہات سے آزاد ہو کر ذات کا دیدار نصیب ہو اور بندہ محو ہو کر ذاتِ حق کی خلوت میں اس طرح بیٹھے کہ باہم دیدار کا عالم ہو۔

کمالِ زندگی دیدارِ ذات است　　طریقش رستن از بند جہات است
چناں با ذات حق خلوت گزینی　　ترا او بیند و او را تو بینی[۳۱۳]

بالِ جبریل کے درج ذیل اشعار بھی مومن کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ انسان محض عقل نہیں رکھتا بلکہ اس کی لذتِ شوق، علم و عقل کی حدود سے ماورا ہو کر اسے اللہ کا ہمکلام اور اس کے دیدار کی نعمت کا حق دار بھی بنا سکتی ہے:

ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نِرا صاحبِ ادراک نہیں ہے[۳۱۴]

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لیے
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے[۳۱۵]

بالِ جبریل کی پہلی ہی غزل میں اقبال کے الفاظ وتراکیب، رموز وعلائم اس بات پر دال ہیں کہ اللہ اور اس کے بندے کے قُرب کے متعلق اقبال کے تصورات کی بنیاد یقیناً حضور ﷺ کے اس قُربِ الٰہی پر ہے جو آپ ﷺ کو معراج کی شب میسر آیا:

میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں
حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں
میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں(۳۱۶)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان لکھتے ہیں:

''اللہ کو اللہ کی ہی خاطر چاہنے والا جب اس کے حریم میں پہنچتا ہے تو ایک شور اُٹھتا ہے کہ کیا ایسا بھی کوئی ہے جو صفات کی وجہ سے نہیں بلکہ ذات کی وجہ سے مجھے چاہتا ہے؟ اور عالمِ صفات میں بھی ایک ہلچل مچ جاتی ہے کہ صفات کی پروانہ کرتے ہوئے یہ چاہنے والا سیدھا حریمِ ذات میں پہنچ رہا ہے یہ ایک خاص الخاص موحد کی شان ہے۔''(۳۱۷)

تصورِ معراج کے حوالے سے اقبال کی سب سے اہم تصنیف ''جاوید نامہ'' ہے یہ فکرِ اقبال کے ارتقا کا انتہائی مقام ہے۔ اس عظیم شعری وفکری تخلیق میں اقبال کا یہ پیغام تکمیل کو پہنچتا ہے کہ محمد ﷺ کی پیروی کرے تو انسان عالم افلاک تک رسائی پا سکتا ہے۔ انتہائی عظمت وبلندی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ اقبال کا مدعا یہ ہے کہ مسلمان اس تب وتاب کا حامل ہو کہ انسانی صلاحیتوں کی انتہائے کمال کا مظہر ہو تبھی دیدار کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔

مرد مومن در نسازد باصفات　　　مصطفیٰ راضی نشد الّا بذات
چیست معراج؟ آرزوئے شاہدے　　　امتحانے روبروئے شاہدے(۳۱۸)

روح مسلم میں وہ تڑپ موجود ہے کہ کائنات کی سب قوتوں کو تسخیر کرلے۔ وہ اپنے قوائے بدنی سے جہانِ گردوپیش کے ساتھ موافقت پیدا کرتا ہے۔ اس کا شعور اس کے جذب وشوق میں وہ انقلاب پیدا کرتا ہے کہ انسان زمان ومکان سے ماوراہو کر مقام معراج کو پالیتا ہے:

چیست جاں؟ جذب و سرور و سوز و درد
ذوق تسخیرِ سپہر گرد گرد
چیست تن؟ با رنگ و بو خو کردن است
بامقام چار سو خو کردن است

از شعور است ایں کہ گوئی نزد و دور
چیست معراج؟ انقلاب اندر شعور(۳۱۹)

تہ در تہ افلاک سے ستیزہ کار ہو کر مردِ کامل کی روح وہ مضبوطی تحرک اور توانائی پالیتی ہے کہ بیکراں فضائے نور میں پرواز کرتی ہے۔ حور و فرشتہ سے آگے کے مقامات پر پہنچتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ سرفرازی پالیتی ہے کہ جسے کتابِ الٰہی میں "مازاغ البصر وماطغٰی" سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہی منتہائے عبدیت ہے۔ "عبدہٗ" کا مقام اسی کو کہتے ہیں:

در فضائے صد سپہر نیلگوں غوطہ پیہم خوردہ باز آید بروں
ایں ستیزد دمبدم پاکش کند محکم و سیارہ چالاکش کند
می کند پرواز در پہنائے نور مکلبش گیرندہ جبریل و حور
تا ز "مازاغ البصر" گیرد نصیب بر مقام "عبدہٗ" گردد رقیب(۳۲۰)

اقبال کے نزدیک مردِ مومن کی تکمیل اسی میں ہے "اسرارِ خودی" میں نیابت الٰہی کے باب میں وہ نائبِ خدا کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مدعائے علم الاسما ستے
سرِ سبحان الذی اسراستے(۳۲۱)

اسی طرح "ارمغانِ حجاز" میں کہتے ہیں:

مقام بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر
زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات
حریمِ ذات ہے اس کا نشیمنِ ابدی
نہ تیرہ خاک لحد ہے نہ جلوہ گاہِ صفات(۳۲۲)

فکرِ اقبال کا محور تصورِ خودی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا عرفان حاصل کرے۔ تمام جسمانی روحانی قویٰ کو بالیدہ کرے۔ مردِ خود آگاہ اپنی خودی کی نشو و نما کرتا ہے۔ اطاعت اور ضبطِ نفس کے مدارج سے گزر کر نیابتِ الٰہی کے منصب پر فائزہ ہوتا ہے۔ قوتِ عشق اور عالمِ فقر اسے یہ بلندی عطا کرتے ہیں۔ اقبال نے خودی کے احوال و مقامات جس طور بیان کیے ہیں۔ ان سے صاف جھلکتا ہے کہ خودی کی تکمیل انسان کو ذاتِ حقیقی کا قرب عطا کرتی ہے اور وہ اس مادی کائنات سے بالاتر ہو کر روحانی علو حاصل کر لیتا ہے۔ جو اس کے لیے قُربِ الٰہی کا ضامن ہو جاتا ہے۔ جب اقبال کہتے ہیں:

خودی کی ہے یہ منزل اوّلیں　　جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر　　طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر
خودی شیر مولا جہاں اس کا صید　　زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید (۳۲۳)

اس سے صاف جھلکتا ہے کہ خودی کی پرورش کرتے ہوئے انسان قُربِ حقیقی کی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے۔ معراج النبیؐ میں بھی یہی پیام مضمر ہے۔ اقبال معراجِ مسلمانی کا جو درس دیتے ہیں وہ معراجِ مصطفیٰ سے مستفیض ہے۔ اقبال کے ہاں پیش کردہ خودی کے مراحل یعنی اطاعت اور ضبطِ نفس کو طے کرتے ہوئے نیابتِ الٰہی کے منصب پر فائز ہونے کی کامل ترین مثال خود آنحضور ﷺ کی حیاتِ پاک ہے۔ اقبال کے تصورِ خودی میں معراج النبیؐ کا پرتَو درج ذیل مثالوں سے ملاحظہ ہو:

خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا (۳۲۴)

خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ (۳۲۵)

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی (۳۲۶)

خودی کے صیقل کرنے کو عشق درکار ہے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ عشق کی قوت سے انسان نئی دنیاؤں تک رسائی پا لیتا ہے۔ فاصلے اور وقت کے احساس مٹ جاتے ہیں اور یہی معراج کی بنیاد ہے۔ اقبال انسان کے شعور میں کائنات کے رازوں کو جاننے اور ارض و سماوات کے بھید پانے کی خواہش بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ جو جذبۂ عشق سے ممکن ہے۔ نظم ''عقل و دل'' میں عقل کے امکانات بیان ہوتے ہیں اور دل (جو ''عشق'' اور ''نظر'' کا قائم مقام ہے) اپنی رسائی کو جن حوالوں سے بیان کرتا ہے وہ معراج کے حوالے سے بالخصوص اہم ہیں:

شمع تو محفلِ صداقت کی　　حُسن کی بزم کا دیا ہوں میں
تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا　　طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں
کس بلندی پہ ہے مقام مرا　　عرش ربِ جلیل کا ہوں میں (۳۲۷)

اقبال کی شاعری جس طرح تمام شعری روایات میں ممتاز ہے۔ اسی طرح معراج کے مضمرات تک رسائی کے لیے ان کے ذہنِ رسا نے سب سے امتیازی شان سے پرواز کی ہے۔ کہیں حقائق کے انکشاف کا احساس ہوتا ہے۔ کہیں الہام و نزول کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اقبال کے ہاں مذہبی اور فلسفیانہ افکار بھی اس قرینے سے بیان ہوتے ہیں کہ ان میں تجریدیت کے بجائے محسوساتی انداز پیدا ہو جاتا ہے۔ جذبۂ عشق کی بلند پروازی کے اظہار کے لیے ان کا استعاراتی نظام بھی واقعۂ معراج سے حوالے حاصل کرتا ہے۔ اس لیے یہ جذبۂ عشق انسان کو مادی کائنات کے مظاہر سے ماورا لے جاتا ہوا نظر آتا ہے۔ بالِ جبریل کی یہ غزل ملاحظہ ہو:

اپنی جولاں گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں
آب و گِل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں
بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
اک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں
عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں(۳۲۸)

اس کا اظہار اور مقامات پر بھی ملتا ہے جس سے قاری کا ذہن فوراً اس طرف مبذول ہوتا ہے کہ کس طرح حضور ﷺ چشمِ زدن میں سب فاصلوں کو طے کر کے لامکاں تک رسا ہوئے۔

وادیٔ عشق ستے دور و دراز است ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے(۳۲۹)

اقبال کے نزدیک عقل کی رسائی مادی و ظاہری دنیا تک اور عشق کی رسائی لامکاں تک ہے:

عقلِ آدم بر جہاں شبخوں زند
عشق او بر لا مکاں شبخوں زند(۳۳۰)

محمد اعجاز الحق لکھتے ہیں:

”اقبال کے نزدیک سائنس اور معرفت کے حدود الگ ہیں۔ سائنس کا کام مشاہدہ کرنا اور پرکھنا ہے جبکہ معرفت کا کام حقیقتِ مطلق تک رسائی کی کوشش کرنا ہے۔ سائنس اپنے علم کو استدلال کے ترازو میں تولتی ہے جبکہ معرفت اپنی کیفیاتِ نگاہ سے پرکھتی ہے۔ سائنس کے حدود جہان آب و خاک تک ہیں جبکہ معرفت کی رسائی

جہانِ روح تک ہے۔ سائنس تجلی کا صرف مشاہدہ کرتی ہے جبکہ معرفت تجلی کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔"(۳۳۱)

اقبال نے عشق کے اسرار و رموز کو جس طور بیان کیا ہے اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اقبال کے نزدیک عشق میں جو زمانِ مسلسل سے رُستگاری، حضور و اضطراب کی کیف آوری اور حدِ ادراک سے آگے قُربِ حقیقی تک رسائی۔۔۔ جیسے اوصاف موجود ہیں ان کا احساس و یقین اقبال کو واقعۂ معراج سے ہوا۔

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام(۳۳۲)

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب(۳۳۳)

حدِّ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دُوری(۳۳۴)

معبود حقیقی تک رسائی کے لیے عاشق ستاروں کے کاشانوں سے گزر سکتا ہے کیونکہ اس کی نظر کے لیے آسمان کا یہ پردہ چاک کرنا ممکن ہے۔ عشق کو مقوی اور متیقن سمجھنے کا باعث فکر اقبال میں معراج النبیؐ کی بازگشت ہے:

رہے بمنزل آں ماہ سخت دشوار است
چناں کہ عشق بدوش ستارہ می گزرد
ز پردہ بندی گردوں چہ جائے نومیدی است
کہ ناوک نظر ما ز خارہ می گزرد(۳۳۵)

یوں اقبال کے تصورات میں مقام آدمیت یعنی عظمت آدم کا اظہار بھی لامحالہ معراج النبیؐ سے ہی جِلا پاتا ہے۔ انسان اس جہانِ چار سُو کی بلندی سے گزر جاتا ہے۔ گویا ساری کائنات اس کے اندر سما جاتی ہے:

جہانِ چار سو اندر برِ من   ہوائے لامکاں اندر سرِ من
چو بگزشتم ازیں بام بلندے   چو گرد افتاد پرواز از پرِ من(۳۳۶)

حضور ﷺ کی معراج انتہائے کمال کو ظاہر کرتی ہے کہ یہ خاکی انسان قُربِ الٰہی کا مقدار

ہو سکتا ہے۔ اقبال انسان کے اس تفکر کو مہمیز کرتے ہیں کہ اپنی اصل کا ادراک کرے اور اپنے امکانات کا اندازہ لگائے۔

شاخِ نہال سدرہ خار و خس چمن مشو
منکرِ او اگر شدی منکر خویشتن مشو(۳۳۷)

ہر چند زمیں سائیم برترز ثریائیم
دانی کہ نمی سازد ایں شام و سحر مارا(۳۳۸)

و لیکن من ندانم گوہرم چیست
نگاہم برتر از گردوں تنم خاک(۳۳۹)

بانوریاں بگو کہ ز عقل بلند دست
ما خاکیاں بدوش ثریا سوادہ ایم(۳۴۰)

من بہ زمیں در شدم من بفلک برشدم
بستہ جادوئے من ذرہ و مہرِ منیر(۳۴۱)

اقبال بارہا خودی کا درس دیتے ہیں تو اس کا محرک یہی ہے کہ وہ انسان کی حقیقت کو چشم مسلم پر عیاں کرنا چاہتے ہیں اسے وہ راہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اپنے مقام عظیم تک پہنچنے کے لیے روح و نظر کی تطہیر لازم ہے۔ اس جہانِ آب و گِل میں رہتے ہوئے بھی سینۂ آدم میں ذاتِ حق سے پیہم اتصال کی کیفیت طاری ہو سکتی ہے، انسان کا اپنے ربّ سے یہ روحانی قُرب اسے حور و فرشتہ سے بھی بلند قرار دیتا ہے۔ زمین و آسمان سے بالاتر رسائی دیتا ہے۔ اس تمام فکر کا سرچشمہ معراج النبیؐ ہے:

واقف ہو اگر لذتِ بیداریٔ شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پُراسرار(۳۴۲)

عرش معلّیٰ سے کم سینۂ آدم نہیں
گرچہ خاک کی حد ہے سپہرِ کبود(۳۴۳)

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام(۳۴۴)

طلسم گنبدِ گردوں کو توڑ سکتے ہیں
زجاج کی یہ عمارت ہے سنگِ خارہ نہیں
یہیں بہشت بھی ہے حور و جبرئیل بھی ہے
تری نگہ میں ابھی شوخیِ نظارہ نہیں(۳۴۵)

ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تُو(۳۴۶)

دورِ حاضر میں جس طرح انسان نے خلاؤں کو تسخیر کیا ہے۔ اس سے واقعۂ معراج کے وہ مضمرات آشکار ہو گئے ہیں جو مادی ارتقا سے متعلق ہیں جن سے انسان کی تمام مادی عناصر پر فوقیت ثابت ہوتی ہے۔ انسان کی زندگی بظاہر ایک پیکرِ خاکی میں پوشیدہ ہے مگر اس کی قوتِ تسخیر یہ ہے کہ فطرت کے تمام مظاہر اس کی لپیٹ میں ہیں۔ یہ آسمان، سورج، چاند، ستارے، کہکشائیں، سب معراج النبیؐ ہی کی بدولت آدم کی قوتِ تسخیر کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور دوبارہ اس انسانی عروج کو دیکھنے کے منتظر ہیں۔ اقبال کے ہاں عروج انسانی کے ذکر میں خاص لفظیات، تراکیب اور علائم سے ان کے فکری سرچشمے کا علم ہوتا ہے۔

آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی(۳۴۷)

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں یہ ستارے یہ نیلگوں افلاک(۳۴۸)

فضا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے
قدم اٹھا یہ مقام آسماں سے دُور نہیں(۳۴۹)

فطرت کو خرد کے روبرو کر
تسخیرِ مقامِ رنگ و بُو کر(۳۵۰)

اقبال کے ہاں واقعۂ معراج کے تناظر میں وقت کی ماہیئت اور زمان و مکاں کے تصورات بھی زیرِ بحث آتے ہیں۔ اقبال وقت کو ایک تخلیقی اور ارتقائی قوت سمجھتے ہیں جو غیر مستقل اور اعتباری

ہے۔ جس پر قابو پا کر انسان زندگی کے ممکنات کو سامنے لا سکتا ہے اور انسان کو باور کراتے ہیں کہ عقل کے بل بوتے پر زمینی و آسمانی مظاہر کو تسخیر کر لیکن کسی اور حکمت سے خود کو رات اور دن کے چکر سے نکال کیونکہ تیرا مقام زمان و مکاں کی حد سے پرے ہیں۔ جہاں جہتیں نہیں ہیں:

جہان چند وچوں زیر نگیں کن
بگردوں ماہ و پرویں را نگیں کن
و لیکن حکمت دیگر بیاموز
رہاں خود را ازیں مکر شب و روز
مقام توبروں از روزگار است
طلب کن آں یمیں کہ بے یسار است (۳۵۱)

خودی میں ڈوب جا غافل یہ سرِّ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا (۳۵۲)

کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ ہوش
اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش (۳۵۳)

اقبال نے مردِ مومن کے لیے زمان و مکاں کے اعتباری تصورات کی سخت تردید کی ہے کیونکہ معراج النبیؐ سے بھی زمان و مکاں کے اس تصور کی تردید ہوتی ہے۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی لکھتے ہیں:

"اس اصول کو مان کر کہ ہمہ گیر انا کی ہستی محدود انا کی ہستی کے مشابہ ہے وہ (اقبال) یہ ثابت کرتے ہیں کہ انائے کامل کا زمان ایک غیر متوالی تغیر ہے۔ یعنی انائے کامل کا زمان ایک عضوی کلیت ہے جو اس انا کی تخلیقی حرکت کی وجہ سے جوہری یا منقسم نظر آتا ہے، اس لیے ایک طرف تو انا دوام اور ابد میں یعنی غیر متوالی تغیر میں دوسری طرف تسلسلی زمان میں وجود رکھتا ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ تسلسلی زمان ابد و دوام کے ساتھ اس معنی میں مربوط ہے کہ وہ در حقیقت غیر متوالی تغیر کا ایک ناپ ہے۔ اس طرح الٰہی زمان اور تسلسلی زمان کے درمیانی رابطے کی تشریح ہو جاتی ہے۔ اس تخیل میں ارتقا کا اسلامی تصور مضمر ہے۔" (۳۵۴)

انسان کو قُربِ حق نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات اسے حدِّ امکانی کا پابند نہیں رہنے دیتی اور

انسان اپنے جذب و شوق سے وہ علویت پالیتا ہے کہ دیدارِ حق کا معجزہ نصیب ہوتا ہے۔ اقبال نے معراج النبیؐ کے توسط سے ہی مردِ مومن کو روح کی بیداری کا یہ پیام دیا ہے۔ تاکہ وہ اپنی قوتوں کو تحریک دے اور زمان و مکاں کا طلسم توڑ کر نئی دنیائیں تلاش کرے۔

تُو اے اسیر مکاں! لامکاں سے دور نہیں
وہ جلوہ گاہ ترے خاکداں سے دُور نہیں(۳۵۵)

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں(۳۵۶)

جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اس کا
وجود جس کا نہیں جذبِ خاک سے آزاد(۳۵۷)

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر(۳۵۸)

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں ، نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ(۳۵۹)

مضموں فراق کا ہوں ثریا نشاں ہوں میں
آہنگِ طبعِ ناظم کون و مکاں ہوں میں(۳۶۰)

یہ سلسلہ زمان و مکاں کا کمند ہے
طوقِ گلوئے حسنِ تماشا پسند ہے(۳۶۱)

اقبال نے "جاوید نامہ" میں بھی زروان کی زبانی انسان کے اس سلسلۂ روز و شب اور مکان شش جہات سے زمانِ خالص اور لامکاں تک رسائی کو بیان کیا ہے۔ اگرچہ اقبال جدید حکمت اور سائنس سے بھی مستفید ہیں لیکن ان مباحث کا بنیادی مرجع واقعۂ معراج ہے۔ وہ اس فکر کے داعی

ہیں کہ علمی فکرو تدبر اس مادی دنیا تک محدود ہے۔ جذب و شوق اور جذبۂ عشق و آگاہی اور چیز ہے۔ جس سے انسان میں وہ خدائی صفات پیدا ہوتی ہیں کہ وہ اپنے باطن میں موجود غیر اللہ کے افکار و خیالات کو جلا ڈالتا ہے اور مکاں و لا مکاں دونوں پر حاوی ہو جاتا ہے:

چُو آتش خویش را اندر جہان زن
شبیخوں بر مکان و لا مکاں زن(۳۶۲)

مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکاں
مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ(۳۶۳)

اقبال کے ہاں فقر کا پیمانہ بھی یہی ہے کہ مردِ مومن تسخیرِ جہات کرتا ہے۔ اس کا فقر؛ جذبۂ عشق میں مست اور مقامِ نظر یعنی کشفِ حقیقت کا حامل ہے۔ اس فقر کا حامل ہو تو مردِ مومن اس حلقۂ شام و سحر سے سر بگریباں نہیں رہتا قُربِ حق سے سرفراز ہوتا ہے:

فقرِ مومن چیست؟ تسخیرِ جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات(۳۶۴)

بالِ جبریل کی غزل کے یہ اشعار دیکھیے:

علم فقیہ و حکیم ، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ ، فقر ہے دانائے راہ
فقر مقامِ نظر ، علم مقامِ خبر
فقر میں مستی ثواب ، علم میں مستی گناہ
علم کا موجود اور ، فقر کا موجود اور
اشھد ان لا الٰہ ، اشھد ان لا الٰہ
دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگاہ توڑ دے ، آئینۂ مہر و ماہ(۳۶۵)

سیّد عابد علی عابد لکھتے ہیں:

> ”علامہ کے کلام میں خبر علمی مشاہدے اور سائنسی تجربے کی علامت ہے۔ خبر کے ذریعے حقیقت کا ادراک اور تعقل کیا جاتا ہے۔ نظر کشف و شہود کی علامت ہے بعض اوقات سینہ فیض ربانی سے اس طرح منور ہوتا ہے کہ حقیقت کاملاً مکشوف ہوتی ہے اس طریقے پر کشفِ حقیقت کو نظر کہتے ہیں۔“(۳۶۶)

یوں دیکھیے تو افکارِ اقبال کے تمام زاویے باہم مربوط ہیں اور ان تمام کو توحید و رسالت اور معجزہ ہائے رسالت، بالخصوص معجزۂ معراج سے جلا ملتی ہے اور ان افکار کے اظہار میں بھی اقبال کا اسلوب اور الفاظ و تراکیب ان کے پیام سے ہم آہنگ ہیں اور اقبال کی مخصوص شعری فضا میں اپنے باطنی مفاہیم کو واضح کرتے ہیں۔ ان رموز و علائم میں مظاہرِ فطرت اور اصطلاحاتِ تصوف بھی شامل ہیں پھر اقبال کی شاعری کے کردار ہیں جو مخصوص پس منظر کی بدولت ایک خاص موضوع بن جاتے ہیں۔ پروفیسر توقیر ملک لکھتے ہیں:

"جبریل کو اقبال نے خاص طور پر اپنی شاعری میں برتا ہے۔ جبریل سے اقبال غیر معمولی طور پر متاثر ہیں چونکہ وہ راز دارِ نبوت ہے، ہمسفرِ رسول ہے، معراج کا شاہدِ عادل ہے۔"(۳۶۷)

جبریل، ملائکہ میں بلند مرتبت اور بلند پرواز ہے۔ اقبال مردِ مومن کو مقامِ معراج کی تمنا کے لیے بلند پروازی کا جو ذوق تجویز کرتے ہیں اس کی مثال بارہا جبریلؑ کے توسط سے دیتے ہیں:

شوق راہ خویش داند بے دلیل
شوق پروازے ببال جبرئیل
شوق را راہِ دراز آمد دو گام
ایں مسافر خستہ گردد از مقام(۳۶۸)

اُردو کلام میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں:

عشق دم جبرئیل ، عشق دلِ مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام(۳۶۹)

ہر سینہ نشیمن نہیں جبریل امیں کا
ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیاد(۳۷۰)

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا(۳۷۱)

اقبال بندۂ مومن کو اللہ تک رسائی پانے کے لیے اور مقامِ خلافت تک پہنچنے کے لیے آمادہ کرتے ہیں تو مومن کے اوصاف اجاگر کرنے کے لیے جبریل کا حوالہ بار بار در آتا ہے:

امینِ راز ہے مردانِ حُر کی درویشی
کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبتِ خویشی[۳۷۲]

جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و اسرافیل کا صیاد ہے مومن[۳۷۳]

ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی
نہیں اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں[۳۷۴]

حضور ﷺ کا معراج پر جانا بھی عشق سے تعلق رکھتا ہے جبرئیل امیں کی پیام بر آری اور اس واسطے سے حضور ﷺ کے دل میں نویدِ وصل سے جوش انگیزی کو اقبال وسیع معنویت کے ساتھ تلمیحی انداز میں استعمال کرتے ہیں:

سینہ کشادہ جبرئیل از بر عاشقاں گزشت
تا شررے باو فتد آتش آرزوئے[۳۷۵]

اسی حوالے سے اقبال مرد مومن کو یہ بھی باور کراتے ہیں کہ مردِ کامل کا مقام جبرئیل سے بڑھ جاتا ہے جب وہ تکمیلِ خودی اور شعورِ عبدیت کی انتہا کو پالیتا ہے تو اللہ کا قُربِ خاص اسے جبرئیل سے اولیٰ قرار دیتا ہے:

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور ، اے ہمت مردانہ[۳۷۶]

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشۂ چالاک
رکھتی ہے مگر طاقتِ پرواز مری خاک
وہ خاک کہ ہے جس کا جنوں صیقلِ ادراک
وہ خاک ، کہ جبریل کی ہے جس سے قبا چاک[۳۷۷]

سطورِ بالا میں اقبال کے مخصوص تصورات میں واقعۂ معراج النبیؐ کی تاثیر کا جائزہ لیا گیا مگر حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی تمام شاعری میں یہ محسوسات گاہے بگاہے باطنی سطح پر موجود رہتے ہیں کہیں ان کا اظہار علامتی ہے کہیں تلمیحی اور استعاراتی انداز رکھتا ہے، براہِ راست معراج النبیؐ ان کا موضوع نہ بھی ہو ان کے شعری قرائن اس اثر سے آزاد نہیں ہوتے:

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے
جہانِ آب و گِل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے(۳۷۸)

نہ ایں عالم حجاب او را نہ آں عالم نقاب او را
اگر تاب نظر داری ، نگاہے می تواں کردن(۳۷۹)

او بیک دانۂ گندم بزمینم انداخت
تو بیک جرعۂ آب آں سوئے افلاک انداز(۳۸۰)

کف خاک برگ و سازم بر ہے ملشانم او را
با اُمید ایں کہ روزے بفلک رسانم او را(۳۸۱)

واقعۂ معراج کمال معجزاتِ مصطفیٰ ہے۔ موسیٰ کو دیدار کی نعمت نصیب نہ ہوئی جبکہ حضور ﷺ اس سے فیضیاب ہوئے۔ آپ ﷺ کے احوال و مقامات کا محرم اللہ کے سوا کوئی نہیں، یہ نکات اقبال کے تخلیقی لاشعور میں موجزن رہتے ہیں:

کھُلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی
گیا دورِ حدیثِ لن ترانی(۳۸۲)

ان کو کیا معلوم اس طائر کے احوال و مقام
روح ہے جس کی دمِ پرواز سر تا پا نظر(۳۸۳)

غزل کے علائم و رموز بالعموم روایتی رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ غزل گو شعرا نے ان کی نئی معنوی تفہیم کی ہے اور بعض شعرا نے ذاتی اجتہاد سے اس علامتی نظام کو وسیع کیا ہے۔ اقبال کی غزل بھی ان کے مخصوص رجحانات اور شعری لہجے کے ساتھ ساتھ وہی رمزیت رکھتی ہے جو اقبال سے مخصوص ہے۔ اقبال کا مربوط اور پختہ فکری نظام نظم اور غزل دونوں میں جھلکتا ہے۔

اقبال کی غزلیات سے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔ جنہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ واقعۂ معراج کا اقبال کے تخلیقی لاشعور میں جاگزیں ہونا اُن کے شعری مضامین، لفظیات، تشبیہات و استعارات، تلمیحات اور علائم رموز سے مترشح ہے:

عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی (۳۸۴)

مقامِ شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد (۳۸۵)

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریم کبریا سے آشنا کر (۳۸۶)

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند (۳۸۷)

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں (۳۸۸)

اک شرع مسلمانی اک جذب مسلمانی
ہے جذب مسلمانی سرِّ فلک الافلاک (۳۸۹)

افلاک سے نالوں کا آتا ہے جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر، اُٹھتے ہیں حجاب آخر (۳۹۰)

مغربی تہذیب اور تقلیدِ مغرب بھی اقبال کے موضوعات میں ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں اقبال نے مسلمان کو ایک بلند مقام تک رسائی پانے کا پیغام دیا ہے اس مقصد کی راہ میں مغربی تہذیب کی پیروی ایک بدترین رکاوٹ ہے، اقبال نے سو ڈھنگ سے مسلمانوں کو اس تہذیب کا اندرون دکھانے کی سعی کی ہے۔ درج ذیل اشعار میں یہی مغربی تہذیب اقبال کا موضوع ہے لیکن اس کے بیان میں تلمیحی ربط واقعۂ معراج سے ہے:

فروغ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے
تری نظر کا نگہباں ہو صاحبِ مازاغ(۳۹۱)

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی(۳۹۲)

کلام اقبال کی معنویت میں معراج النبیؐ کے اثرات کے علاوہ اقبال کی نظموں کے خارجی پیکر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تخیل کی سطح پر عالمِ بالا یا کسی جہانِ دیگر کی سیر کا عنصر بھی یہاں موجود ہے عالمی ادب، بالخصوص مشرقی اور اسلامی ادب میں اس چیز کی موجودگی یقیناً روایتِ معراج کے زیرِ اثر ہے۔

بانگ درا کی نظم ''عشق اور موت'' میں جہانِ بالا کا ذکر ہے۔ نمودِ جہان کی گھڑی میں مظاہرِ فطرت کے جواہر کی تخصیص کی جا رہی ہے۔ ملائک محوِ پرواز تھے۔ عشق نامی فرشتے کی ملاقات اجل سے ہوتی ہے اور اجل، عشق کی برقِ تبسم سے فنا ہو جاتی ہے عشق باقی رہتا ہے۔ اس فرشتے کا حلیہ بیان کیا جاتا ہے تو واقعاتِ معراج کی بازگشت سنائی دینے لگتی ہے:

فرشتہ تھا اک عشق تھا نام اس کا
کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا
فرشتہ کہ پتلا تھا بیتابیوں کا
ملک کا ملک اور پارے کا پارا(۳۹۳)

نظم ''محبت'' میں عالم بالا کا منظر ہے۔ ابھی نظم ہستی کی ابتداء تھی عالمِ بالا میں کوئی کیمیا گر عرش کے پائے پر لکھا نسخۂ اکسیر حاصل کر کے محبت کا مرکب تیار کرتا ہے۔ جس سے ذرّوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

بڑھا تسبیح خوانی کے بہانے عرش کی جانب
تمنائے دلی بر آئی آخر سعیِ پیہم سے
پھرایا فکرِ اجزا نے اسے میدانِ امکاں میں
چھپے گی کیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے(۳۹۴)

نظم ''سیر افلاک'' میں شاعر کا تخیل عالمِ دیگر میں پرواز کرتا ہے آسمان سے گزرتا ہے۔ جنت اور دوزخ کے مشاہدے بیان کرتا ہے اور ایسا کرنے میں معراج ہی کی طرز پر زمان کی گردش

سے آزاد ہو جاتا ہے:

حلقۂ صبح و شام سے نکلا
اس پرانے نظام سے نکلا(۳۹۵)

نظم ''حضور رسالت مآب میں'' بھی جہانِ دیگر کے تخیلی سفر پر مبنی ہے۔ فرشتے شاعر کو بزم رسالت میں لے جاتے ہیں اس نظم کے آغاز میں بھی اقبال اس حلقۂ شام و سحر سے رستگاری کی خواہش کو اپنی فطرت کا خاصہ ظاہر کرتے ہیں:

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن
نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا(۳۹۶)

اقبال کی شاعری میں عالم بالا کی سیر کا عظیم مظہر ''جاوید نامہ'' ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اقبال کے تجدّد فن نے معراج کی تفہیم کے بھی نئے پہلو اجاگر کیے ہیں۔ اس طرزِ احساس نے اقبال کے تشبیہات و استعارات اور علائم و رموز میں بھی معنوی وسعت پیدا کر دی ہے۔ تصورِ معراج، اقبال کی تخلیقی فکر کے ان عوامل میں سے ہے جنھوں نے اقبال کے افکار و تصورات اسلوب اور جمالیات کو متاثر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی اقبال کے افکار و خیالات کا سرچشمہ ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کے انتہائے کمال یعنی واقعۂ معراج نے ہر سطح پر اقبال کی فکری رو کو مہمیز کیا ہے۔ اقبال نے اسے کئی جہات سے دکھایا ہے اور اپنی شاعری میں مابعد الطبعیاتی رموز و علائم پیدا کیے ہیں کئی ایسے بلیغ مضامین ہیں جن کی نکتہ در نکتہ تفہیم کی جائے تو سراغ ملتا ہے کہ یہاں فکر اقبال کا شاخسانہ واقعۂ معراج ہے روایتی اور عوامی معراج ناموں کے برعکس اقبال نے اس واقعے کو مابعد الطبیعیاتی اور فکری زاویوں سے دیکھا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ولی دکنی، کلیاتِ ولی دکنی، مرتبہ: نور الحسن ہاشمی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی: ۲۰۰۸ء، ص:۱۰۳
۲۔ ایضاً، ص:۱۱۰
۳۔ ایضاً، ص:۱۲۲
۴۔ ایضاً، ص:۱۷۷
۵۔ ایضاً، ص:۱۷۸
۶۔ ایضاً، ص:۱۸۱
۷۔ ایضاً، ص:۱۸۲
۸۔ ایضاً، ص:۲۸۸
۹۔ سراج اورنگ آبادی، کلیاتِ سراج، مرتبہ: عبدالقادر سروری، حیدرآباد دکن: ۱۹۴۰ء، ص:۲۳۰
۱۰۔ ایضاً، ص:۳۷۸
۱۱۔ ایضاً، ص:۳۰۹
۱۲۔ ایضاً، ص:۳۴۰
۱۳۔ ایضاً، ص:۴۱۸
۱۴۔ ایضاً، ص:۴۳۳
۱۵۔ شیخ ظہور الدین حاتم، دیوان زادہ، مرتبہ: عبدالحق، دلی کتاب گھر، ۲۰۱۱ء، ص:۱۳۸
۱۶۔ ایضاً، ص:۱۹۹
۱۷۔ ایضاً، ص:۲۰۵
۱۸۔ ایضاً، ص:۲۳۲
۱۹۔ ایضاً، ص:۲۴۸
۲۰۔ ایضاً، ص:۲۸۸
۲۱۔ ایضاً، ص:۳۳۵
۲۲۔ شاہ مبارک آبروؔ، دیوانِ آبرو، مرتبہ: ڈاکٹر محمد حسن، ادارۂ تصنیف، علی گڑھ: ۱۹۶۹ء، ص:۴۰
۲۳۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، مرتبہ: عبدالباری آسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۸۷ء، ص:۲۷
۲۴۔ ایضاً، ص:۲۸

۲۵۔ ایضاً، ص:۱۰
۲۶۔ ایضاً، ص:۱۱۹
۲۷۔ ایضاً، ص:۱۱۸
۲۸۔ ایضاً، ص:۵٦۵
۲۹۔ ایضاً، ص:۳۳۷
۳۰۔ ایضاً، ص:۱۷۳
۳۱۔ ایضاً، ص:۵۷۵
۳۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، حصہ دوم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی: ۱۹۸۴ء، ص:۷۴٦
۳۳۔ خواجہ میر دردؔ، دیوانِ درد، مرتبہ: ڈاکٹر نسیم احمد، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی: ۲۰۰۳ء، ص:۱۱۹
۳۴۔ ایضاً، ص:۱٦۰
۳۵۔ خواجہ محمد شفیع دہلوی، شرح دیوانِ درد، دہلی ۱۹۴۱ء، ص:۱۳
۳٦۔ ایضاً، ص:۱۲۲
۳۷۔ ایضاً، ص:۱۵۷
۳۸۔ مرزا محمد رفیع سوداؔ، کلیاتِ سودا، مرتبہ: عبدالباری آسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۸۷ء، ص:۱۰
۳۹۔ ایضاً، ص:٦۱
۴۰۔ ایضاً، ص:۲۱۷
۴۱۔ میر سوزؔ، کلیات میر سوزؔ، مرتبہ: ڈاکٹر زاہد منیر عامر، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۲۰۰۷ء، ص:۲۳۹
۴۲۔ ایضاً، ص:۲۲۹
۴۳۔ ایضاً، ص:۲۲۴
۴۴۔ بحوالہ جمیل جالبی، تاریخ ادب اُردو (جلد دوم)، ص:۸۳۷
۴۵۔ ایضاً، ص:۹۱۰
۴٦۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی، کلیاتِ مصحفی، دیوانِ اوّل، مرتبہ: ڈاکٹر نور الحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹٦۸ء، ص:۱٦۰
۴۷۔ کلیاتِ مصحفی، دیوانِ دوم، مرتبہ: ڈاکٹر نور الحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹٦۹ء، ص:۱۰۸
۴۸۔ ایضاً، ص:۳۵۳

۴۹۔ ایضاً،ص:۵۳۷
۵۰۔ ایضاً،ص:۵۳۷
۵۱۔ ایضاً،ص:۲۴۰
۵۲۔ ایضاً،ص:۳۵۰
۵۳۔ کلیاتِ مصحفی، دیوانِ چہارم، مرتبہ: ڈاکٹر نورالحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۴ء، ص:۱۵۸
۵۴۔ کلیاتِ مصحفی، دیوانِ پنجم، مرتبہ: ڈاکٹر نورالحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، س ن، ص:۰۵
۵۵۔ ایضاً،ص:۱۷۹
۵۶۔ کلیاتِ مصحفی، دیوانِ اوّل، ص:۱۳۵
۵۷۔ ایضاً،ص:۳۴۰
۵۸۔ ایضاً،ص:۳۶۶
۵۹۔ ایضاً،ص:۳۸۷
۶۰۔ کلیاتِ مصحفی، دیوانِ چہارم، ص:۱۷۹
۶۱۔ ایضاً،ص:۴۶۷
۶۲۔ مبین مرزا، مضمون ''نعت اور اُردو شاعری کی تہذیب''، مشمولہ: نعت رنگ، شمارہ ۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، ص:۲۵
۶۳۔ سیّد انشا اللہ خان انشاؔ، کلیاتِ انشا، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۹ء، ص:۱۵
۶۴۔ ایضاً،ص:۴۰
۶۵۔ ایضاً،ص:۴۷
۶۶۔ ایضاً،ص:۴۹
۶۷۔ ایضاً،ص:۱۲۶
۶۸۔ ایضاً،ص:۱۷۲
۶۹۔ ایضاً،ص:۲۷۳
۷۰۔ ایضاً،ص:۴۰۳
۷۱۔ ایضاً،ص:۴۲۱
۷۲۔ شیخ قلندر بخش جرأت، کلیاتِ جرأت، جلد اوّل، مرتبہ: ڈاکٹر اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۸ء، ص:۲۰۳
۷۳۔ ایضاً،ص:۲۳۲

۷۴۔ ایضاً، ص:۲۶۷
۷۵۔ ایضاً، ص:۴۶۲
۷۶۔ کلیاتِ جرأت، مطبع کارنامہ، لکھنؤ:۱۸۸۳ء، ص:۱۲۰
۷۷۔ ایضاً، ص:۱۲۶
۷۸۔ ایضاً، ص:۱۲۷
۷۹۔ ایضاً، ص:۱۵۷
۸۰۔ امام بخش ناسخ، کلیاتِ ناسخ، (جلد اوّل)، مرتبہ: یونس جاوید، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۸۷ء، ص:۱۰۷
۸۱۔ ایضاً، ص:۲۶۲
۸۲۔ ایضاً، ص:۳۶۳
۸۳۔ ایضاً، ص:۳۶۵
۸۴۔ حیدر علی آتش، کلیاتِ آتش، مطبع نول کشور، لکھنؤ:۱۹۱۵ء، ص:۴
۸۵۔ ایضاً، ص:۱۰
۸۶۔ ایضاً، ص:۱۱
۸۷۔ ایضاً، ص:۱۲
۸۸۔ ایضاً، ص:۳۲
۸۹۔ ایضاً، ص:۶۳
۹۰۔ ایضاً، ص:۶۹
۹۱۔ ایضاً، ص:۹۶
۹۲۔ ایضاً، ص:۲۵۹
۹۳۔ ایضاً، ص:۲۸۱
۹۴۔ ایضاً، ص:۲۸۲
۹۵۔ ایضاً، ص:۳۰۸
۹۶۔ شیخ محمد ابراہیم، ذوقؔ، کلیاتِ ذوق، مرتبہ: ڈاکٹر تنویر احمد علوی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۶ء، ص:۱۴۴
۹۷۔ ایضاً، ص:۱۹۸
۹۸۔ ایضاً، ص:۲۲۴
۹۹۔ ایضاً، ص:۳۹۰

۱۰۰ ۔ ایضاً، ص:۲۱۲

۱۰۱ ۔ ایضاً، ص:۲۵۱

۱۰۲ ۔ ایضاً، ص:۳۷۶

۱۰۳ ۔ ایضاً، ص:۳۳۰

۱۰۴ ۔ ایضاً، ص:۳۰۷

۱۰۵ ۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب، دیوانِ غالب، مرتبہ: امتیاز علی خان عرشی، مجلس ترقی ادب، لاہور: س ن، ص:۱۸۶

۱۰۶ ۔ ایضاً، ص:۱۳۰

۱۰۷ ۔ پروفیسر، شفقت رضوی، مضمون ''غالب بحضور رسالت مآب میں''، مشمولہ: غالب اور ثنائے خواجہ، ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی: ۲۰۱۶ء، ص:۶۳

۱۰۸ ۔ دیوانِ غالب، ص:۵۳

۱۰۹ ۔ دیوانِ غالب، ص:۱۸۸

۱۱۰ ۔ غلام رسول مہر، نوائے سروش، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: س ن، ص:۳۶۶

۱۱۱ ۔ جوش ملسیانی، دیوانِ غالب مع شرح، آتمارام اینڈ سنز، دہلی، س ن، ص:۲۱۶

۱۱۲ ۔ سیّد حیدر علی نظم طباطبائی، شرح دیوانِ اُردوئے غالب، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، نئی دہلی: ۲۰۱۲ء، ص:۲۲۵

۱۱۳ ۔ ایضاً

۱۱۴ ۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح دیوانِ غالب، دہلی پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی: س ن، ص:۵۵۷

۱۱۵ ۔ ایضاً، ص:۱۸۸

۱۱۶ ۔ بہادر شاہ ظفرؔ، کلیاتِ ظفر، جلد اوّل، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۰۰ء، ص:۳۵۷

۱۱۷ ۔ کلیاتِ ظفر، جلد دوم، ص:۵۷۰

۱۱۸ ۔ کلیاتِ ظفر، جلد اوّل، ص:۱۱۶

۱۱۹ ۔ ایضاً، ص:۵۷۱

۱۲۰ ۔ ایضاً، ص:۷۰

۱۲۱ ۔ ایضاً، ص:۵۹

۱۲۲ ۔ ایضاً، ص:۶۲

۱۲۳ ۔ کلیاتِ ظفرؔ، جلد دوم، ص:۶۲۳

۱۲۴ ۔ ایضاً، ص:۶۸۰

۱۲۵ ۔ ایضاً، ص:۶۹۰
۱۲۶ ۔ کلیاتِ ظفرؔ، جلد اوّل، ص:۲۲
۱۲۷ ۔ ایضاً، ص:۱۱۱
۱۲۸ ۔ ایضاً، ص:۳۴۱
۱۲۹ ۔ ایضاً، ص:۳۴۸
۱۳۰ ۔ ایضاً، ص:۳۷۰
۱۳۱ ۔ کلیاتِ ظفرؔ، جلد چہارم، ص:۲۶۹
۱۳۲ ۔ ایضاً، ص:۲۷۱
۱۳۳ ۔ کلیاتِ ظفرؔ، جلد دوم، ص:۵۸۸
۱۳۴ ۔ مومن خان مومن، کلیاتِ مومن، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور:۲۰۰۸ء، ص:۶۸
۱۳۵ ۔ ایضاً، ص:۷۱
۱۳۶ ۔ ایضاً، ص:۸۲
۱۳۷ ۔ ایضاً، ص:۱۵۷
۱۳۸ ۔ نواب مرزاخان داغؔ، مہتابِ داغ، مطبع عزیز، دکن:۱۳۱۰ھ، ص:۲۰
۱۳۹ ۔ ایضاً، ص:۳۰
۱۴۰ ۔ نواب مرزاخان داغ، یادگارِ داغ، اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور:۱۳۲۳ھ، ص:۳۷
۱۴۱ ۔ ایضاً، ص:۱۱۶
۱۴۲ ۔ نواب مرزاخان داغ، آفتابِ داغ، قاسمی پریس، لکھنؤ:۱۹۰۶ء، ص:۴۹
۱۴۳ ۔ نواب مرزاخان داغ، یادگارِ داغ، ص:۱۷۲
۱۴۴ ۔ ایضاً، ص:۳۰۵
۱۴۵ ۔ نواب مرزاخان داغ، گلزارِ داغ، نیّر پریس، لکھنؤ:۱۲۹۶ھ، ص:۰۷
۱۴۶ ۔ ایضاً، ص:۱۸۰
۱۴۷ ۔ ایضاً، ص:۲۷۶
۱۴۸ ۔ نواب مرزاخان داغ، یادگارِ داغ، ص:۱۸۴
۱۴۹ ۔ نواب مرزاخان داغ، آفتابِ داغ، ص:۰۳
۱۵۰ ۔ ایضاً، ص:۰۵
۱۵۱ ۔ نواب مرزاخان داغ، مہتابِ داغ، ص:۱۰۶

۱۵۲۔ نواب مرزاخان داغ، یادگارِ داغ، ص:۲۷
۱۵۳۔ ایضاً، ص:۷۶
۱۵۴۔ ایضاً، ص:۱۳۰
۱۵۵۔ ایضاً، ص:۱۷۳
۱۵۶۔ نواب مرزاخان داغ، گلزارِ داغ، ص:۷۹
۱۵۷۔ ایضاً، ص:۱۴۵
۱۵۸۔ امیر مینائی، مرآۃ الغیب، مطبع نول کشور، کانپور:۱۹۰۴ء، ص:۶۱
۱۵۹۔ ایضاً، ص:۱۴۰
۱۶۰۔ ایضاً، ص:۱۶۳
۱۶۱۔ ایضاً، ص:۲۹۱
۱۶۲۔ ایضاً، ص:۳۰۸
۱۶۳۔ شاد عظیم آبادی، میخانۂ الہام، مرتبہ: حمید عظیم آبادی، مطبوعہ برقی مشین پریس، پٹنہ:۱۹۳۸ء، ص:۱۷
۱۶۴۔ ایضاً، ص:۱۷
۱۶۵۔ ایضاً، ص:۲۶
۱۶۶۔ ایضاً، ص:۵۶
۱۶۷۔ ایضاً، ص:۵۹
۱۶۸۔ ایضاً، ص:۱۲۳
۱۶۹۔ ایضاً، ص:۲۵۲
۱۷۰۔ ایضاً، ص:۲۷۰
۱۷۱۔ فانی بدایونی، کلیاتِ فانی، مرتبہ: ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئی دہلی: ۱۹۹۳ء، ص:۶۸
۱۷۲۔ ایضاً، ص:۷۲
۱۷۳۔ ایضاً، ص:۸۲
۱۷۴۔ ایضاً، ص:۱۳۰
۱۷۵۔ ایضاً، ص:۹۳
۱۷۶۔ ایضاً، ص:۱۵۰
۱۷۷۔ ایضاً، ص:۲۰۱

۱۷۸۔ حسرت موہانی، کلیاتِ حسرت موہانی، بار دوم، کراچی:۱۹۹۷ء، ص:۱۵۴
۱۷۹۔ ایضاً، ص:۲۶۹
۱۸۰۔ ایضاً، ص:۳۱۴
۱۸۱۔ ایضاً، ص:۳۶۲
۱۸۲۔ اصغر گونڈوی، کلیاتِ گونڈوی، مکتبہ شعر و ادب، لاہور:۱۹۷۶ء، ص:۳۷
۱۸۳۔ ایضاً، ص:۳۲
۱۸۴۔ ایضاً، ص:۳۹
۱۸۵۔ ایضاً، ص:۴۰
۱۸۶۔ ایضاً، ص:۴۴
۱۸۷۔ ایضاً، ص:۸۰
۱۸۸۔ ایضاً، ص:۱۰۸
۱۸۹۔ ایضاً، ص:۱۲۰
۱۹۰۔ ایضاً، ص:۹۴
۱۹۱۔ ایضاً، ص:۱۰۶
۱۹۲۔ ایضاً، ص:۸۷
۱۹۳۔ ایضاً، ص:۱۰۷
۱۹۴۔ عزیز لکھنوی، انجم کدہ، انجمن ترقی اُردو ہند، علی گڑھ:۱۹۵۹ء، ص:۳۶
۱۹۵۔ ایضاً، ص:۵۶
۱۹۶۔ ایضاً، ص:۸۶
۱۹۷۔ ایضاً، ص:۸۹
۱۹۸۔ ایضاً، ص:۹۱
۱۹۹۔ ایضاً، ص:۹۳
۲۰۰۔ ایضاً، ص:۱۰۳
۲۰۱۔ ایضاً، ص:۱۳۱
۲۰۲۔ عزیز لکھنوی، گل کدہ، صدیق بک ڈپو، لکھنؤ:۱۹۳۱ء، ص:۱۳۴
۲۰۳۔ جگر مراد آبادی، کلیاتِ جگر، بک ٹاک، لاہور:۲۰۱۲ء، ص:۶۰۵
۲۰۴۔ ایضاً، ص:۶۲۰
۲۰۵۔ ایضاً، ص:۶۲۲

۲۰۶ ۔ ایضاً، ص:۲۶۱
۲۰۷ ۔ ایضاً، ص:۳۷۰
۲۰۸ ۔ ایضاً، ص:۳۷۹
۲۰۹ ۔ ایضاً، ص:۳۸۹
۲۱۰ ۔ ایضاً، ص:۳۹۲
۲۱۱ ۔ ایضاً، ص:۴۱۶
۲۱۲ ۔ ایضاً، ص:۴۱۶
۲۱۳ ۔ فراق گورکھپوری، جہانِ فراق، مرتبہ: تاج سعید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور:۱۹۹۱ء، ص:۲۴۸
۲۱۴ ۔ ایضاً، ص:۲۵۳
۲۱۵ ۔ ایضاً، ص:۳۰۴
۲۱۶ ۔ فراق گورکھپوری، رمز و کنایات، سنگم پبلشنگ ہاؤس، الہ آباد: ص:۱۹۴۷ء، ص:۲۹
۲۱۷ ۔ ایضاً، ص:۱۷۵
۲۱۸ ۔ سیماب اکبر آبادی، نقوش، غزل نمبر، طبع چہارم، اکتوبر ۱۹۹۵ء، ادارہ فروغِ اُردو، لاہور: ص:۱۷۸
۲۱۹ ۔ احسان دانش، نقوش، غزل نمبر، ص:۲۱۰
۲۲۰ ۔ محمدی جان صاحبہ، لطیفؔ، نقوش، غزل نمبر، ص:۴۴۳
۲۲۱ ۔ احمد ندیم قاسمی، دشتِ وفا، اساطیر، لاہور:۲۰۰۰ء، ص:۷۹
۲۲۲ ۔ ایضاً، ص:۸۴
۲۲۳ ۔ ایضاً، ص:۱۳۲
۲۲۴ ۔ نقوش، غزل نمبر، ص:۲۲۶
۲۲۵ ۔ ڈاکٹر طاہر القادری، فلسفہ معراج النبیؐ، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور: س ن، ص:۹۸۔۹۹
۲۲۶ ۔ سحر بھوپالی، نقوش غزل نمبر، ص:۳۹۸
۲۲۷ ۔ اکبر حیدری، نقوش، غزل نمبر، ۴۵۷
۲۲۸ ۔ امجد اسلام امجد، ساتواں در، ماورا پبلشرز، لاہور: ص:۱۴۳
۲۲۹ ۔ ناظر کاظمی، برگِ نے، طبع دوم، ۱۹۵۷ء، ص:۸۱
۲۳۰ ۔ شہزاد احمد، ادھ کھلا دریچہ، اردو ڈائجسٹ پرنٹرز، لاہور:۱۹۷۷ء، ص:۱۱۴
۲۳۱ ۔ احمد ندیم قاسمی، دشتِ وفا، ص:۱۳۳
۲۳۲ ۔ گوپی چند نارنگ، سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی: ۱۹۸۶ء، ص:۱۳، ۱۴

۲۳۳ ۔ مظفر خیر آبادی، الہامات، ۱۹۳۴ء، ص:۴۱
۲۳۴ ۔ ایضاً، ص:۳۸
۲۳۵ ۔ ایضاً، ص:۱۹
۲۳۶ ۔ ایضاً، ص:۱۵
۲۳۷ ۔ صدیق افغانی، اوراق، لاہور: شمارہ خاص ۱۹۶۶ء، ص:۶۷
۲۳۸ ۔ حفیظ جالندھری، نغمہ زار، مکتبہ یادگار، ۱۹۷۴ء، ص:۱۴۲
۲۳۹ ۔ ایضاً، ص:۱۶۶
۲۴۰ ۔ ایضاً، ص:۱۷۲
۲۴۱ ۔ صابر ظفر، اک تری یاد رہ گئی باقی، دانیال، کراچی:۱۹۹۸ا، ص:۸۲
۲۴۲ ۔ ایضاً، ص:۴۲
۲۴۳ ۔ احمد ندیم قاسمی، نقوش، غزل نمبر، ص:۲۲۸
۲۴۴ ۔ احمد ندیم قاسمی، دشتِ وفا، ص:۲۳۰
۲۴۵ ۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، کلیات، ماورا پبلشرز، لاہور:۱۹۹۰ء، ص:۱۳۶
۲۴۶ ۔ ایضاً، ص:۲۲۷
۲۴۷ ۔ شیر افضل جعفری، بحوالہ نعت رنگ، شمارہ۹، مارچ ۲۰۰۰ء، ص:
۲۴۸ ۔ پیرزادہ قاسم، بحوالہ نعت رنگ دوم، ص:
۲۴۹ ۔ عابد سیال، بے ستون، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص:۲۵
۲۵۰ ۔ محسن احسان، سخن سخن مہتاب، اے پی ایس پشاور، ۲۰۰۵ء، ص:۱۲۶
۲۵۱ ۔ ایضاً، ص:۸۴
۲۵۲ ۔ ایضاً، ص:۵۲
۲۵۳ ۔ ماجد صدیقی، سخناب، اپناادارہ، راولپنڈی:۱۹۸۷ء، ص:۱۴۹
۲۵۴ ۔ اسرار الحق مجاز، فنون، جدید غزل نمبر، ص:۴۸۸
۲۵۵ ۔ فیصل عجمی، خواب، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد: ۱۹۹۸ء، ص:۱۷
۲۵۶ ۔ سرشار صدیقی، میثاق، حرا فاؤنڈیشن، کراچی:۲۰۰۲ء، ص:۷۳، ۷۴
۲۵۷ ۔ ایضاً، ص:۷۵
۲۵۸ ۔ عاصی کرنالی، جشنِ خزاں، آئینۂ ادب، لاہور:۱۹۶۸ءء، ص:۸۶، ۸۷
۲۵۹ ۔ نعت کائنات، مرتبہ: راجا رشید محمود، (اصنافِ سخن نمبر)، جنگ پبلشرز، لاہور:۱۹۹۳ء، ص:۳۹۳
۲۶۰ ۔ ایضاً، ص:۳۹۳

۲۶۱۔ صہبا اختر، اقرا، مکتبہ ندیم، کراچی: ۱۹۸۱ء، ص: ۵۸
۲۶۲۔ ڈاکٹر عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ۲۰۰۵ء، ص: ۵۶۹
۲۶۳۔ امجد اسلام امجد، اسباب، جہانگیر بکس، لاہور: س ن، ص: ۸۸، ۸۹
۲۶۴۔ سیّد ابوالخیر کشفی، نسبت، اقلیم نعت، کراچی: ۱۹۹۹ء، ص: ۷۶
۲۶۵۔ نعت کائنات، ص: ۴۳۹
۲۶۶۔ جلیل عالی، نور نہایا رستہ، حرف اکادمی، راولپنڈی: ۲۰۱۸ء، ص: ۹۱
۲۶۷۔ ایضاً، ص: ۹۴
۲۶۸۔ صلاح الدین پرویز کے خطوط، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی: ۱۹۸۸ء، ص: ۵۱
۲۶۹۔ ایضاً، ص: ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲
۲۷۰۔ نعت کائنات، ص: ۴۲۲
۲۷۱۔ ایضاً، ص: ۴۲۲
۲۷۲۔ مجلہ نعت رنگ، کراچی: شمارہ ۶، ستمبر ۱۹۹۸ء، ص: ۱۸۷
۲۷۳۔ عمیق حنفی، صلصلۃ الجرس، مکتبہ شعر و حکمت، حیدرآباد: ۱۹۷۱ء، ص: ۵۶
۲۷۴۔ ایضاً، ص: ۵۷
۲۷۵۔ ایضاً، ص: ۵۹، ۶۰
۲۷۶۔ جیلانی کامران، ہمارا ادبی و فکری سفر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور: ص: ۶۴
۲۷۷۔ عبدالعزیز خالد، زنجیرِ رم آہو، شیخ غلام علی اینڈ سنٹر، لاہور: بار سوم ۱۹۷۴ء، ص: ۲۵، ۲۶
۲۷۸۔ امین حزیں سیالکوٹی، گلبانگ حیات، اُردو اکیڈمی پنجاب، لاہور: ۱۹۴۰ء، ص: ۱۲۴
۲۷۹۔ ایضاً، ص: ۱۷۸
۲۸۰۔ ایضاً، ص: ۱۶۴، ۱۶۵
۲۸۱۔ الم مظفر نگری، سدرہ و طوبیٰ، الجمعیۃ پریس، دہلی: ۱۹۵۶ء، ص: ۴۸، ۴۹
۲۸۲۔ ایضاً، ص: ۳۸
۲۸۳۔ ایضاً، ص: ۳۱
۲۸۴۔ اثر صہبائی، بام رفعت، اکادمی پنجاب، لاہور: ۱۹۵۴ء، ص: ۴۹
۲۸۵۔ جوش ملیح آبادی، کلیاتِ جوش، فرید بک ڈپو، دہلی: ۲۰۰۷ء، ص: ۱۳۶۵
۲۸۶۔
۲۸۷۔ کلیات ن۔م۔ راشد، ماورا پبلشرز، لاہور: س ن، ص: ۵۲
۲۸۸۔ ماہِ نور، چالیس سالہ مخزن، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۲۰۳

۲۸۹۔ سہ ماہی تسطیر،لاہور:اکتوبر تا دسمبر۱۹۹۷ء، جلد ا، شمارہ ۲، ص:۱۲۱
۲۹۰۔ ندیم کی نظمیں(کلیات)،ماورا پبلشرز،لاہور:س ن، ص:۸۷۱
۲۹۱۔ ایضاً،ص:۸۳۹
۲۹۲۔ ایضاً،ص:۶۴۶
۲۹۳۔ ایضاً،ص:۵۹۲
۲۹۴۔ ایضاً،ص:۱۶۱
۲۹۵۔ ایضاً،ص:۱۱۳۶
۲۹۶۔ ایضاً،ص:۵۲۶
۲۹۷۔ ایضاً،ص:۹۷۶
۲۹۸۔ ایضاً،ص:۹۸۰
۲۹۹۔ ایضاً،ص:۶۹۳
۳۰۰۔ ایضاً،ص:۸۸۷
۳۰۱۔ ماہنامہ کاغذی پیرہن،(وزیر آغا نمبر)،لاہور:۲۰۰۹ء، ص:۱۰۷
۳۰۲۔ وزیر آغا، نردبان، مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا:۱۹۷۹ء، ص:۶۶،۶۵
۳۰۳۔ سہ ماہی تسطیر،لاہور:اکتوبر ۲۰۰۱ء تا مارچ ۲۰۰۳ء، ص:۱۶۱
۳۰۴۔ ندیم کی نظمیں، ص:۱۲۳۲
۳۰۵۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ، اقبال اور معراج النبیؐ، مشمولہ: ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد: سیرت نمبر، ۱۹۷۶ء، ص:۱۰۷
۳۰۶۔ ڈاکٹر محمد اقبال، بانگ درا، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور:۱۹۷۳ء، ص:۲۴۹
۳۰۷۔ ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال، ص:۱۷
۳۰۸۔ بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۱۰
۳۰۹۔ ایضاً،ص:۲۷
۳۱۰۔ زبورِ عجم، کلیاتِ اقبال فارسی، فرہنگ و ترجمہ: پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، مکتبہ دانیال، لاہور:۱۹۸۱ء، ص:۶۴۳
۳۱۱۔ ایضاً،ص:۶۳۲
۳۱۲۔ ایضاً،ص:۶۳۲
۳۱۳۔ ایضاً،ص:۲۵۱
۳۱۴۔ بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۳۳

۳۱۵۔ ایضاً، ص:۶۴
۳۱۶۔ ایضاً، ص:۰۵
۳۱۷۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، اقبال اور قرآن، اقبال اکادمی، پاکستان:،۱۹۸۸ء، ص:۵۴۳
۳۱۸۔ جاوید نامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۶۰۷
۳۱۹۔ ایضاً، ص:۱۳۷
۳۲۰۔ ایضاً، ص:۶۷۷
۳۲۱۔ اسرارِ خودی، کلیاتِ اقبال، فارسی، ص:۸۲
۳۲۲۔ ارمغان حجاز، کلیاتِ اقبال، ص:۲۶
۳۲۳۔ بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۱۲۸
۳۲۴۔ ایضاً، ص:۲۲
۳۲۵۔ ضرب کلیم، کلیاتِ اقبال، ص:۷۰
۳۲۶۔ بال جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۸۳
۳۲۷۔ بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، ص:۴۲
۳۲۸۔ بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۱۸
۳۲۹۔ زبورِ عجم، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۵۰۲
۳۳۰۔ جاوید نامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۷۰۱
۳۳۱۔ محمد اعجاز الحق، اقبال اور سائنسی تصورات، بزمِ اقبال، لاہور:۲۰۱۶ء، ص:۱۸۷، ۱۸۸
۳۳۲۔ بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۹۴
۳۳۳۔ ایضاً، ص:۱۱۴
۳۳۴۔ ایضاً، ص:۶۰
۳۳۵۔ زبورِ عجم، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۵۱۸
۳۳۶۔ ارمغانِ حجاز،، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۱۰۵۱
۳۳۷۔ زبورِ عجم، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۵۴۹
۳۳۸۔ ایضاً، ص:۵۳
۳۳۹۔ پیامِ مشرق، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۳۰۶
۳۴۰۔ ایضاً، ص:۴۵۸
۳۴۱۔ ایضاً، ص:۳۵۶
۳۴۲۔ بال جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۱۴۵

۳۴۳۔ ایضاً،ص:۹۵
۳۴۴۔ ضربِ کلیم،،کلیاتِ اقبال،ص:۲۴
۳۴۵۔ بال جبریل،کلیاتِ اقبال،ص:۴۴
۳۴۶۔ ایضاً،ص:۸۴
۳۴۷۔ بانگ درا،کلیاتِ اقبال،ص:۲۵۹
۳۴۸۔ بال جبریل،کلیاتِ اقبال،ص:۶۶
۳۴۹۔ ایضاً،ص:۵۰
۳۵۰۔ ایضاً،ص:۵۹
۳۵۱۔ زبو عجم،کلیاتِ اقبال فارسی،ص:۶۳۶
۳۵۲۔ بانگ درا،کلیاتِ اقبال،ص:۲۷۲
۳۵۳۔ بال جبریل،کلیاتِ اقبال،ص:۴۷
۳۵۴۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، اقبال کا تصور زمان و مکاں اور دوسرے مضامین، مجلس ترقی ادب، لاہور:۲۰۱۴ء،ص:۹۹، ۱۰۰
۳۵۵۔ بال جبریل،کلیاتِ اقبال،ص:۵۰
۳۵۶۔ ایضاً،ص:۶۱
۳۵۷۔ ایضاً،ص:۱۶۳
۳۵۸۔ ضربِ کلیم،کلیاتِ اقبال،ص:۴۱
۳۵۹۔ ایضاً،ص:۱۵
۳۶۰۔ بانگِ درا،کلیاتِ اقبال،ص:۴۶
۳۶۱۔ ایضاً،ص:۴۶
۳۶۲۔ زبورِ عجم،کلیاتِ اقبال فارسی،ص:۶۳۱
۳۶۳۔ ضربِ کلیم،کلیاتِ اقبال،ص:۲۳
۳۶۴۔ پس چہ باید کرد اے اقوام شرق،کلیاتِ اقبال فارسی،ص:۹۳۶
۳۶۵۔ بال جبریل،کلیاتِ اقبال،ص:۷۷
۳۶۶۔ سید عابد علی عابد، تلمیحات اقبال، مکتبہ جدید پریس، ۱۹۸۵ء،ص:۲۱۵
۳۶۷۔ پروفیسر توقیر ملک، معراج مصطفیٰ کے فکر اقبال پر اثرات، مشمولہ: فروغ نعت، شمارہ۸، اٹک: ۲۰۱۵ء،ص:۱۴۷
۳۶۸۔ جاوید نامہ،کلیاتِ اقبال فارسی،ص:۳۲۷

۳۶۹۔ بال جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۹۴

۳۷۰۔ ایضاً، ص:۱۶۸

۳۷۱۔ بانگ درا، کلیاتِ اقبال، ص:۲۷۱

۳۷۲۔ بال جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۲۹

۳۷۳۔ ضرب کلیم، کلیاتِ اقبال، ص:۴۵

۳۷۴۔ ایضاً، ص:۶۰

۳۷۵۔ زبورِ عجم، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۵۲۲

۳۷۶۔ پیامِ مشرق، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۴۴۴

۳۷۷۔ بال جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۶۹

۳۷۸۔ بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، ص:۲۶۹

۳۷۹۔ زبورِ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۵۸۷

۳۸۰۔ ایضاً، ص:۵۲۳

۳۸۱۔ زبورِ عجم، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۵۳۶

۳۸۲۔ بال جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۸۹

۳۸۳۔ ضرب کلیم، کلیاتِ اقبال، ص:۱۷۰

۳۸۴۔ بانگ درا، کلیاتِ اقبال، ص:۲۷۹

۳۸۵۔ بال جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۰۸

۳۸۶۔ ایضاً، ص:۰۹

۳۸۷۔ ایضاً، ص:۲۰

۳۸۸۔ ایضاً، ص:۴۳

۳۸۹۔ ایضاً، ص:۴۱

۳۹۰۔ ایضاً، ص:۵۲

۳۹۱۔ ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال، ص:۸۵

۳۹۲۔ بال جبریل، کلیاتِ اقبال، ص:۱۲۰

۳۹۳۔ بانگ درا، کلیاتِ اقبال، ص:۵۸

۳۹۴۔ ایضاً، ص:۱۱۱

۳۹۵۔ ایضاً، ص:۱۷۵

۳۹۶۔ ایضاً، ص:۱۹۷

باب چہارم

جدید اُردو نعت اور معراج النبیؐ

فصل اوّل: واقعۂ معراج کے حوالے سے مقامِ محمدیؐ کی تفہیم

فصل دوم: واقعۂ معراج کے تناظر میں عروجِ آدم کا تصور

فصل سوم: واقعۂ معراج کے تناظر میں علمی و سائنسی افکار و نظریات کا اظہار

فصل اوّل:

واقعۂ معراج کے حوالے سے مقامِ محمدیؐ کی تفہیم

جدید اُردو نعت منفرد میلانات ورجحانات کی حامل ہے۔ نعت کے آداب و مسائل کا ناقدانہ شعور بیدار ہو چکا ہے۔ اصناف کی رنگا رنگی، متنوع اسالیب اور نادر موضوعات کا وقیع سرمایہ تخلیق ہو رہا ہے۔ نعت گوئی کا علمی سطح پر تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیا جا رہا ہے۔ جس کے باعث واقعات و معجزات کے بیان میں تخلیق کار کا قلم سنبھل گیا ہے۔ حسن و جمال کا احساس حقیقت و واقعیت سے نکھر رہا ہے۔ کائنات کے افہام کا سفر ارتقا پذیر ہے اور سیرتِ رسول کا فیض اور اتباعِ نعت میں طبیعیاتی اور مابعد الطبیعیاتی حوالوں سے شعور و وجدان کے افق وسیع کر رہا ہے۔ گوہر ملسیانی لکھتے ہیں:

> ''آج کی نعت اور مستقبل کی نعت جمالِ صورتِ مصطفیٰ کو اپنے افکار کی زینت بنا کر سیرتِ حضور کے اسوۂ حسنہ کو منوانے کی بھرپور روحانی جدوجہد کر رہی ہے۔ عصری مسائل و احوال نے حضور ﷺ کی سیرت نگاری کے اجزاو عوامل میں اضافہ کر دیا ہے۔ نئے سانحات جنم لے رہے ہیں کتنے ہی نامعلوم حقائق آج وقت کی ابدی صداقتوں میں ڈھل رہے ہیں۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو معجزات عطا فرمائے۔ حضرت محمد ﷺ کے معجزات میں واقعۂ معراج نمایاں و افضل ہے۔ یہ واقعہ قدرتِ الٰہی کا عظیم مظہر اور آپ کے جداگانہ منصبِ رسالت پر دال ہے۔ واقعۂ معراج ہر عہد میں نعتیہ شاعری کا اہم موضوع رہا ہے۔ جدید نعت میں واقعۂ معراج کا بیان محض روایتی، غیر حقیقی یا غلو پر مبنی مضامین سے عبارت نہیں بلکہ تفکر و عقیدت کا ایک متحمل احساس ہے۔ نعت میں معراج کا ذکر جن حوالوں سے ہوتا ہے۔ ان میں نمایاں ترین حضور ﷺ کی منفرد شانِ رسالت کا اظہار ہے۔ انبیائے محترم میں آپ ﷺ کا مقام سب سے جُدا ہے۔ معجزۂ معراج کا دیگر معجزاتِ انبیاء پر تفوّق اس عنصر کو مزید گہرا کر دیتا ہے۔ جدید نعت گو شعرا نے انفرادی شان کے ساتھ اس موضوع کو بیان کیا ہے۔

حافظ مظہر الدین مظہر کی نعت سوزِ دِل، جذبۂ عشقِ نبی اور فنی خلوص کے اجزا سے مرکب ہے۔ یہ خلوص ریاضتِ فکر و فن کا نتیجہ ہے۔ ایک غیر روایتی، منفرد اور تازہ اسلوب نے انہیں جدید اُردو نعت کا پیش رو قرار دیا اور نعت کو ادبی رنگ دینے کا سہرا ان کے سر بندھا۔ حافظ مظہر

الدین کا جمالیاتی ذوق اور مقاماتِ ربوبیت اور رسالت کا شعور، باہم پیوست ہیں۔ دینی علم اور حقائق کے ادراک نے ان کی نعت گوئی کی رہنمائی کی ہے۔ پھر ان کی زبان میں بھی دلکشی، مہارت اور نغمگی ہے۔ ان کے اشعار براہِ راست تلمیح نہ بھی رکھتے ہوں تو معنی کی گرہیں کھولتے ہوئے قاری یہ تجربہ کرتا ہے کہ اس ابہام میں کسی بیّن تلمیح کے اشارے پوشیدہ ہیں۔ حافظ مظہر الدین کی نعت میں خیال کی پرواز، عشق کی حدّت، اسالیب کا تنوع اور عقائد کا اظہار سبھی کچھ نمایاں ہے۔ ان کی نعت میں پیش کردہ نکات یک رُخی تفہیم نہیں رکھتے یہی بڑی شاعری کی نشانی ہے۔ ان کی شاعری نے آنے والے دور کو نعتیہ شاعری کا ایک معیار بخشا۔ اُردو نعت روایتی سانچوں سے نکل کر جدید عہد کے تقاضوں کے مطابق فکری و فنی وسعتوں سے ہمکنار ہوئی جس میں مقاماتِ سیرت کا بیان بھی ہے اور روحِ عصر کے تقاضوں کی پیش روی بھی ہے۔ معراج کے حوالے سے بھی کوئی نکتہ بیان کرتے ہیں تو معنی کا ایک جہان آباد کر دیتے ہیں۔

بالائے عرش حسنِ تجلی تھا آشکار
جو جلوہ لامکاں میں تھا وہ طُور پر نہ تھا[۲]

ترا راز کیا کوئی پا سکے ترا جلوہ کیا نظر آ سکے
کہ حریمِ ناز کی خلوتوں میں ہے تجھ کو اذنِ خرام بھی[۳]

عرش و کرسی ترے دریا میں ہیں مانندِ حباب
سرفگندہ تری درگاہ میں سدرہ کے مقیم[۴]

کون جُز سرورِ دیں عرشِ بریں تک پہنچا
کس نے قصرِ شہِ لولاک کا زینہ دیکھا[۵]

حفیظؔ تائب ایک عہد ساز نعت گو ہیں۔ انہیں مجدّدِ نعت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حفیظ تائب کی نعت کے پس منظر میں علمیت کا جو عکس جھلکتا ہے اس کی بنیاد قرآن و حدیث اور سیرت کے مطالعے پر ہے۔ نعت میں جو موضوعات ایک مدّت سے دہرائے جا رہے تھے۔ حفیظ تائب کی تخلیقی نگاہ نے ان موضوعات کے پار پھیلا ہوا جہانِ نور دریافت کیا ہے۔ سیرتِ پاک ﷺ کے پہلو ہمہ جہت، متنوع اور بے کنار ہیں اسی طرح ایک صاحبِ نظر نعت گو ان مضامین کے بیان میں بھی نادر اور عمیق فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔ انہوں نے نعت کے ذریعے اسلامی اقدار کی تائید و فروغ

اور باطل افکار کے ردّ کا کام لیا ہے اور انسانیت کے بلند ترین معیار یعنی حیاتِ طیبہ کے حوالے سے اپنے احوال کا جائزہ بھی ان کی نعت کا موضوع ہے۔ عشق دردمندی اور حقیقت و صداقت کے عناصر ان کے فکر و فن دونوں میں جاگزیں ہیں۔ معراج کے حوالے سے حضور پاک ﷺ کی شان و شوکت کو حفیظ نے نہایت پُر شکوہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں ان کی الفاظ و تراکیب، تلمیحات اور استعارات سب مل کر ایک دلکش پیرایۂ اسلوب اختیار کر لیتے ہیں۔

زیست کے عنواں اشاراتِ رسولِ ہاشمیؐ
عصر در آغوشِ لحاتِ رسولِ ہاشمی
لامکاں سے ہیں بہت آگے مقاماتِ نبیؐ
کس نے دیکھے ہیں نہایاتِ رسولِ ہاشمیؐ(۶)

والنجم کس کی شوکت و عظمت پہ ہے گواہ
زینت فزائے بزمِ دنیٰ اور کون ہے(۷)

خدائے برتر نے جس کو چاہا زمانے بھر نے جسے سراہا
وہ ہے اطاعت گزارِ اِسرا وہ ہے صداقت شعارِ بطحا
وہ جوہر دودمان ہاشم خدا کی نعمت کا ہے جو قاسم
رسائی جس کی ہے لامکاں تک وہ بے بدل شہہ سوار بطحا(۸)

مکان و لامکاں کی شوکتیں زیر قدم اُس کے
وہ موجود و عدم کی ہر ولایت دیکھنے والا(۹)

مظفرؔ وارثی کی نعت سیرتِ نبوی اور اسوۂ حسنہ کے انقلاب انگیز عملی پہلوؤں کی عکاس ہے۔ اُردو نعت گوئی کی روایت میں مظفر وارثی کا نام کئی حوالوں سے منفرد ہے۔ انہوں نے نعت میں نئے اسالیب کو برتا۔ ان کے شعری لہجے میں بھی ان کی فطری حساسیت، ٹھہراؤ اور وقار جھلکتا ہے۔ نئے تشبیہات و استعارات، خیال اور اسلوب میں توازن، لطافت، عقیدت اور ادبیت ان کی نعت گوئی کے اوصاف ہیں۔ جو انہیں ایک جداگانہ شعری نظام عطا کرتے ہیں۔ مظفر وارثی کی نعت گوئی کا دائرہ بیشتر اصناف کو محیط ہے۔ انہوں نے ہر صنف شعر میں طبع آزمائی کی ہے۔ جن میں غزل، نظم، حمد، سلام، گیت، ہائیکو وغیرہ شامل ہیں۔ نعتیہ شاعری کی جس روش کو مظفر وارثی نے اپنایا ہے وہ ہر صنف میں انہیں صاحبِ طرز بنائے ہوئے ہے۔ نعت میں معراج کے موضوع کو بھی

مظفر نے بخوبی نبھایا ہے۔ ان کا انداز ان کا اسلوب قدیم موضوعات میں نئی لہر دوڑاتا ہے۔ حضور ﷺ کی رفعت و عظمت کو معراج کے حوالے سے بیان کرنے کا یہ انداز دیکھیے:

اس کی خلوت ہواؤں پہ کیا چھاپنی اس کے سجدوں کی اونچائی کیا ناپنی
پھول غارِ حرا میں کھلاتا رہا اور پھل سدرۃ المنتہٰی سے چُنے (۱۰)

عرش سے پاتال تک ہیں آپؐ کے نقشِ قدم
چھوڑ دے پیچھے ابد کو دُور بینی آپؐ کی
قُربِ حق اتنا کہ دُہری جیسے ہو جائے کماں
سلطنت ہے آسمانی و زمینی آپؐ کی(۱۱)

یہ آسماں بھی وہاں تک پہنچ نہیں سکتے
جہاں تک آپؐ کے قدموں کی حد پہنچتی ہے (۱۲)

پروفیسر سیّد اقبال عظیم نے بتدریج غزل گوئی سے نعت گوئی کی طرف قدم بڑھایا اور آخر کار نعت ان کے فکر و فن کا مرکز بنتی چلی گئی۔ نعت کے وسیع تر تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے اقبال عظیم نے اپنا لہجہ بدلنے کی کوشش کی۔ ان کی بعد میں آنے والی شاعری اس ریاضت کی مظہر ہے کہ وہ نعت کو اس قابل بنانا چاہتے تھے کہ یہ صنف پختہ دینی شعور اور صحیح رجحانات کے فروغ کی حامل ہو سکے۔ حضور پاکؐ کی حیاتِ طیبہ، اسوۂ حسنہ شریعتِ محمدی اور معجزاتِ نبوی سے انہوں نے اپنی نعت کو مزیّن کیا ہے۔

قدم اُٹھے تو زمان و مکاں تھے زیرِ قدم
یہ اہتمام ہوا ہے کبھی کسی کے لیے؟(۱۳)

وہ جسمِ آئینہ پیکر وہ نورِ ذات و صفات
کہیں خدا سے کہیں آدمی سے ملتا ہے(۱۴)

عبد العزیز خالؔد نے نعت گوئی میں وہ انداز اختیار کیا جس نے انہیں معاصر نعت گو شعرا میں ممتاز کر دیا۔ ان کے منفرد اسلوب میں ایک اجتہادی شان ہے۔ اُردو شعرا کو عبد العزیز خالؔد کی جدّت پسند اور ندرت کی حامل شعری طبیعت نے نئے نئے راستے سُجھائے۔ ان کے فن کا ذکر خواہ اصناف کے حوالے سے ہو، ہیئت کے تنوع کے حوالے سے ہو یا زبان و اسلوب کی پختگی کے حوالے

سے ہو اپنی مثال آپ ہے۔ خالدؔ نے طویل یک کتابی نعتیں بھی کہی ہیں جو ایک خوبصورت تجربہ ہے۔ ملّی عناصر بھی ان کی نعت کا خاصہ ہیں۔ اسلامی تاریخ سے بھی ان کی شاعری گہرا رشتہ رکھتی ہے۔ ذکرِ معراج کی مثالیں دیکھیے۔

طرفۃ العین میں پروازِ فلک
کن کی قدرت کا اک اعجاز ہے عین
فاصلہ ساجد و مسجود میں ہے
بس بہ اندازۂ قاب قوسین
اور انوارِ تجلّی کے سوا
کوئی پردہ نہیں حائل مابین(۱۵)

حنیف اسعدی نے نعت گوئی کے وسیع لیکن مشکل میدان میں شاعرانہ کمال اور ایمان کی پختگی کے ساتھ قدم رکھا ہے۔ آپ ﷺ کے مقام رسالت و عبودیت، خاتم النّبیین ہونے کی صفت اور رحمۃ اللعالمینی کی شان کو بڑے دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کی نعت میں سرشاری کا ایک جذبہ اور غیر معمولی محبت نظر آتی ہے۔ حضور پاک ﷺ کے فضائلِ بے پناہ کو زندگی کے ہر شعبے میں ضیا فروز پاتے ہوئے حنیف اسعدی نے انوارِ سیرت کو شاعری میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ ان کے شاعرانہ اسلوب کا تاثر بھی دلفروز ہے۔ سیرتِ پاک ﷺ کے حوالے سے گوناگوں مضامین کو انہوں نے بیان کیا ہے۔ جن میں تخیل اور فکر کی وسعت اور اعلیٰ شعری صلاحیت نظر آتی ہے۔ معراج کو بھی جس انداز سے بیان کیا ہے وہ ان کی بالغ نظری اور فکر و آگہی کا نمونہ ہے۔

وہ قدم اُٹھے تو بیک قدم ہمہ کائنات تھی زیرِ پا
یہ بلندیاں کوئی چھُو سکا نہیں ان کے بعد کوئی نہیں(۱۶)

سدرۃ المنتہٰی آپؐ کی منزلت
آپؐ سا راہداں اور کوئی نہیں(۱۷)

یہ اوج یہ معراج یہ عظمت یہ بلندی
افلاک تو کیا عرشِ معلّٰی پہ قدم ہے
باوصفِ بشر ذاتِ الٰہی کا تقرّب

یہ وصف ہے ایسا کہ فرشتوں میں بھی کم ہے[۱۸]

راجا رشید محمود نے اپنے عہد میں نعت کے بدلتے ہوئے اسالیب و مفاہیم کو اپنے شعری فکر میں سمویا اور نعت کی ترویج میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اصنافِ سخن کے علاوہ مضامین و مطالب میں بھی ندرت کے حامل ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار کے درخشاں پہلوؤں کو تاریخی و عمرانی تناظر میں پیش کیا ہے۔ ان کی نعت اس احساس کی ترجمان ہے کہ عصر حاضر کے تمام عوارض کا حل اسی اسوۂ کامل کی پیروی میں ہے جو تمام زمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ نعت کی تحقیق و تدوین میں بھی ان کی خدمات واضح ہیں۔ معجزاتِ نبوی کے بیان میں بھی ان کا انداز صرف عقیدت کے بجائے انفرادی اسلوب کا بھی مظہر ہے۔

اک دائرے میں ذات بھی تھی اور بات بھی
قوسوں کے قُرب سے ہوئی تدویرِ گفتگو[۱۹]

دنیٰ کے قصر میں قوسین کا تقرّب ہے
خدائے پاک سے یوں محوِ گفتگو تو ہے[۲۰]

حقیقتیں لامکاں میں دو تھیں جو قربتوں میں بدل چکی تھیں
تھی اک وہاں منتظرِ حقیقت تو دوسری منتظر حقیقت[۲۱]

ڈاکٹر ریاض مجید اُردو پنجابی کے قادرالکلام نعت گو ہیں۔ تمام اصناف میں انہوں نے طبع آزمائی کی۔ جو ان کی موزونیٔ طبع، اور عبورِ فن کی دلیل ہے۔ مضامینِ نعت کو ریاض مجید کی ماہرانہ طبیعت نے خوش کن اسلوبیاتی تجربوں سے گزارا ہے۔ لسانی اعتبار سے جدید نعت کی لفظیات میں ریاض مجید نے منفرد اضافے کیے ہیں جو انہی سے مخصوص ہیں۔ یوں اُن کی نعتیہ شاعری ایک استادانہ شان رکھتی ہے۔ فکر و فن کا جو سرمایہ انہیں ودیعت کیا گیا۔ مسلسل ریاضت اور اجتہاد نے اسے نادر اور قابلِ تقلید بنا دیا ہے۔ ان کی نعت، حقیقت، صداقت، عقیدت، شریعت اور جمالیات کا پیکر ہے۔ معراج کا ذکر کرتے ہوئے بھی ان کے اسلوب کی ندرت جھلکتی ہے۔

جہاں ہے آج بھی معراجِ شہ پہ حیرت میں
زمانہ صورتِ تصویر ہو تو ایسا ہو[۲۲]

پیالہ با پیالہ متّصل قوسین سا املا
زمیں سے عرش تک رحمت نما ہے میم کی شد کا(۲۳)

جدید شعرائے نعت میں سید صبیح الدین رحمانی کی نعت فن کی پختگی، وقار اور شعور کی عکاس ہے۔ صبیح رحمانی نے نہ صرف روایت سے استفادہ کیا ہے بلکہ روایت میں اپنے ذوق وشوق کے تحت گراں قدر اضافہ بھی کیا ہے۔ جدت کا یہ سفر انہوں نے نہایت احتیاط سے طے کیا ہے۔ ان کی خوش فکری، اخلاص اور سلیقہ انہیں ایک پہچان عطا کرتا ہے۔ انہی اوصاف کا ثمر ہے کہ صبیح رحمانی کا نام محض نعت گوئی میں ہی نہیں نعت کی تحقیق وتنقید میں بھی اعتبار اور وقار رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خدمتِ نعت کی جو توفیقات عطا کی ہیں۔ وہ عہدِ حاضر میں کسی نعمت سے کم نہیں۔ نعت میں ذکرِ معراج کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

منزلِ قُربِ خُدا میں وہ کہاں تک پہنچے
فاصلے گھٹ کے جہاں دو ہی کماں تک پہنچے(۲۴)

شامِ اسریٰ مٹ گئی تفریق محبوب و محب
روشنی میں اس طرح ہوتی ہے مدغم روشنی
نُورِ مطلق کے قریں بے ساختہ پہنچے حضور
روشنی سے کس قدر ہوتی ہے محرم روشنی(۲۵)

حزیں صدیقی غزل گو شاعر ہیں لیکن ان کی نعتیں بھی فن کا دلکش نمونہ اور صدق وخلوص کی آئینہ دار ہیں۔ ان میں انفرادیت تازگی اور رفعت ہے۔ حزیں صدیقی کی نعت نے عشق و عقیدت عجز وخلوص، ذوق وشوق اور جذباتِ حقیقی کی متاعِ بے بہا سے کسبِ فیض کیا ہے۔ ان کے یاں شعور اور توازن کی کیفیت ہے۔ عشقِ رسولؐ اور یادِ نبیؐ سے معمور فضا ہے۔ حضوری ومہجوری کی کیفیت کا بیان ہے۔ اطاعتِ رسولؐ کو عشقِ نبیؐ کا لازمی زینہ قرار دیتے ہیں۔ حضور پاکؐ کی انقلاب آفرینی اور کردار سازی کے جوہر کو جابجا معراج کے حوالوں سے بیان کرتے ہیں۔

جو پل میں عرشِ معلّی پہ جا کے آیا ہے
یہ واقعہ بھی اسی بوریا نشیں کا ہے
ترے سوا کسے تابِ جلالِ ربّانی
خدا کو تیرے سوا اور کس نے دیکھا ہے(۲۶)

کون یہ نور پاش گزرا ہے
سدرۃ المنتہیٰ ہے آئینہ
اور زیبِ حریمِ ذات ہے کون
محرمِ کبریا ہے آئینہ(۲۷)

جدید نعت کو ایسے کئی شعرا میسر آئے جن کی نعت عشقِ نبیؐ کی چاشنی اور بیان کی صداقت سے عبارت ہے۔ جس میں زورِ بیان اور ابلاغ کی قوت ہے۔ بہت سے شعرا نے اسلامی ادب کی ترویج کے سلسلے میں نعتیہ اقدار کو پروان چڑھایا۔ یوں جدید نعت کا منظر نامہ اُبھر کر سامنے آیا۔ قرآن و حدیث پر ان کی گہری نظر تھی۔ لہٰذا جدید نعت گو شعرا میں شعری و ادبی محاسن کو نباہنے کے شعور کے علاوہ شرعی اسقام سے بچنے کا شعور بھی نظر آتا ہے۔ اسلام نے حرکت و عمل کا جو پیام دیا ہے جدید نعت اسے اجاگر کرتی ہے۔ عقائد کی تطہیر کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ تلمیحات کے استعمال میں بھی قادرالکلامی کے جوہر دکھائے جا رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے ابواب سے نئی نعت نے بہتر انداز میں اکتساب کیا ہے۔ معجزات کے بیان میں بھی بلاغت کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔

یہ ہے مکاں وہ ہے لامکاں فرق تو صاف ہے عیاں
منزلِ طور اور ہے مرکزِ نُور اور ہے(۲۸)
(حنیف نازش قادری)

جہانِ خاک نے جس سے فلک کی برتری پائی
وہ جس کے دم قدم سے اور ابھرا عالمِ بالا(۲۹)
(صوفی غلام مصطفیٰ تبسم)

عرش پر جس کو خدا پاس بلائے اپنے
اس سے بڑھ کر کسی انسان کی عظمت کیا ہے(۳۰)
(حیات میرٹھی)

بلندیاں شبِ معراج وہ ملیں کہ جہاں
اگر ہے عقلِ بشر کچھ تو ایک صیدِ زبوں
نہ نفسِ ناطقہ پہنچے نہ لفظ ساتھ چلیں
بیاں کروں شبِ معراج کا تو کیسے کہوں(۳۱)

(سیّد محمد جعفری)

نگاہِ شوق کی معراج آستاں اس کا
اسی کی ذاتِ گرامی ہے کعبۂ مقصود
ورائے فکر و نظر اس کی رفعتوں کے مقام
جو ایک گام میں طے کر گیا نظر کی حدود [۳۲]

(حافظ لدھیانوی)

عروج آپؐ کا وہم و گماں سے آگے ہے
مقامِ سرورِ کل لامکاں سے آگے ہے
پڑے نہ ماند کبھی ماہتابِ کاکل سے
کہ خاک پائے نبی کہکشاں سے آگے ہے [۳۳]

(شبنم رضوانی)

آپؐ کو جو امتیازات عطا ہوئے عقلِ انسانی ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ حریمِ ناز تک رسائی کا اعزاز صرف آپ ﷺ کی ذاتِ بے مثال کو حاصل ہوا۔ آپ ﷺ کے انتہائے کمال کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ قرآن کریم خود آپ ﷺ کی شوکت و عظمت پر گواہ ہے۔ آپ ﷺ اللہ کے محبوب اور تمام کائنات کے محبوب ہیں۔ اطاعت و عبادتِ الٰہی میں کوئی آپ کا ہم پایہ نہیں لہٰذا اللہ نے جو امتیازات آپ ﷺ کو عطا کیے۔ ان میں بھی کوئی آپ ﷺ کا مثیل نہیں۔ آپ ﷺ جن بلندیوں سے ہمکنار ہوئے ان میں کوئی آپ ﷺ کے برابر نہیں۔ اس ماورائے ادراک مقام و مرتبے کا حامل آپ ﷺ کے سوا کوئی نہیں، حتیٰ کہ جبریلِ امیں کی حدِّ رسائی بھی آپ ﷺ کی معجز نمائیوں سے پیچھے رہ گئی۔ ایک جانب آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی فقرِ کامل کا نمونہ ہے تو دوسری جانب عرشِ عظیم اور کون و مکاں کی حدیں آپ ﷺ کے آگے سرنگوں ہیں۔ آپ ﷺ کی اس سرفرازی نے انسان اور کائنات کے مقام کو بلند کر دیا۔ فکر و نظر کی شمعیں جلیں اور فضیلتِ مصطفیٰ ارض و سماوات پر عیاں ہو گئی۔

حدِّ روح الامیٰں سے بھی ماورا خوش خرامی ہوئی تیری معجز نما
اے گلستانِ وحدت کے سرورِ رواں کوئی تجھ سا کہاں کوئی تجھ سا کہاں [۳۴]

(شاکر القادری)

آپؐ کی ذات ہی معراجِ محبت ٹھہری
اور کوئی نہ مکینِ دلِ یزداں نکلا [۳۵]

(منصور آفاق)

سدرۃ المنتہٰی آپؐ کی رہ گزر
رہروِ لامکاں آپؐ سا کون ہے(۳۶)

کسے معراج کی منزل ملی ہے
مکان و لامکاں سے کون گزرا(۳۷)
(سعادت حسین آسؔ)

سرتاجِ رسل ، شمع سرا پردۂ وحدت
امی لقب و واقفِ اسرارِ حقیقت
خلوت کدۂ قربتِ قوسین کا مقصود
ممدوحِ ملائک بہ کمالِ بشریت(۳۸)
(بشیر احمد بشیر)

لامکان کی منزل آپ ﷺ کے زیرِ قدم تھی۔ یہ بلندی کا وہ مقام تھا کہ لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ یہ مقام ورائے فکر و نظر ہے آپ ﷺ صفاتِ بشری کے باوصف قاب قوسین کے مقام تک رسا ہوئے اور اللہ نے آپ ﷺ سے گفتگو فرمائی۔ آپ ﷺ نگہِ خالقِ اکبر میں یوں سرفراز ہوئے کہ ادب گہِ مقدس کے پردے آپ ﷺ کے لیے ہٹا دیئے گئے۔ زمین و آسمان کی بے کنار وسعتوں سے گزر کر معراج کی منزل کو پالینا آپ ﷺ کی رفعت و عظمت کا مظہر ہے۔ جس کا اندازہ لگانا اور اسے بیان کرنا عقلِ انسان کے لیے محال ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ محبوبِ الٰہی کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہے یہی وجہ ہے کہ عرش آپ ﷺ کے نقشِ پا پر سر بسجود ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت کا دائرہ لامحدود ہے۔ معراج کے پیامِ وصل نے آپ ﷺ کو تمام مخلوقات سے ممتاز کر دیا اور یہ واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ کا مقام ان افلاک، مہ و مہر اور کہکشاں و نجوم سے بالاتر ہے۔

جمالِ سیّدِ کونین سے منور ہیں
مکاں کے قمقمے ہوں یا لامکاں کے چراغ
دِلوں پہ ثبت ہے معراجِ مصطفٰی سبطین
یہی سبب ہے کہ روشن ہیں جسم و جاں کے چراغ(۳۹)
(محمد سبطین)

بام قوسین پر ہے علم آپؐ کا
کوئی ہمسر نہیں ذی حشم آپؐ کا(۴۰)
(اشفاق احمد غوری)

گیا ہے عرش پر مہماں انوکھا
انوکھی میزبانی ہو رہی ہے(۴۱)
(تنویر نوازش)

پیغمبروں میں صاحبِ اسریٰ کوئی نہیں
اچھے سبھی ہیں آپؐ سا اچھا کوئی نہیں(۴۲)
(ماجد خلیل)

ادھر سے کون گزرا تھا کہ اب تک
دیارِ کہکشاں میں روشنی ہے(۴۳)
(تاب اسلم)

یہ بتا عرشِ بریں کی رفعت
کیوں ترے پاؤں پڑی ہے مولا(۴۴)
(شیر افضل جعفری)

ایسی گھڑی بھی آئی ہے عرشِ عظیم پر
اسرارِ قدس کا ہر اک پردہ ہٹا ملا(۴۵)
(بیکل اتساہی)

واقعۂ معراج کی خصوصیت صرف یہیں تک محدود نہیں کہ اس امرِ عظیم کے لیے اللہ نے آپؐ کو منتخب فرمایا بلکہ آپ ﷺ کو قربتِ حق کی صداقت بھی حاصل ہوئی۔ یہ قربت تمام مخلوقات میں سے صرف آپ ﷺ کے حصے میں آئی۔ اللہ کے عطا کردہ منصبِ نبوت کو عنایتِ الٰہی سے درجہ کمال تک پہنچا دیا گیا۔ اللہ نے آپ ﷺ کی سلطنت آسمان وزمین پر محیط کر دی اور قاب و قوسین کی قربت کو آپ ﷺ کے شایان کر دیا جبرئیلؑ جیسے مقرب وبزرگ فرشتے کو بھی

اس دائرۂ قرب میں داخل ہونے کا اذن نہیں۔ یہ اعزاز صرف آپ ﷺ کے پیکرِ اقدس اور ذاتِ مطہر کو ملا۔ ساجد و مسجود میں یہ انداز اًدو کمان کا فاصلہ در حقیقت کتنا تھا اور کیا راز و نیاز، محبوب و محب میں ہوئے یہ راز کسی پر عیاں نہیں۔ اللہ کے انوار و تجلیات کی ایک جھلک کی تاب موسیٰ نہ لا سکے اور آپ ﷺ کی آنکھ اس نظارے پر بہکی نہ حد سے تجاوز ہوئی۔ وہاں لن ترانی اور یہاں فاصلوں کا مٹ جانا آپ ﷺ کے منصبِ رسالت کی جداگانہ شوکت ظاہر کرتا ہے۔ اس مقامِ قربت کے بیان کی مثالیں دیکھیے۔

ظلمت میں کہاں دِکھتا ہمیں جادۂ منزل
اک نقشِ کفِ پا کے سبب دیکھا گیا ہے
موسیٰؑ کے تصور میں بھی موجود نہیں تھا
جو قُرب کہ معراج کی شب دیکھا گیا ہے(۴۶)
(ابرار حسین باری)

مظہرِ انوارِ یزدانی ، منزلِ معراجِ انسانی
ذاتِ مطہّر، عبدِ مقرّب، پیکر اقدس، روح مکرم(۴۷)
(عاصی کرنالی)

لن ترانی کی سرِ طُور صدائیں گونجیں
اور سرِ سدرہ سبھی فاصلے مٹتے دیکھوں(۴۸)
(شیخ احسن الدین)

جادہ لطف مسافر سے جو ہم فاصلہ تھا
حسن اور عشق میں دو ہاتھ سے کم فاصلہ تھا(۴۹)
(توقیر تقی)

وہ منزل قُرب کی جس کی سند قوسین او ادنیٰ
علو کا پوچھنا کیا تا حدِ عرش بریں تم ہو(۵۰)
(ڈاکٹر عبدالمنان طرزی)

سیر شب تھی سرِ ابتدا کی طرف
سب کمالات کی انتہا کی طرف
قاب قوسین کی کیفیت کیا کہیں
قربتیں دوڑتی ہیں دنیٰ کی طرف(۵۱)

(ڈاکٹر راہی فدائی)

شبِ معراج سے ہوا ظاہر
کہاں پہنچی تھی عاشقی ان کی(۵۲)

(قیوم نظر)

دو کمانوں سے بھی کم منزلِ سدرہ سے ادھر
ایک عالم ہے اس عالم کی خبر لاتا کون(۵۳)

(افتخار عارف)

قاب قوسین کی تنزیل سے ہوتا بہم
ذاتِ اقدس ہے فقط ذاتِ خدا کی محرم(۵۴)

(غلام رسول ازہر)

معجزۂ معراج کے بے شمار فضائل میں تمام انبیاء و ملائک اور تمام بنی نوع انسان سے منفرد مقام کا عطا ہونا، قربتِ الٰہی کی انتہاؤں کا حقدار ہونا اور اس کے ساتھ ساتھ قدرتِ الٰہی سے مادّی کائنات کے تمام مظاہر کو آپ ﷺ کے حضور مسخّر کر دینا ہے۔ عرشِ معلّیٰ تک قدومِ پاک کی رسائی، مکان و لامکاں کی شوکتوں کا آپ ﷺ کے زیرِ قدم آجانا، حدِّ تعینات کو توڑ دینے کا یہ خارقِ عادت واقعہ خاک زادوں پر آپ ﷺ کی عظمت کو واضح کر رہا ہے۔ عالمِ قدس میں آپ ﷺ کی رسائی سدرہ سے آگے تک ہے۔ آپ ﷺ حریم ذات کے محرم ہیں جو ہستی عالمِ خاک میں فقیرانہ بودوباش میں متفخّر ہے۔ اسے رفعتِ افلاک سے آگے کی بلندیوں کا متحمل بنایا گیا۔ یہ آسمان پر سورج، چاند، ستارے آپ ﷺ ہی کے نور سے مستنیر ہیں۔ یہ ذی شوکت سیاحت صرف شبِ اسریٰ کے مہمانِ لامکاں کو عطا ہوئی۔ عرش و کرسی بھی آپ ﷺ کے محیط میں حباب کی مانند ہیں۔

خاک زادوں پر عیاں کیسے ہو عظمت آپؐ کی
آپؐ کے قدموں تلے تو عرش کی وسعت رہی (۵۵)

(اخلاق عاطف)

طائرِ سدرہ کے پر جلتے ہیں جس سے آگے
اس سے آگے ہی ترا نقشِ قدم ہے پھر بھی (۵۶)

(مقصود علی شاہ)

سدرہ و درج و دو کماں تیرے عروج کے نشاں
وہم و خیال سے پرے ، عقل سے ماورا صنم (۵۷)

(نذر صابری)

ٹوٹی چٹائی مسندِ سرکار ہے مگر
لپٹی ہوئی ہے رفعتِ افلاک پاؤں میں
چاند تارے دیکھ کے ہوتا ہے یہ گماں
سرکار کے نقوشِ قدم ہیں خلاؤں میں (۵۸)

تیری جبیں کے اوج کو سمجھے گا کون جب
تیرے قدم ہیں سینہ ہے عرشِ عظیم کا (۵۹)

بنتے رہے نجوم پسینے کی بوند سے ان کے قدم بناتے ہوئے کہکشاں چلے
پامال کرتے نخوتِ ہر آسماں چلے گزرے ہیں توڑتے ہوئے ہر اوج کا غرور (۶۰)

(سیّد نورالحسن نور)

جدید نعت گو شعرا نے واقعۂ معراج کے بیان میں منفرد اسلوب کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی حیات و سیرت کا ہر پہلو تشنۂ اظہار رہے گا۔ قلمکار سے اس کی صراحت کبھی نہ ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ پیرایۂ اسلوب کی بوقلمونیاں بھی ہنوز قابلِ دریافت ہیں۔ ہر عہد میں نعتیہ اسلوب کی ندرت اور نکھار بڑھتا رہا ہے اور واقعہ معراج کے ضمن میں نبیٔ آخر الزماں کی وسعتِ بے کنار کو کائناتی حوالوں سے سمجھنے کی کوشش جاری رہی ہے۔ آپ ﷺ کے قوائے روحانی کا ارتفاع اور مقامِ عظیم پر پہنچ کر اُمت کے خیال کا دامن گیر ہونا بھی اپنے اندر ہزار ہا نکات

رکھتا ہے۔ انسانی ذہن و شعور کے ارتقا کے ساتھ ساتھ یہ رموز انسان کی چشمِ احساس پر کھلتے رہیں گے۔ نعت گو شعرا نے حتی المقدور ان حقائق کو شعریت کا دلکش لبادہ عطا کیا ہے۔

سلوک کی معرفت کی معراج پر پہنچ کر
زمین کے درد تُو نے اپنے لیے چُنے تھے
پلٹ کے افتادگان کے درمیان آیا
یہی تو بس تیرے چاہنے والے چاہتے تھے[۶۱]
(خالد اقبال یاسر)

وہ خوابِ شش جہت ہے ـــ وہ تابِ تار و پُو ہے
وہ جس کی حد سے آگے ـــ فقط اللہ ہُو ہے[۶۲]
(جلیل عالی)

عرش سے فرش کو رجعت نہ تھی آساں انورؔ
یاد امت تھی جو آقا کا ادھر دھیان گیا[۶۳]
(افضال احمد انور)

تیرے سبب تسلسلِ معراج ہے نماز
عرشِ علیٰ کے پاس مرا گھر بنا دیا[۶۴]
(عاصی کرنالی)

پھر آسمانوں کی آخری حد پہ جا کے بھی تیرے دل میں دھڑتی دھڑک رہی تھی
ترے زمانے جو حشر تک بھی فنا نہ ہوں گے ہماری مٹی میں سو رہے ہیں[۶۵]
(محمد اجمل نیازی)

فرش پہ بیٹھ کے بھی عرش کو جو چھُو آیا
اس نے کونین کی رگ رگ میں لہو دوڑایا[۶۶]
(محسن احسان)

سدرہ سے آگے آپؐ کی پرواز دیکھیے
رشکِ زمین و عرش انہیں رفعتیں ملیں(۶۷)
(سیّد ریاض حسین زیدی)

شبِ معراج کی تصویر کی تدبیر محال
نور کو نور کا دیدار اجالوں سے پرے(۶۸)
(مقصود علی شاہ)

ایک آہٹ کی تحویل میں ہیں زمیں آسماں کی حدیں
ایک آواز دیتی ہے پہرا بہت اور گہرا بہت(۶۹)
(سلیم کوثر)

جدید نعت کے متعلق ڈاکٹر کاشف عرفان یوں رقم طراز ہیں:

"نعت میں فکری سطح پر ذات اور کائنات کے حوالے سے بڑے فلسفے کے مضامین پر مشتمل شاعری کا دور اس وقت شروع ہو گا۔ جب قرآن اور سیرت کا تفصیلی اور گہرا مطالعہ نعت گو شعرا کریں گے اور سامع کی ذہنی تربیت اس حوالے سے کی جائے گی۔ جیسے جیسے ہمارا سامع قاری اور ناظر ادبی تربیت یافتہ ہو گا۔ ہماری شاعری میں بھی گہرائی اور وسعت آئے گی۔۔۔ آفاقی اور عظیم شاعری (نعت) سامنے آنے کا وقت اب آ رہا ہے کہ چودہ سو سالوں میں ہم مسلمان ایک پختہ اور مکمل تہذیب کے حامل ہو چکے ہیں۔۔۔ اس تہذیبی تکمیل کے عمل میں ہمارے ہاں اب نعت فلسفے اور سائنس کے بڑے مباحث کو شامل کرنے کی حالت میں آچکی ہے۔"(۷۰)

جدید انسان نے جن تاریخی و عمرانی معیارات کو اپنا نصب العین بنایا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ گزشتہ ادوار میں ہونے والے ارتقائے انسانی سے آگے کا قدم ہے۔ مگر انسانی تہذیب اپنی اصل معراج کو صرف اس صورت میں پہنچ سکتی ہے جب حیات و سیرتِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تمام پہلوؤں کو فکر و نظر میں جگہ دے کر زندگیوں کو بہترین عملی صورت میں ڈھالا جائے گا۔ جدید اُردو نعت معراجِ نبوی میں پوشیدہ رموز و امکانات کو اجاگر کرنے کی کوشش کا آغاز کر چکی ہے۔ صنفِ نعت کو ایسے باشعور تخلیقی اذہان میسر آ رہے ہیں جو اس سریع عہد کو معراجِ مصطفیٰ کی روشنی میں درست سمت فراہم کرنے کی کوشش میں برابر لگے ہوئے ہیں۔

فصل دوم:

واقعۂ معراج کے تناظر میں عروجِ آدم کا تصور

واقعۂ معراج کے حوالے سے اُردو نعت میں ایک اہم موضوع عروجِ آدم یا عظمتِ انسان کا ہے۔ معراج النبیؐ در حقیقت عروجِ آدمِ خاکی کا مژدۂ جاں بخش ہے۔ جس نے فرازِ عبدیت کی گواہی جریدۂ عالم پر ثبت کر دی۔ امکاناتِ انسانی کا یہ اظہارِ جمیل ہی دراصل تمام کائنات کے ارتقا کا پیام ہے:

> ''بشری تخصیصیت سے بڑھ کر ایک آخری مقام تکمیلیت کا ہے۔ اس کی واحد اور اپنی مثال آپ ﷺ نبی آخر الزماں رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کی ہے جو بشریتِ کاملہ کے مقام پر فائز ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات و صفات لافانی ہیں۔ آپ ﷺ کا ذکرِ خیر منظوم ہو یا منثور خیر الوراسے ماورا کی نامختتم کائنات تک پھیلا ہوا ہے۔''(۷۱)

انسان ازل سے ہی مسجودِ ملائک تھا۔ واقعۂ معراج نے انسان کی رفعت کو ایک بار پھر ملائک سے برتر قرار دے دیا۔ اس مشتِ خاک کو ستاروں سے بلند شوکت و عظمت وعطا ہوئی۔ یہ راز فاش ہو گیا کہ بشر کی رسائی لامکاں تک ممکن ہے اور یہ ماہ و انجم انسان کی گزر گاہ ہیں۔ انسان اور کائنات کے عروج کی ترجمانی واقعۂ معراج سے ہوتی ہے۔ جس نے انسان کو انتہائے کمال تک پہنچنے کے جسمانی و روحانی زینے سے آگاہ کر دیا۔ انسانی زندگی کو ایک وقار عطا کر دیا۔ انسان اس قید آب و گِل سے رہا ہو کر آسمان کی رفعتوں کو زیرِ پا لانے کا امکان اپنی ذات میں رکھتا ہے۔ عرفانِ ذات کی انتہائی منزل پر پہنچ کر حقیقتِ مطلق کے روبرو ہو سکتا ہے۔ جدید نعت سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

پیامِ صبح بیداری پئے ہر بختِ خوابیدہ
بعنوانِ عروجِ عبدیت یہ شب ہے تابندہ
فرازِ عبدیت سے سج گئی ہے مسجدِ اقصیٰ
ہے تیرے فرق پر کج تاج سبحٰن الذی اسریٰ(۷۲)
(نعیم تقوی)

اس خاک کو کیا ہے ستاروں سے بھی بلند
انسانیت کی شوکت و عظمت ہے آپؐ سے(۷۳)
(شہزاد احمد)

ہوئی تھی لامکانی کی طرف جو وہ اک نقل مکانی لکھ رہا ہوں
بشر نے نور کی معراج پالی یہ قرآں کی زبانی لکھ رہا ہوں[۷۴]

(قیصر نجفی)

حریمِ شاہدِ فطرت کے راز داں ہو تم
فروغِ عظمتِ انساں کے ترجماں ہو تم[۷۵]

(کلیم عثمانی)

چھڑا ہے قصۂ معراجِ سرور
کمالِ آدمی ہے اور ہم ہیں[۷۶]

(عارف اکبر آبادی)

بامِ تقویم پہ معراج کا سال آیا تھا
یعنی سب خاک نژادوں پہ کمال آیا تھا[۷۷]

(شہزاد انجم)

آپؐ ہیں اللہ کے عینی گواہ
اعتبارِ آدمیت آپؐ ہیں[۷۸]

(مظفر وارثی)

یوں کیا صاحبِ معراج کی عظمت کو سلام
کہکشاں بن گئی انسان کے قدموں کی خاک[۷۹]

(اعجاز کنور راجا)

جدید نعت نے انسان شناسی کا منصب اپنایا ہے۔ انسانیت کے لیے سیرتِ مصطفیٰ کو معیار کامل قرار دے کر مثالی ارتقا کی راہ دِکھائی ہے بلکہ یہ وہ منصب ہے جو ہر اہلِ ایمان کی زندگی کا منتہاو مقصود ہے۔ جدید نعت نے اسے شعر و ادب کے خمیر میں شامل کرنے کا عزم کیا ہے اور اس نظامِ فلسفہ کو اپنانے کی سعی کی ہے جو انسان کے حوالے سے کائنات اور خالقِ کائنات کو سمجھنے کا داعی ہے۔ چونکہ نعت میں تصورِ انسان سراسر سیرتِ رسول ﷺ ہی سے کسبِ فیض کرتا ہے۔ لہٰذا

انسان کے وجود میں پنہاں جواہر و امکانات کی تلاش بھی سیرت کے حوالوں سے کی جاتی ہے۔ معراج وہ امرِ عظیم ہے جو جملہ کمالاتِ بشریت سے پردہ اُٹھا رہا ہے۔ ایک صاحبِ ایمان جب دل میں توحید کا سوز پیدا کرتا ہے۔ حقیقی علم کے لیے متجسس اور متوجہ ہوتا ہے، فقر کو اپناتا ہے۔ جذبۂ عشق سے خودی کو صیقل کرتا ہے۔ تو قُربِ الٰہی کے امکانات اجاگر ہوتے ہیں۔ انسان کے اس عروج کی خواہش اور مدارج کو نعت گو شعرانے واقعۂ معراج سے بھی اخذ کیا ہے۔

عروجِ آدمِ خاکی کا مژدۂ جاں بخش
شکستِ رونقِ لات و منات تجھ سے ہے(۸۰)
(عبدالعزیز خالد)

جہاں ہیں ختم حدیں حسنِ آدمیت کی
جمالِ دہر کی وہ قدرِ ارتقا ہو تم(۸۱)
(قمر میرٹھی)

کمالِ ارتقا ہے یہ جمالِ ارتقا ہے یہ
کہ اک اہلِ زمیں کے زیرِ پا ہفت آسماں آئے(۸۲)
(شبنم رومانی)

انسان کی عظمت کا سفر ہے شبِ اسریٰ
معراج اضافہ ہے مہمّاتِ بشر میں(۸۳)
(اقبال عظیم)

آسماں سے زمیں کا تعارف ہوا
عظمتوں سے فضا بہرہ ور ہو گئی
آدمی پر کھُلا مقصدِ زندگی
آدمیت بڑی معتبر ہو گئی(۸۴)
(حزیں صدیقی)

جدید نعت گوئی کو جو فروغ نصیب ہو رہا ہے اس کا محرّک اوّلین وہی جذبۂ عشقِ رسول ﷺ ہے۔ اب اس جذبے نے نئے اطوار سے ہم آہنگ ہو کر زیادہ موثر عملی صورت

اختیار کرلی ہے اور نعت کا منظر نامہ منفرد کوششوں سے جگمگا رہا ہے۔ اسلوب کا تنوع ایک اہم عنصر بن چکا ہے جس کے ذریعے قدیم موضوعات بھی سحر انگیزی سے دلوں میں اُترتے ہیں۔ خوبصورت تشبیہات و استعارات معنوی حسن کو فزوں تر کر رہے ہیں۔ معجزۂ معراج کا ذکر صرف عقیدت پر نہیں گہری معنویت پر مبنی ہے۔ اس میں پوشیدہ امکانات نعتیہ اسلوب کے وسیع امکانات میں اپنی جھلک دِکھا رہے ہیں۔ شاعری اور فلسفے کے اس سنگم پر اکثر شعرا نے فکر و فن کے چراغ روشن کیے ہیں۔ عارف عبدالمتین نے نعت گوئی کے میدان میں قدم رکھا تو صداقت نگاری کی راہ اپنائی، اس مادّیت زدہ عہد میں سیرتِ نبیؐ کے مختلف گوشوں سے یقین کی روشنی پاتے ہوئے انسانیت کو ارتقا کا پیغام دیا ہے۔ محسنؔ احسان نے بھی نعت میں ایک خاص انفرادیت پیدا کی جس کا انحصار لفظیات اور ادبیت اور عقیدت کے امتزاج پر ہے۔ ان کے ہاں تراکیب عمدہ اور دلکش ہیں۔ انداز بے ساختہ اور موثر ہے۔ معراج کو عروجِ انسانی کے تناظر میں دیکھتے ہوئے محسنؔ احسان نے اسے بخوبی موضوع بنایا ہے۔ ابوالخیر کشفی کی نعت گوئی میں ایک لطافت اور نفاست ہے جو ان کے تخلیقی ذہن میں موجود بصیرت اور دانش سے جنم لیتی ہے۔ ایک گہرے احساس پر مبنی تاثر ان کی تخلیقات میں شدت سے جھلکتا ہے۔ ان کا احساس ہی نہیں۔ زبان و بیان بھی شعر میں پیش کردہ خیال سے بھرپور تناسب رکھتے ہیں۔ معراج کے بیان میں بھی وہ ایسا ہی تاثر قائم کرنے میں کامیاب ہیں۔ جلیل عالی منفرد اسلوب کے باعث نعتیہ شاعری میں بھی ایک پہچان رکھتے ہیں ان کا لہجہ دلکش، ان کی فکر رواں اور ان کا اسلوب دلنشیں ہے۔ ان کے کلام میں ایسی تفکراتی فضا اور حکیمانہ سطح ہے جو انہیں معاصر شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔ انسانِ کاملؐ کے اوصاف کو عاشقانہ سرمستی اور وجدان میں ڈوب کر بڑے ترنم سے بیان کرتے ہیں اُردو غزل کی طرح نعت میں بھی جلیل عالی نے منفرد تجربوں سے شعری امکانات کو وسیع کیا ہے۔ ان شعرا کی نعت سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ماہ و انجم ہیں غبارِ ابنِ آدم
بن گئی ایک حقیقت یہ حکایت تجھ سے (۸۵)

(عارف عبدالمتین)

شاہبازِ دل پہ کھولیں وسعتیں افلاک کی
قیدِ آب و گِل سے انساں کو رہا اس نے کیا
ایک لمحے میں وہ چھُو آیا فرازِ عرش کو
آسماں کی رفعتوں کو زیرِ پا اس نے کیا (۸۶)

چھُو کر فرازِ عرش بڑھا دی کچھ اور بھی
انسان کے مقام کی توقیر آپؐ نے[۸۷]
(محسن احسان)

معراج جس کی آدمِ خاکی کا ہو عروج
اس کے سوا جہاں میں کوئی دوسرا بھی ہے؟[۸۸]

جس سے ملی ہے منزلِ عرفان و آگہی
وہ ایک موجِ نور اسی رہگزر میں ہے
ایسا بلند کر دیا انسان کا مقام
چرخِ بریں بھی حلقۂ دامِ بشر میں ہے[۸۹]

تاریخ محمد کا نشانِ کفِ پا ہے
انسان کو معراج ملی ان کے قدم سے[۹۰]
(ابوالخیر کشفی)

اس نے انسان کو جس اوج سے آگاہ کیا
تا ابد اس کا اعادہ نہیں ہونے والا[۹۱]
(جلیل عالی)

عرفان و آگہی کی جو منازل بذریعہ معراج انسان پر آشکار ہوئی ہیں۔ جدید نعت میں ان کا اظہار ایک متوازن اور مؤثر ذہنی و تخلیقی شعور سے ہو رہا ہے۔ ریاض حسین چودھری کے بقول:

> ’’تاجدارِ کائنات کے نقوشِ قدم سے اکتسابِ شعور کرتے ہوئے ہمیں عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے سفر کو جاری رکھنا ہے۔ جدید اُردو نعت جمالیاتی سطح پر ہمیں اس سفر پر رواں دواں ہونے اور پھر اس سفر میں رواں دواں رہنے کی ترغیب دے رہی ہے بلکہ مقاماتِ آہ و فغاں پر ہمارے حوصلوں اور ولولوں کو عزم و عمل کے نئے ذائقوں سے آشنا بھی کر رہی ہے۔‘‘[۹۲]

معراج پر یقین رکھنے والا انسان تاریخ انسانی پر نگاہ ڈالتا ہے تو جستجوئے ابنِ آدم کی تمام

کار فرمائیاں اسی معراج کا شاخسانہ معلوم ہوتی ہیں۔ انسان فی زمانہ جس منزلِ ارتقا پر ہے۔ یہ اپنی تمام تر حیرتوں کے باوجود اوّلین قدم ہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ انسان کی منزل لامکاں تک ہے ابھی اس نے اس کائنات کے حصاروں تک رسائی حاصل کی ہے۔ وہ ان حدود کو توڑ کر رفعتِ لامکاں کو چھو سکتا ہے۔ معراج النبی ﷺ نے ثابت کر دیا ہے کہ عروجِ انسانی کا یہ خواب باطل نہیں بلکہ قابلِ تعبیر ہے۔ یہ ذرّۂ خاکی ضرور ہمدوش ثریا ہو گا۔ گویا واقعۂ معراج سے پھوٹتے ہوئے انوارِ آگہی نہ صرف نبی کریم ﷺ کی شانِ رسالت و محبوبیت کے کشاف ہیں بلکہ تاابد ہر بندۂ مومن کے مرتبۂ عظیم کو واضح کر رہے ہیں۔ اس مرتبے کو پانے کے لیے جس جادۂ زندگی کا انتخاب ضروری ہے وہ صرف اہلِ بصیرت کی نظروں میں اجاگر ہو سکتا ہے۔

ایک انسان نے پایا ہے یہ رتبۂ ارشد
باعثِ حسنِ بصیرت ہے یہ معراج کی رات (۹۳)
(عبدالحمید ارشد)

مگر یہ آخری حد ہے مرے آغاز کا نقطہ
نیا انجام میرا منتظر ہے لامکاں پر بھی
محمدؐ نے مرے احساس کو تنویر بخشی ہے
یہ سچا خواب ہے جس نے مجھے تعبیر بخشی ہے (۹۴)
(اظہار اللہ اظہار)

ذرۂ خاکی کو ہمدوشِ ثریا کر دیا
فیض نے تیرے شہِ کونین کیا کیا کر دیا (۹۵)
(جنید نسیم)

جدید نعت میں حضور پاک ﷺ کے علوئے مرتبت کو سیرتِ پاک کے ہر پہلو کے ذریعے اجاگر کیا گیا اور فکرِ انسانی کو دعوت دی گئی کہ اپنی زندگیوں کو روشن کرنے کو اسی شجرِ نور سے تابندگی حاصل کی جائے انفرادی زندگی کے ذہنی و جسمانی امور سے لے کر اجتماعی زندگی کے مقاصد ہائے جلیلہ کی تعیین اسوۂ کامل کی روشنی میں ممکن ہے اور اسوۂ کامل سے اکتسابِ فیض کا اوّلین محرک جذبۂ عشقِ رسول ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے عشقِ رسول ﷺ کے حوالے سے اہم فکری نکتہ بیان کیا ہے کہ عاشق کی بشریت اپنے اندر غیر معمولی پن کا حقیقی اور روحانی تجربہ

کرتی ہے جس سے عاشق کی قلب ماہیت ہوتی ہے اور اس کے دل میں آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں جو عروج کا باعث بنتی ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''عشق لازماً حِسی ہدف چاہتا ہے لیکن یہاں ایک مقدّس تجرید ہوتی ہے جسے تاریخ و سیرت ایک حسی سطح ضرور دیتے ہیں مگر نبیؐ کی ذات اس درجہ وسیع اور تخیل کی حدوں سے ورا ہوتی ہے کہ اس کا قطعی تصور ممکن نہیں ہوتا۔ عشق حِسی ہدف کی آرزو ترک نہیں کر سکتا اور عشقِ نبی میں یہ ممکن نہیں ہوتا تو اس کا نتیجہ ان نئے، عظیم الشان مقاصد کی آرزوؤں کی صورت میں نکلتا ہے جو حقیقی حسی مادی دنیا کو اپنا ہدف بنا سکیں۔ چونکہ یہ عظیم آرزوئیں عشق کا حاصل ہوتی ہیں اس لیے وہ مادی دنیا کو جب ہدف بناتی ہیں تو اسے مسخ کرنے کے بجائے اس کی وسعتوں کو کھوجتی ہیں اور اس عمل کو خود اپنی ذات کی توسیع کی علامت تصور کرتی ہیں یوں ایک بلند تر سطح کا رشتہ دنیا سے قائم ہوتا ہے۔''(۹۶)

قُربِ الٰہی کی بنیاد ترکِ دنیا پر نہیں بلکہ خودی کو کامل کر لینے والا انسان کائنات میں رہتے ہوئے وہ مقام پا سکتا ہے کہ کائنات اس کے اندر سما جاتی ہے اور انسانِ کامل کو پابہ گِل کرنے کے بجائے فرازِ عرش تک جانے کی راہ دِکھائی دیتی ہے۔ گویا بندے کا رشتہ براہِ راست خدا سے قائم ہو سکتا ہے۔ انسان رفعتوں کی آخری حد تک جا سکتا ہے۔ انسان کو عظمت کی یہ راہ دکھانا بھی اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے اور آپ ﷺ کی ذات ہی اس قابل ہے کہ اس امرِ عظیم کو انسانیت پر واضح کرنے کے لیے واسطہ بن سکے۔

رشتہ بندوں کا خدا سے جوڑا
خاک کو عرش تلک پہنچایا(۹۷)
(قیوم نظر)

آپؐ نے جا کے پار سدرہ سے
نوعِ انساں کو باوقار کیا(۹۸)
(سیّد ریاض حسین زیدی)

قدم پہنچے تھے جن کے رفعتوں کی آخری حد تک
عروجِ آدمِ خاکی انہی کے زیرِ داماں ہے(۹۹)
(اختر بستوی)

انسانیت کو عظمتِ معراج مل گئی
سچ ہے یہی کہ محسنِ انساں حضور ہیں(۱۰۰)
(محمود احمد طارق)

انسان کو معراج کے ذریعے جس بلندی و عظمت سے آگاہ کیا گیا اس کی نظیر ابد تک قائم نہ ہو سکے گی۔ آدمیت کو ارتقاء کے لیے عظمتِ مصطفیٰ کی جانب ہی دیکھنا ہو گا۔ تبھی وہ اس مقام سے آشنا ہو گا کہ کہکشاں اس کی گردِ سفر ہو گی اس کا وجود اپنے تمام تر امکانات کے ساتھ یہ بات واضح کر دے گا کہ انسان فرشتوں سے برتر مقاصدِ زندگی اور تب و تابِ جاودانہ رکھتا ہے۔ حضور کی معراج نے شرفِ آدمیت کے مراتب کو بڑھا دیا ہے۔ انسان کو زمان و مکاں سے ماورا کر دیا ہے کہ اس کا مقام حدِ نظر سے آگے، وہم و گماں سے ماورا اور تعیّنِ جسم و جاں سے باہر ہے۔ جلالِ حق کی تجلیاں اس کے امکاناتِ رسا کی تجلیات سے باہر نہیں۔

کتنی صدیاں گزر گئیں لیکن
تیری جانب ہی دیکھتا پایا
آدمیت کو ارتقا کے لیے(۱۰۱)
(محمد اقبال نجمی)

کہکشاں سربسر صرف گردِ سفر ، یہ عروجِ بشر
کوئی پہنچا نہیں آپؐ پہنچے جہاں سرورِ سروراں(۱۰۲)
(قمر انجم)

بڑھے تھے سدرہ سے آگے جو مصطفیٰ کے قدم
تو جبرئیل نے بال اور پر کو دیکھا تھا
حجاب اُٹھے تو روح الامین حیران تھے
کہ پہلی بار جمالِ بشر کو دیکھا تھا(۱۰۳)
(حشمت یوسفی)

پہلے بھی باشرف تھا یہ انساں بہت مگر
معراجِ مصطفیٰ سے بڑھا مرتبہ کچھ اور(۱۰۴)
(سیّد نور الحسن نور)

ہر آدمی ان کے واسطے سے زمین پر محترم ہوا ہے
وہ ایک بندہ جو لامکاں میں خدا کا مہمان ہو گیا ہے(۱۰۵)
(سرو سہارنپوری)

تری عظمت کی جھلک دیکھ کے معراج کی رات
کب سے جبریل کی خواہش ہے بشر ہو جائے(۱۰۶)
(کوثر نیازی)

محمد مصطفیٰ ہی نے دکھائی منزلِ معراجِ انسانی
محمد مصطفیٰ ہی نے رہِ روشن پہ ڈالا آدمیت کو(۱۰۷)
(اصغر علی کوثر)

بے بال و پر اڑان تھی جس کی یہ اوجِ خاص
حُرمت اسی سے آج تلک بال و پر کی ہے(۱۰۸)
(ماجد صدیقی)

مختصر یہ کہ آنحضور ﷺ کی سیرتِ پاک کے ہر پہلو کی طرح معجزۂ معراج بھی بنی نوع انسان کے لیے تاریکی سے روشنی تک سفر کا پیام ہے۔ انسان کا مطمعِ نظر محض معراج کے وقوع کو ثابت کرنے کے لیے دلائل و براہین کی جمع آوری نہیں بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ پیرویِ مصطفیٰ کے اس پہلو پر نگاہِ علم و دانش مرکوز کر دی جائے جو ابھی تک تشنۂ تقلید ہے۔ واقعۂ معراج جو اسرار ہمیں سمجھا رہا ہے ان پر کاربند ہو کر انسان حقیقی عظمت اور عروج سے ہمکنار ہو گا۔

فصل سوم:

واقعۂ معراج کے تناظر میں علمی و سائنسی افکار و نظریات کا اظہار

اُردو نعت ابتدائی دور سے حالی کے عہد تک روایتی مضامین کی پابندی نظر آتی ہے۔ جدید دور نے ادب اور ذہنوں کو تبدیل کیا تو نعت میں بھی نئے افق دریافت ہوئے۔ ناقدینِ نعت نے اقبال کے ہاں جدید نعت کے سِرے تلاش کیے ہیں لیکن طویل عرصے تک صنفِ نعت اس جدیدیت سے ناآشنا رہی جو اسے عصرِ حاضر میں نصیب ہوئی ہے۔ شعرا نے مقامِ رسالت و بشریت، سیرتِ پاک اور معجزاتِ نبیؐ کے بیان میں نیا فکری ڈھنگ اپنایا ہے۔ فلسفیانہ پیرایۂ ہائے اظہار اختیار کیے ہیں۔ مضامینِ نعت کو وسعت دی ہے۔ تاریخی شعور جدید نعت گو شعرا کے تشبیہات و استعارات سے ہویدا ہے۔ اس مادیت زدہ عہد میں جدید نعت معراج النبیؐ کی تفہیم سے متعلق فکر و نظر کے نئے دروازے کھول رہی ہے۔ اس ضمن میں شعرا کی امیجری، علامت، استعارے، ابہام کے سقم سے پاک ہیں اور معنی کی مکمل ترسیل کرتے ہیں۔ نئی شعریات، شعور کے نئے زاویے اس عظیم الشان واقعے سے تخلیقی توانائی حاصل کر رہے ہیں۔ جدید نعتیہ ادب میں عقیدت اور حقیقت کا امتزاج، جذبہ و احساس کی لطافت اور بے مثال ادبیت پائی جاتی ہے۔ لہجوں کی انفرادیت نے تجربات کو اور بھی وسعت بخشی ہے۔ سیرت و تعلیماتِ محمدی کے بیان میں شاعرانہ حکمت کے علاوہ معجزات، بالخصوص واقعۂ معراج کے بیان میں ایک دانش افروز جاذبیت پیدا ہو گئی ہے جسے موضوع کی عظمت نے ایک بلند آہنگ عطا کیا ہے:

اب میری چشمِ شوق پہنچتی ہے عرش تک
معراج جانے والے کا زینہ نظر میں ہے[۱۰۹]

(حافظ مظہر الدین)

لیل اسراء کے طفیل اب مجھے منزل مل جائے
کھول دے مجھ پہ بھی معراج کے سب درِ عرفان[۱۱۰]

(عزیز احسن)

ہم فرشیوں پہ کب تھے ہویدا فلک کے راز
آپؐ آئے اور عرش کے دکھلا دیے نقوش(۱۱۱)
(شوذب کاظمی)

زمیں سے تا عرش ایک معراج کی ہے دُوری
سفر میں منزل کے سب اشارے پڑے ہوئے ہیں(۱۱۲)
(محمد مختار علی)

یہ جو پُرہول خلا ہے مری آنکھوں سے اُدھر
تری بینائی کا حصہ ہے مدینے والے
غیب و حاضر کے کناروں کو ملایا جس نے
تو وہ معراج کا رستا ہے مدینے والے(۱۱۳)
(یاسمین حمید)

کتنے جلوے تھے پس پردہ کتنے امر حجاب میں تھے
عرش علیٰ پہ آپؐ کا جانا پردہ درِ ہر راز ہوا(۱۱۴)
(حنیف اسعدی)

جدید نعت میں واقعۂ معراج کے ابعاد و جہات کو اِس طور موضوع بنایا گیا ہے کہ روایتِ معراج کی نوعیت محض روایتی اور داستانوی نہیں رہی بلکہ ایک زندہ اور ابدی حقیقت بن کر اُبھرتی ہے۔ انسانی شعور کے ارتقا کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کی مزید معنوی پرتیں کھلتی جائیں گی جن تک پہنچنے کے لیے انسان کو عرفان و آگہی کی ضرورت ہے۔ معراج النبیؐ نے آسمانوں کے راز، اہلِ زمین پر افشا کر دیے۔ آپ ﷺ کی ذات ورائے کون و مکاں کی محرم ہوئی تو انسانیت کے لیے کون و مکاں سے ماورا جستجو کی بنیاد پڑ گئی۔ آپ ﷺ نے جن حقائق کو بچشمِ خود مشاہدہ فرمایا انسان کے لیے ان حقائق کا فیض پانے کے لیے اتباعِ رسول ﷺ لازمی ہے۔ عشقِ رسولؐ، اطاعتِ رسولؐ، وہ زینے ہیں جن پر چڑھ کر انسان روحانی تفکر کے سلسلے طے کر سکتا ہے اور مقامِ کبریا سے آشنا ہو سکتا ہے۔ معراج النبیؐ نے شعور انسانی کو جس غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اس سے انسان پر علم اور تدبر کی نئی راہیں کھل گئی ہیں۔

وہی ہیں آشنا قوسین کی ارفع منازل سے
حبیب ربؐ ، حقیقت آشنا سے روشنی پاؤ(۱۱۵)
(آفتاب کریمی)

آشنا انساں مقام کبریائی سے ہوا
ہفت خواں یہ طے نبی کی رہنمائی سے ہوا
جانے کب تک راز رہتا وحدت و کثرت کا رابطہ
منکشف جو آپؐ کی عقدہ کشائی سے ہوا(۱۱۶)
(حفیظ تائب)

یہ عارفانِ تنزل و اوج ہی بتائیں
نبی کے معراج کی حدِ انتہا کہاں ہے(۱۱۷)
(افضل خاکسار)

بھٹکے کا شعور مدتوں تک
معراج ہے امتحانِ عالم(۱۱۸)
(سروسہارنپوری)

شبِ معراج پردہ اُٹھ گیا رُوئے حقیقت کا
رہا باقی نہ کوئی تفرقہ غیب و شہادت میں(۱۱۹)
(ڈاکٹر تاثیر)

مرے نبیؐ کی رسائی کی ممکنات کا راز
کھُلا تو رفعتِ معراج سے کھُلا آخر(۱۲۰)
(راجارشید محمود)

ہوئے آپؐ دار الفنا سے روانہ
گھڑی بھر میں دار البقا دیکھ آئے

یہ نکتہ بھی شہزاد معراج میں تھا
کہ رستے کو خود رہنما دیکھ آئے(۱۲۱)
(شہزاد مجدّدی)

علمِ سرکار سے پا کے فیضِ دوام
فکرِ نوعِ بشر نکتہ ور ہو گی(۱۲۲)
(مسعود چشتی)

شعورِ سفر دے کے عمرِ رواں کو
کیا منسلک ہستیِ جاوداں سے(۱۲۳)
(حزیں صدیقی)

مادی علوم وافکار کی بنیاد عقل، مشاہدے اور تجربے پر ہے۔ واقعۂ معراج اگر چہ قدیم وجدید علوم میں تحرّک اور انقلاب کا باعث ہے لیکن چونکہ یہ اعجازِ الٰہی ہے اور بہر حال ایسے پہلو اپنے اندر رکھتا ہے جن کا ادراک محض فلسفہ و خرد کے سہارے ممکن نہیں لہٰذا آگہی کا یہ عمودی رُخ یعنی روحانیت، معرفت اور عشق جیسے عوامل اس امرِ ربّی کے ادراک یا ایمان وایقان کے لیے ضروری ہیں۔ دنیاوی یا مادی علم کو اسی زینے سے آگے بڑھنا ہوگا۔

تعقل دم بخود ہوتا ہے وجداں جھوم اُٹھتا ہے
جب ان کے لامکاں تک کے سفر کی بات ہوتی ہے(۱۲۴)
(غلام ربّانی فروغ)

عقل پر جس سے کھلے ہیں عالمِ امکاں کے راز
معرفت کا علم کا ایسا مجلّہ آپؐ ہیں(۱۲۵)

دل کو طلبِ جلوہ گہِ ناز ملی
اور عقل کو تحقیق کا جوہر شبِ معراج(۱۲۶)
(شاکر القادری)

حضور ﷺ آپ نے بخشا یہ زندگی کو سبق
مشاہدہ ہے ضروری شہود سے پہلے
خدا کے ساتھ نظر آئیں گے محمدؐ بھی
نکل کے دیکھ خرد کی حدود سے پہلے(۱۲۷)

(دردؔ اسعدی)

کیا سمجھتے فلسفی معراج کو
وہ کہاں تھے یہ کہاں دیکھا کیے(۱۲۸)

(عاصی کرنالی)

مکاں تو کیا لامکاں ہے ان کا
حضور تکوین کی بِنا ہیں
خدا و خلقت کے رابطے کو
میانِ قوسین رابطہ ہیں
شعور کچھ ہے تو عشق کو ہے
خرد کی حد سے تو ماورا ہیں(۱۲۹)

(حنیف اسعدی)

سرِّ قوسین کو کیا سمجھے گی عقلِ محدود
رازِ معراج کو کیا پائے گا ادراکِ بشر(۱۳۰)

(حافظ مظہر الدین)

معراج مصطفیؐ نے انسانیت کے ارتقا کے جو امکان واضح کیے ہیں ان کو پانے کے لیے سیرتِ مصطفیؐ کی پیروی کی شرطِ بلا تخصیص ابد تک ہر آنے والے زمانے کے لیے ہے اس راہ سے دامن چھڑا کر انسان کی انتہائے کمال کو پانے کا خواب ادھورا رہے گا۔ آج مقاصدِ انسانی کی بے سمتی اور انتشار اسی صورت میں مثبت تنظیم پا سکتے ہیں کہ معراجِ نبیؐ کی حقیقت کو سمجھا جائے اور اس کی روشنی میں ارتقا کا سفر طے کیا جائے۔ انسان اگر چاہتا ہے کہ اس کے علم و فن کی حدیں مکاں سے لامکاں تک وسیع ہو جائیں تو اسے آگہی کے اسی ایک در سے گزرنا کافی ہے جو اسوۂ رسول کی صورت میں ہمیں عطا ہوا ہے۔

جدید نعت نے عہدِ حاضر میں اور آنے والے دور میں سیرتِ محمدی کو بطور کامل ترین خارجی و باطنی محرک کے منوانے کا سامان کر لیا ہے۔ عصرِ حاضر میں واقعات و معاملات کی کئی پرتیں کھلی ہیں اور سیرتِ رسولؐ کی جزئیات کو نئی معنویت سے سامنے لایا جارہا ہے۔ وہ ابدی صداقتیں جو آپؐ کے سیرت و کردار میں پنہاں ہیں۔ وقت انھیں مترشح کرتا چلا جارہا ہے۔ ان کی لامحدود وسعت کو پالینا فکرِ انسانی کی معراج ہو گی۔ موجودہ عہد نے مادے کی تسخیر کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھا ہے۔ جدید نعت اسے بھی رسالت سے شناسائی کا زینہ سمجھتی ہے۔

پہنچنا چاند پر تو اک بہانہ تھا مرے آقا
یہ دنیا آپؐ کا نقشِ کفِ پا ڈھونڈتی ہو گی[۱۳۱]
(وسیم بریلوی)

غرض ہے کہ ترے نقشِ قدم تک آ پہنچیں
اسی لیے ہے دو عالم کی جادہ پیمائی[۱۳۲]
(آغا صادق)

چومتے چومتے قدموں کے نقوش
عرش کی راہگزر تک پہنچوں[۱۳۳]
(حفیظ تائب)

جا کر جو سرِ عرشِ معلّٰی سے ملے گا
وہ زینہ ہمیں مسجدِ اقصیٰ سے ملے گا[۱۳۴]

چاند تاروں سے بھی آگے ہو گا رسا
منسلک تو ہو ذہنِ رسا آپؐ سے[۱۳۵]

واللہ کیا نصابِ رسولِ کریم ہے
اتنا ہی یہ جدید ہے جتنا قدیم ہے
تیرے ہی نقشِ پا کا تسلسل ہے عرش تک
تیری ہی راہ شاہرہِ مستقیم ہے[۱۳۶]
(حزیں صدیقی)

غبارِ پائے محمد پہن کے کیا نکلا
حدودِ راہ سے اک اور راستا نکلا(۱۳۷)

مکاں میں رہ کے سیرِ لامکاں کرنے کی خواہش ہے
تو در ہی در کھلیں گے ایک در سے واسطہ رکھنا(۱۳۸)

موجودہ دور میں خلاباز بھی سیاروں کی سیر کر آئے ہیں لیکن سورج، چاند، ستاروں سے کہیں آگے حضور اقدس ﷺ کے سفر معراج کی حد ٹھہری۔ ابھی سائنس اس حدّ کا ادراک نہیں کر پائی اور نہ ہی انسان مادی اجسام کے لیے روشنی کی رفتار کو پا سکا۔ ہماری کہکشاں کے علاوہ مزید تین کروڑ سے زائد کہکشائیں دریافت ہوئی ہیں۔ بعض کہکشائیں ہم سے ۲۰ کروڑ نوری سال کے عظیم فاصلے پر واقع ہیں۔ معراج کا سفر اس سے بھی کہیں آگے کا ہے۔ عقلِ انسانی اس مسافت کا تصور نہیں کر سکتی لیکن اس معجزے پر یقین کر کے سائنس اپنی جستجو کے سفر کو نئی جہات دے سکتی ہے۔

پہلی سیڑھی پر کھڑے ہیں آسماں
چڑھ رہا ہوں زینۂ پائے رسولؐ(۱۳۹)
(مظفر وارثی)

مکاں سے سرِ لامکاں تک گئی — محبت کہاں سے کہاں تک گئی
فروزاں ملے نقشِ پا آپؐ کے — نظر جستجو کی جہاں تک گئی(۱۴۰)

یوں قیامت تک نہ طے ہو گا خلا کا سلسلہ
منسلک ان سے کرو ذہنِ رسا کا سلسلہ(۱۴۱)
(حزیں صدیقی)

گر تیرے نشاناتِ قدم یاد نہیں ہیں
بیکار ہے تدبیر کی سب آبلہ پائی(۱۴۲)
(جلیل عالی)

میری بینائیوں کے پر سے نکل آتے ہیں
جب خلاؤں میں ترا نقشِ کفِ پا دیکھوں(۱۴۳)

(مظفر وارثی)

قوت معجز نمائی پر دل و جاں ہیں نثار
لامکاں کا راستا بھی ہے وفا کا نقشِ پا[۱۴۴]

(ناصر ملک)

رفعتیں آپؐ کے نقشِ کفِ پا سے اُبھریں
وہ بلندی نہیں جو زیرِ قدم آئی نہیں[۱۴۵]

(سرو سہارنپوری)

گویا معراج النبیؐ نے انسان کو اس قیدِ آب و گِل سے نکل جانے کی راہ دِکھائی۔ مکان و لامکاں پر انسانی تصرّف کا امکان ظاہر کیا۔ انسان کو وہ فہم اور حقیقت کشائی نصیب ہوئی جو اس کے تصوّر سے بھی زیادہ ہے۔ انسان کو معلوم ہو گیا کہ اس کے ارتقا کی حد چار دیواریِ عناصر تک محدود نہیں۔

کھل گئیں سرحدیں لامکانی تہِ آسمان آ گئی
آپؐ تشریف لائے تو جسمِ دو عالم میں جان آ گئی[۱۴۶]

(مظفر وارثی)

سوچو تو معراجِ نبیؐ نے یہ بھی اک احسان کیا
فہمِ بشر کو وسعت دے دی فہمِ بشر سے آگے بھی[۱۴۷]

(ماجد خلیل)

آسماں سے زمیں کا تعارف ہوا
عظمتوں سے فضا بہرہ ور ہو گئی[۱۴۸]

جا کر ہمیں بتایا
یہ حدِّ ارتقا ہے[۱۴۹]

(حزیں صدیقی)

جدید نعت عصری دانائی کی گواہ ہے۔ سیرتِ پاک کے زیست افروز گوشوں کو سحر انگیز طرزِ ادا نے منوّر تر کر دیا ہے کہی ہوئی بات بہ اندازِ دِگر بیان ہوتی ہے تو آگہی نئے انداز سے دستک دیتی ہے اور ذہن صدہا حوالوں سے اس بات کا معترف ہونے لگتا ہے کہ معراجِ سرکار، انسان کے

جسم وروح کا ارتقا، کائنات کی تقویم اور تسخیر یہ سب عناصر جس بنیادی عنصر کی بدولت باہم پیوست ہیں وہ عشق رسول ہے:

اُبھرا ہمارے ذہن میں قوسین کا خیال
جب بھی گئی نگاہ شفق کی کمان پر(۱۵۰)
(حسن عسکری کاظمی)

حاصل ہیں مجھے بال و پر عشقِ پیمبر
ہے ایک قدم عالمِ امکاں مرے آگے(۱۵۱)
(سیّد نورالحسن)

عشقِ رسولؐ کے لازمی عنصر سے کٹ کر انسان کی تمام تگ و دو کارِ لاحاصل ہو گی۔ فی زمانہ انسانی مقاصد کی بے سمتی عدم تشفی اور انتشار کا باعث انسان کا یہی سہو ہے۔ جدید نعت اس مرض کی دوا جانتی ہے اور اس کا اظہار کر رہی ہے۔ ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں:

''نعتیہ ادب میں تخلیق کار، نقاد اور محقق کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہر سطح پر ''صداقت'' کی جستجو کرے یعنی تخلیق کار ہر وہ بات شعری زبان میں بیان کرے جو قرآن وسنّت اور آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالے سے درست طور پر شاعر تک پہنچی ہو نقاد اسی پیمانے پر شعر عقیدت کی پرکھ کا کام انجام دے اور محقق بھی اسی نہج پر تحقیق کرے۔''(۱۵۲)

معراج کے حوالے سے بیان کیے گئے انسانی افکار میں یہ پہلو بھی اہم ہے کہ جدید نعت کا شاعر معراج کے آغاز تا انجام مراحل کے بارے میں منطقی انداز میں غور کرتا ہے۔ عبد اور معبود کے مناصب کا شعور رکھتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ شعور حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا معراج کے اشاروں سے اپنے فلسفے اور نظریات کی بنیاد رکھنے کی سعی نظر آتی ہے۔ نہ صرف حضور ﷺ کے سیر عالم بالا کو تشریف لے جانے بلکہ آپ ﷺ کے رُوئے زمین پر واپس تشریف لانے کے نکات کو بھی موضوع سخن بنایا گیا۔

لازم تھا قوسین کا پردہ ورنہ تکلّف کیا معنی
آئینہ کیا جا سکتا تھا آئینہ گر سے آگے بھی(۱۵۳)
(ماجد خلیل)

قربت کی حدِ خاص مقرر ہوئی قوسین
جب عرش پہ اللہ نے کی بات بشر سے[۱۵۴]

رہا کچھ فاصلہ قوسین سے کم
کہ اک معبود ہے اک عبدہٗ ہے[۱۵۵]
(آفتاب کریمی)

جس کے قدم کے نقش چمکتے ہیں عرش پر
اس کے لیے مقام فروتر تھی کائنات
اترے بلندیوں سے جو روئے زمین پر
مقصود تھی درستیٔ احوالِ ذی حیات[۱۵۶]

(جمال سویرا)

سائنسی حوالے سے دیکھا جائے تو خدا، انسان اور کائنات کے تعلق کو معراج کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش اخذِ معنی کے نئے در کھولتی ہے۔ عوامل کی منطقی وجوہات تلاش کرنے کا نام سائنس ہے۔ اسلام تمام مذاہب میں یہ امتیاز رکھتا ہے کہ یہ دینِ حق زندگی کے دیگر تمام حقائق کی طرح سائنس سے بھی متصادم نہیں بلکہ قرآن کریم نے آج دریافت ہونے والے سائنسی شواہد کو صدیوں پہلے بیان کر دیا تھا اور غیر مسلم بھی اس حقیقت کے معترف رہے ہیں۔

آج سائنس اس قابل ہے کہ شعاعیں جسدِ انسانی میں بغیر رخنے کے داخل ہوتی ہیں اور انسانی اعضا کے آر پار گزر سکتی ہیں۔ روشنی اور برقی رَو کی غیر معمولی سرعت کو انسان جان چکا ہے۔ صدہا برس کی موشگافیوں سے انسان اس حقیقت کو مان چکا ہے کہ آسمان کا وجود بھی ہے اور وہ ایسا سخت نہیں کہ اس میں اجسام کی گردش ناممکن ہو۔ خلا اور شدید حرارت سے آپ ﷺ کے جسمِ مبارک کا صحیح وسالم گزر جانا اور لوٹ آنا مشیتِ ایزدی سے ممکن ہوا۔ انسان اس جستجو میں نکلا تو اس نے خلائی سفر کے امکان دریافت کر لیے۔ ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

''سفر معراج اتنی بڑی کائناتی سچائی ہے کہ آج کا سائنس اور ٹیکنالوجی کا سارا ارتقا اس سفر کی خوشہ چینی کے سوا کچھ بھی نہیں جوں جوں انسان اپنے علم اور تجربات کی روشنی میں سفر معراج کی مختلف پرتیں کھولتا جائے گا۔ ان گنت سچائیوں کا انکشاف

ہوتا جائے گا اور جدید علوم کا دامن حیرت انگیز معلومات سے بھرتا جائے گا۔ سفر معراج کی جزئیات سے آگاہی، علومِ جدیدہ کے ارتقاء کی ضامن ہے۔"(۱۵۷)

انسانیت کو ارتقا اور تسخیرِ کائنات کا خواب دکھانا معراج النبیؐ کے ثمرات میں سے ہے۔ آیاتِ قرآنی انسان کو چاند تاروں پر کمندیں ڈالنے کا درس دے رہی ہیں۔ معراج نبوی کو سمجھنے کی کوشش میں سائنس نے ارتقا پایا ہے اور نبیؐ برحق انسان کامل حضرت محمد ﷺ کی ذات زندگی کے ہر شعبے کی طرح سائنس کے لیے بھی بہترین رہنما ہے۔ حلیم حاذق لکھتے ہیں:

"تاریخِ بشریت نور اوّلین کی رحمت سے مستنیر ہے۔ علم و آگہی، شعور و عرفان، معلمِ اوّل کی عطا ہے۔ ہر زمین اور ہر زمانہ کی ہدایت کے لیے سراج منیر کی ضوفشانیاں عام ہیں۔ آج بھی نبی آخر کا ہر فرمان ہدایت کی علامت اور آپ ﷺ کا ہر فعل عظمتِ کردار کا نشان ہے۔ آج بھی حرا کی روشنی سب سے دلکش اور فاران کی آواز سب سے دلگداز ہے۔ آج بھی فتح مکہ بے عیب ضابطۂ اخلاق اور خطبۂ آخر لاریب عالمی منشورِ حیات ہے۔ آج بھی طائف کا واقعہ مظلوم کی فتح کا حوالہ اور ہجرت حبشہ ضعیف کی قوت کا استعارہ ہے۔ آج بھی معراج مصطفیٰ بشری استعداد کے لیے ہدف اور چیلنج ہے۔"(۱۵۸)

معراج سے انسان کو یہ نکتہ سمجھ میں آیا کہ تسخیرِ کائنات ہی مقصودِ زندگی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانی شعور اور آگہی میں اضافہ ہوتا گیا اور انسان کی سائنسی جستجو نے موجودہ دور تک آتے آتے ایک تیز رفتاری کو پالیا۔ انسان ارض کشش سے کٹ کر خلاؤں میں سفر کی راہیں دریافت کر چکا ہے۔ علومِ نو کا یہ انقلاب فیضانِ معراجِ مصطفیٰ ہے۔

ارتقا کا روشنی کا خواب کا تعبیر کا
دینِ احمد راستا ہے سربسر تعمیر کا
آیئے اب چاند تاروں پر کمندیں ڈال دیں
آیۂ قرآں میں ہم کو حکم ہے تسخیر کا
عظمتِ انساں بھی ہے معراج کی بے مثل شب
اور کمالِ ارتقا سائنس کی تدبیر کا(۱۵۹)
(ابرار کرتپوری)

نہ صرف وہ اس جہاں سے گزرا وہ آسمان آسماں سے گزرا
نگاہِ سائنس داں بھی جس پہ لگی ہوئی ہے، وہی نبی ہے(۱۶۰)
(مظفر وارثی)

تسخیرِ کائنات ہے مقصودِ زندگی
معراج کا سفر ہمیں کیا کچھ بتا گیا(۱۶۱)

ہمیں معراج سے یہ نکتۂ نازک سمجھنا ہے
بشر پر فرض ہے اس عالمِ امکاں کو سر کرنا(۱۶۲)
(حسن عسکری کاظمی)

یہ تیزی ارتقا کو صاحب معراج نے بخشی
بشر نے طے کیا صدیوں کی منزل کو مہینوں میں(۱۶۳)
(اسد ملتانی)

نبیؐ کا درس ہے تسخیر کیجیے عالم
علومِ نو سے حسیں انقلاب ہوتا ہے(۱۶۴)
(ابرار کرتپوری)

منشورِ آدم ، تسخیرِ آدم
انسانیت کو منزل بتا دی(۱۶۵)
(انور شعور)

عبور کر کے خلا و ملا کی پہنائی
عجب تصورِ فتح و ظفر دیا تو نے(۱۶۶)
(حفیظ تائب)

تو نے وہ دیا جلا دیا ہے ذرّات کو جگمگا دیا ہے
پا بوس تیرے سبھی تغیّر کیسا سکّہ چلا دیا ہے
ہم کو سات آسماں دکھا کر یارا بھی اُڑان کا دیا ہے(۱۶۷)
(نجیب احمد)

کھلیں گے رستے بند
کر سفر معراج کو یاد
چاند پہ ڈال کمند(۱۶۸)
(سیّد نورالحسن نور)

شبِ اسریٰ نے صدیوں پہلے انسان کو خلائی سفر کے امکانات سے آگاہ کر دیا۔ ماہ و نجوم پہ بلندی حاصل کرنا اور خلا کو تسخیر کرنا تبھی ممکن ہو گا جب آپ ﷺ کی ذات سے کامل رہنمائی حاصل کی جائے۔ موجودہ نسلیں جن تصوّرات کو تحقیقِ نو کا ثمر سمجھتی ہیں۔ ان کا مبدا و آغاز دراصل واقعۂ معراج ہے۔ ایمان و ایقان کے زوال کا یہ عہد تقاضا کرتا ہے کہ جدید اذہان پر اسلام کی حقانیت، انقلابی روح اور ہمہ گیری کو سائنس کی راہ سے واضح کیا جائے۔ نئی نعت اس تبلیغِ فکر کے قابل ہونے کے لیے کوشاں ہے۔

ہے جو تسخیرِ کائنات کا فن
اس کے راز آپؐ ہی نے سمجھائے(۱۶۹)
(سیّد ریاض حسین زیدی)

یہ بھی ہے ایک پیرویِ مصطفیٰؐ کا رُخ
مصروف آدمی جو خلا کے سفر میں ہے(۱۷۰)
(اعجاز رحمانی)

یہ بال و پری اس کی عنایت ہے انھی کی
ان کی ہی نوازش ہے یہ اڑتی ہوئی دنیا
یہ ان کے قدم تھے کہ بنے باعثِ رحمت
سمٹی ہوئی دنیا ہوئی پھیلی ہوئی دنیا(۱۷۱)
(احمد صغیر صدیقی)

کھلیں معراج سے تسخیرِ مہر و ماہ کی راہیں
نئی دانش ہر اک تہذیبِ نو کا راہنما کہیے(۱۷۲)
(سحر انصاری)

شبِ اسریٰ کا یہ پیغام ہے تحریر صدیوں سے
سفر کرنا خلاؤں میں کتابِ ارتقا بننا[۱۷۳]
(ریاض حسین چودھری)

اگر معراجِ مصطفیٰؐ کے طفیل ارتقائے انسانی کے یہ افق اجاگر نہ ہوتے تو شاید انسان اپنے محدود مادی و عقلی مشاہدے کی بنا پر اسی ظاہری کائنات کو اپنا کُل جہان قرار دیتا اور اس کی چشمِ احساس جہانِ دِگر تک رسائی کا خواب نہ دیکھتی۔ معراج کا معجزہ اپنے اندر جو پہنائی اور وسعت رکھتا ہے۔ ان رازہائے جلیلہ کو پانے کا تجسس انسان کے علم و تحقیق کو کشاں کشاں لیے جاتا ہے۔ انسان کا شوقِ ارتقا تعینات کی حدوں کو عبور کرنے کے لیے بے قرار ہے۔ حضور ﷺ کے سفر معراج نے ثابت کر دیا کہ زمین سے آسمان تک کی مسافت امکان کی زد میں ہے۔ آسمانوں تک رسائی کے سفر میں معراجِ مصطفیٰؐ سے فیض پانا صرف عالمِ اسلام کی خاصیت نہیں بلکہ تمام مذاہبِ عالم کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔ یہی نکتہ اسلام کی ابدیت کا امین ہو گا۔ آپ ﷺ کے قدم فلک کے زینوں میں نئی منازل کے نقیب ہیں:

اس کو کیا کچھ علم ہو گا جو بہت آگے گیا
عرش تک یوں سیر کی جیسے یہیں کے آس پاس[۱۷۴]

تعینات کی ساری حدیں عبور ہوئیں
مرے حضور کے اس ارتقا کی بات کرو[۱۷۵]
(آفتاب کریمی)

آقا ہمارے عرش پر پہنچے یہاں سے کیا
اب اس جہاں کا فاصلہ ہے اس جہاں سے کیا[۱۷۶]
(حسن عسکری کاظمی)

ہر ذہن ہو رہا ہے پریشاں ترے بغیر
ہر ناطقہ ہے سر بگریباں ترے بغیر
ٹھہری ہے آ کے چاند کی منزل پہ گفتگو
تشنہ ہے سیر عرش کا عنواں ترے بغیر[۱۷۷]
(نازش پرتاب گڑھی)

کر رہا ہوں ذکر میں سرکار کی معراج کا
اور میرے ہمنوا ہیں مشرقین و مغربین(۱۷۸)

(شوکت قادری)

اس مکان سے آگے لامکان جتنے ہیں
ہر جگہ چمکتا ہے تیرا چہرۂ تاباں
اس زمان سے آگے لازمان جتنے ہیں
سب کروں کی صورت ہیں تیرے وقت میں غلطاں(۱۷۹)

(عاصی کرنالی)

امکان کی حدوں سے پرے تک ترے قدم
پیمائشِ جہاں تری پرکار سے ہوئی(۱۸۰)

(مظفر وارثی)

عرش کو فرش پر جانتا کون تھا
نام اس کا بھی روشن ہوا آپؐ سے(۱۸۱)

(حزیں صدیقی)

اب ارض و سما اوجِ تفکر کے ہیں تابع
یہ سرورِ کونین کا ہے لطفِ فراواں(۱۸۲)

(امین راحت چغتائی)

میں اس کی وسعتوں کو لفظ پہناؤں تو کیا جس کا
زمیں پر اک قدم ہے دوسرا افلاک سے آگے(۱۸۳)

(سیّد عارف)

سیّدِ انفس آفاق سے ہو کر منسوب
ذرّہ پھیلے تو مکاں لمحہ زماں ہو جائے(۱۸۴)

(افضال احمد انور)

حصارِ کون و مکاں تیری چار دیواری
زمیں ہے صحن تو عرشِ بریں ہے بام ترا
افق افق ترے نقشِ قدم سے روشن ہے
فلک فلک سے سراپردۂ خرام ترا(۱۸۵)
(حزیں صدیقی)

حدودِ عرش سے آگے نکل گئے وہ قدم
بڑھا کے اک نئی منزل فلک کے زینے میں(۱۸۶)
(اقبال عظیم)

تکمیلِ ذات ، وحدتِ فکر و عمل کی بات
تسخیرِ کائنات کا نسخہ بتا دیا(۱۸۷)
(حزیں صدیقی)

غرض یہ کہ سائنس کے تمام شعبے فطرت کے جن رازوں کی بے نقابی کر رہے ہیں۔ ان کا منبع و مرجع سرورِ عالم ﷺ کی ذات ہے۔ معراجِ محمد ﷺ نے جن رازوں کی طرف اشارہ کیا ہے سائنس کے لیے لازم ہے کہ آپ ﷺ ہی کی حیات و سیرت کی روشنی میں اس طرف گامزن ہو۔ براق کے سفر نے انسان کو سریع سفر پر اکسایا اربابِ خرد نے دریافت و ایجاد کے اس بے پایاں سفر کو اپنے تعقل کا کرشمہ جانا ہے لیکن معراج النبیؐ نے صدیوں قبل ان علوم و رموز کی تلاش کا علم بلند کر دیا تھا۔

ساری سائنس ہے مرید ان کی
عرش پر ثبت نقشِ پا کی قسم(۱۸۸)
(مظفر وارثی)

معراجِ محمدؐ نے کیا راز جو افشا
وہ راز خلاؤں سے ہوا پوچھ رہی ہے
پھیلائے ہوئے گوشۂ دامانِ تجسس
سائنس محمد کا پتا پوچھ رہی ہے(۱۸۹)

رسولِ پاکؐ کی سیرت سے روشنی پا کر
تمام چاند ستارے ہمارے جادہ ہیں
جہاز و راکٹ و اسکائی لیب و طیارے
براقِ سرورِ عالم سے استفادہ ہیں(۱۹۰)

ذہن دنیا کا ہو گیا روشن
شبِ معراج کے اجالے سے
علم جیومیٹری نے پائی سند
قاب قوسین کے حوالے سے(۱۹۱)

ہیں شاہِ دو جہاں کے خیالوں سے متفق
سائنس کے علوم میں جتنے اصول ہیں
مریخ چاند ، زہرہ ، عطارد ، خلا، دھنک
یہ سب مرے حضور کے قدموں کے دھول ہیں(۱۹۲)

(خالد محمود خالد)

لوگ نازاں ہیں کہ وہ حدِّ یقیں تک پہنچے
یعنی اربابِ خرد ماہِ مبیں تک پہنچے
لیکن اس دورِ کرامات سے صدیوں پہلے
میرے آقا کے قدم عرشِ بریں تک پہنچے(۱۹۳)

(اقبال عظیم)

زمان و مکاں کے مسائل پر غور و فکر بھی معراج کو سمجھنے کی علمی و سائنسی کوشش ہے۔ معراج میں وقت کی رفتار کا یہ معجزہ انسانی شعور کو ورطۂ حیرت میں ڈالتا ہے۔ حیرت اور تجسس کی بنیاد پر اس اعجاز کو سمجھنے کی علمی و سائنسی مساعی نے شعرا کے تخلیقی شعور میں جگہ پائی ہے او وقت کی کیفیات اور جہات کو ادبی و فنّی حسن کے ساتھ شعر میں بیان کیا ہے۔ معراج کے سفر نے زمان و مکاں کی اضافی حیثیت کو واضح کر دیا۔ ان پیمانوں کو سمجھنا عقلِ محدود کے بس کی بات نہ تھی۔ کہ کس طرح اس ظاہری دنیا کا پیمانۂ وقت حضورِ اقدس کے لیے معطّل ہو گیا اور اک آن میں کون و مکاں کا مرحلہ طے کر کے آپ ﷺ زمین پر تشریف لے آئے۔ جن آیاتِ الٰہی کے مشاہدے

کے لیے عرصہ ہائے بیکراں درکار تھا۔ زمینی وقت کے مطابق ایک پل میں ممکن ہو گیا کیونکہ آپ ﷺ جس جہان میں تشریف لے گئے وہ اس زمینی وقت کی گردش سے مبرّا تھا۔ صرف اسی دنیا کے وقت کے متعلق جاننے والے ذہن کے لیے یہ امر ناممکن ہے۔ کسی جسم پر وقت کی رفتار کے ٹھہر جانے کا اعجاز عقلِ محدود کے لیے تازیانہ ہے۔ جدید نعت میں بھی اس کیفیتِ استعجاب کا بہ عقیدت اظہار ملتا ہے۔ یہی تجسس سائنسی انکشافات کی بنیاد بنتا رہے گا۔

بس ایک لمحۂ شب میں یہ راز ہو گیا فاش
کہ وقت کیا ہے، مکاں کیا ہے، لامکاں کیا ہے(۱۹۴)
(سرشار صدیقی)

اک آن میں طے مرحلۂ کون و مکاں تھا
کیا تنگ تھی یہ وسعتِ دوراں ترے آگے(۱۹۵)
(صوفی تبسم)

گئے لامکاں کی طرف نبیؐ تو جہاں کی نبض رکی رہی
ہوئی جب حضور کی واپسی وہیں جان آ گئی جان میں(۱۹۶)
(حنیف نازش قادری)

کفِ وقت و ارض میں آئے گی کہاں گردِ رہگزر آپؐ کی
نہ زماں ہو ہمقدم آپؐ کا نہ زمیں ہو ہمسفر آپؐ کی(۱۹۷)
(ریاض مجید)

انسانی شعور کے اس قدر ارتقا کے باوجود ابھی تک انسان اللہ کی عطا کی ہوئی تمام صلاحیتوں کو کماحقہٗ استعمال میں نہیں لا سکا۔ یہی وجہ ہے کہ جدید سائنس ابھی معراج کے تمام رموز کو نہیں پا سکی اور ان موشگافیوں کا شکار ہے کہ کششِ ثقل، خلا میں ہوا کی عدم موجودگی، سورج کی تپش اور فضائے زمین سے باہر خطرناک شعاعوں کی موجودگی میں روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ رفتار کے ساتھ پلک جھپکتے میں یہ سفر طے کرنا کیونکر ممکن ہے؟ سائنسی دنیا کا ایک موضوع ٹائم ٹریول یعنی وقت میں سفر ہے جس کی کلید یہ ہے کہ وقت مختلف جگہوں پر مختلف رفتار سے بہتا ہے۔ زمان و مکاں میں سفر یعنی وقت کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھنے کا یہ نظریہ جدید سائنس کے نزدیک قابلِ عمل ہے۔ اس سفر کو ممکن بنانے کے لیے انسان کے بے حد علم اور عملی استعداد کی ضرورت

ہے جسے پانے کے لیے سائنس کو واقعہ ٔمعراج کو سنگِ میل بنانا ہو گا۔

ہوئے جو معراج کو روانہ تو رُک گئی گردشِ زمانہ
کسے خبر تا بہ کے رہے مرکبِ مہ و سال پر محمدؐ(۱۹۸)
(مظفر وارثی)

چند گھڑیوں میں خدا سے آپؐ مل کر آ گئے
سوچ سے باہر ہے عالم آپؐ کی رفتار کا(۱۹۹)
(تبسم قادری)

بس پلک جھپکی سفر طے ہو گیا معراج کا
وقت بھی تمثیل سے عاجز ہے اس رفتار کی(۲۰۰)

رکی ہیں وقت کی سانسیں تھمی ہے نبضِ جہاں
چلے ہیں شاہِ اُمم سیر لامکاں کے لیے(۲۰۱)
(سیّد نورالحسن نور)

شبد یز وقت کی حرکت سلب ہو گئی
عرشِ بریں کی سمت یہ کس کا سفر ہے آج(۲۰۲)

شبِ اسریٰ تھا کون گرمِ سفر
کس نے رفتارِ وقت ٹھہرائی(۲۰۳)
(راغب مراد آبادی)

گردشِ دوراں ٹھٹک کے رہ گئی
جب سرِ عرشِ علی آقا گئے(۲۰۴)
(حافظ نور قادری)

پابندِ روز و شب نہ تھی معراجِ مصطفیٰ
جب وہ چلے تو وقت کی رفتار رُک گئی(۲۰۵)

(مظفر وارثی)

نبضِ کونین پہ وہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
گردشِ وقت کا احساس کہاں آج کی رات[۲۰۶]

(کلیم عثمانی)

آئن سٹائن کا" نظریہ اضافیت" موجودہ دور کا معروف نظریہ ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ آنحضور ﷺ کا معراج پر جانا اور ایک طویل مدت گزار کر واپس آنا مگر آپ ﷺ کی زمین پر عدم موجودگی میں وقت کا نہ گزرنا نظریۂ اضافیت سے ثابت ہے مگر یہ بحث بھی اُٹھائی گئی کہ اگر خصوصی نظریۂ اضافیت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس واقعے کی حقانیت جاننے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہو گا کہ اصلاً زمین پر آنحضرت ﷺ کی غیر موجودگی میں کئی برس گزر جانے چاہئیں تھے جبکہ ایسا نہیں ہوا۔ نظریۂ اضافیت ہی کا دوسرا حصہ "عمومی نظریۂ ضافیت" (General Theory of relativity)اس سوال کا تسلی بخش جواب ہے۔ کائنات کی تین جہتیں مکانی ہیں۔(لمبائی، چوڑائی، موٹائی یا اونچائی) جبکہ ایک جہت زمانی ہے جسے ہم وقت کہتے ہیں۔ اس عمومی نظریۂ اضافیت نے کائنات کو زمان و مکاں کی ایک چادر (Sheet) کے طور پر پیش کیا ہے۔ آئن سٹائن کے عمومی نظریہ اضافیت کے تحت کائنات کے کسی بھی حصے کو زمان و مکاں کی اس چادر میں ایک نقطے کی حیثیت سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ابو مخدوم زادہ لکھتے ہیں:

> "عالمِ دنیا قابلِ مشاہدہ کائنات اور عالمِ بالا یعنی ہمارے مشاہدے اور ادراک سے ماورا کائنات دو الگ زمانی و مکانی چادریں ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے قریب تو ہو سکتی ہیں لیکن بے انتہا قربت کے باوجود ایک کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کا دوسری کائنات میں ہونے والے عمل پر اثر نہ پڑے گا اور نہ اسے وہاں محسوس کیا جائے گا۔ حضور اکرم ﷺ زمان و مکاں کی کائناتی چادر کے ایک نقطے سے دوسری زمانی و مکانی چادر پر پہنچے اور معراج کے مشاہدات کے بعد (خواہ اس کی مدّت کتنی طویل ہی کیوں نہ ہو) آنحضرت ﷺ زمان و مکاں کی کائناتی چادر کے بالکل اسی نقطے پر پہنچ گئے جہاں معراج سے قبل تھے۔"[۲۰۷]

وقت کی رفتار کے رک جانے کا سوال زمان و مکاں کے تصوّرات میں تحقیقاتِ نو کا باعث ہُوا۔ شبِ معراج میں حضور ﷺ کی ذات لمحات کی اس زنجیر سے کیونکر آزاد رہی۔ یہ عرصہ ہائے بے کراں ایک پل میں کیسے سمٹ آئے۔ آپ ﷺ نے صدیوں کا سفر ایک لمحے میں طے

فرمایا۔ یہ عوامل قدرتِ الٰہی کے مظہر، آپ ﷺ کی جداگانہ شان کے مظہر اور انسانی عقل کے لیے مہمیز ہیں۔ انہی حقائق کی کھوج میں سائنس نو بہ نو تحیّرات کے پردے چاک کر رہی ہے۔ یہ عظیم شبِ وصال تھی کہ جس نے وقت کو ٹھہرادیا۔

ہر لمحے کا قدم تھا جہاں رک گیا وہیں
راکب شبِ وصال تو تھی وہ شبِ وصال(۲۰۸)

(راکب راجا)

میرے آقا کے لیے وقت عناں گیر نہیں
شبِ معراج میں لمحات کی زنجیر نہیں(۲۰۹)

(سرو سہارنپوری)

سفر میں وقت کی رفتار پیچھے رہ گئی
ورائے عقل و گماں ہیں مسافتیں تیری(۲۱۰)

(انور جمال)

آپ کے ہاتھوں میں آئی جب عنانِ کائنات
راہ میں حائل کہاں پھر وقت کی گردش ہوئی
نور کا رہوار محبوبِ خدا سا شہسوار
عرصہ ہائے بیکراں کی پل میں پیمائش ہوئی(۲۱۱)

(حزیں صدیقی)

عرش علیٰ پہ آپؐ گئے جا کے لوٹ آئے
صدیوں کا ایک لمحے میں طے ہو گیا سفر(۲۱۲)

(ندیم نیازی)

وقت کے چہرے پہ حیرانی کے بادل چھا گئے
جب کیا لمحوں میں صدیوں کا سفر سرکار نے(۲۱۳)

(رشید میواتی)

معجزاتِ نبوی میں وقت کی پیمائش کی تفہیم مادی علم سے بالاتر ایک چیز ہے۔ واقعۂ معراج

سے اس موجود دنیا اور ان دیکھی دنیاؤں کے درمیان تعلق کو سمجھنے کی کوشش میں وقت کے متعلق نئے نظریات سامنے آئے، سائنس نے بھی وقت کی ماہیئت کو سمجھنے کے لیے ایک نظام قائم کر رکھا ہے۔ آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کے مطابق انسان اگر روشنی کی رفتار کے مربع (C) سے سفر کرنے کے قابل ہو جائے تو وہ اپنی مادی حیثیت کو تبدیل کر کے توانائی کی لہروں میں تبدیل ہو جائے گا اور مادے کی نسبت لاکھوں گنا تیز رفتاری سے سفر کر سکے گا۔ آئن سٹائن نے خلا اور وقت کے غیر معتبر اور غیر مستقل ہونے کو ایک نئی اصطلاح (Space Time) کا نام دیا۔ آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کے مطابق زمان (Time) اور مکان (Space) مستقل نہیں اضافی ہیں۔ وقت کی پیمائش اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کا تعلق کسی مکان سے ہو۔ کوئی جسم مکان کی قیود سے آزاد ہو گا تو زمان کی قیود بھی ختم ہو جائیں گی۔ اس نظریے سے سائنس کا واقعۂ معراج کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ ان سائنسی حقائق کی دریافت جن سوالات کی بنیاد پر ممکن ہوئی، فکرِ انسانی میں زمان و مکاں کے متعلق یہ سوالات معراج ہی کی بدولت اُبھرے۔ نعت گو شعرا نے وقت کی ماہیئت اور اس کے تغیر و تبدل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے:

ٹھہری ہوئی ہے گردشِ دوراں ، رُکا ہے وقت
ہے روح عصر گرمِ سفر مصطفیؐ کے ساتھ(۲۱۴)
(شاہد نقوی)

ترے براق کی رفتار روشنی سے بھی تیز
ابھی زمیں پہ ابھی عرش پر قیام ترا(۲۱۵)

سمٹ کے رہ گیا صدیوں کا فاصلہ پل میں
نظامِ وقت میں کوئی خلل پڑا بھی نہیں(۲۱۶)

ایک پل میں طے کیا تھا جس نے صدیوں کا سفر
وقت پر اس کا تصرف برملا ہے آج بھی(۲۱۷)
(حزیں صدیقی)

جنبشِ جسمِ معظم سے چلی وقت کی رَو
چشم وا ہونے کے عالم میں پڑا چرخِ کبود
حرف سے جس کے مکمل ہے کتابِ باری
چہرے سے جس کے کھلیں عرشِ معلّٰی کے حدود(۲۱۸)

(سیّد غائر عالم)

وقت کا قافلہ روشنی کے سفر پر روانہ ہوا
بے جہت زندگی عبد و معبود کے درمیاں آ گئی(۲۱۹)

(مظفر وارثی)

اتنی سرعت سے پہنچے نبی عرش پر
طے کرے جس طرح روشنی راستا(۲۲۰)

(افضل خاکسار)

مرحلے تیرے سفر کے تھے ازل اور ابد
جادۂ وقت سے آگے ترا جادہ دیکھا(۲۲۱)

(عارف عبدالمتین)

سوچیں تو روحِ عصر کے ادراک کے بغیر
معراج کیسے آئے کسی کے گماں میں(۲۲۲)

(حنیف اسعدی)

یہ کس کی سمت پے بہ پے رواں دواں ہیں ساعتیں
یہ کس کے پائے بوس کا ہے اشتیاق دیکھنا(۲۲۳)

(جعفر بلوچ)

جہاں وہ چاہیں ٹھہر جائے گردشِ ایام
زمانہ دوسری کروٹ بدل نہیں سکتا(۲۲۴)

(بیکل اتساہی)

اذنِ معراج مل گیا ہے اُسے
وقت رک رک کے دیکھتا ہے اُسے (۲۲۵)
(طاہر شیرازی)

معراجِ سرکار
وقت نے رک کر دیکھی ہے
انساں کی رفتار (۲۲۶)

(صبیح رحمانی)

اگرچہ جدید نعت کا افق وسیع تر ہو رہا ہے لیکن حیات و سیرت محمدی کے جملہ پہلوؤں کو تاریخی و عصری آگہی کے ساتھ ساتھ آفاقی پیرایۂ اظہار بخشنے کے لیے قرآن و سیرت کا گہرا مطالعہ درکار ہے۔ صداقت پسندی کے اس دور میں صنفِ نعت بھی جذباتیت اور عمومی روایت کا لبادہ تبدیل کر رہی ہے۔ اذہانِ نو کی تشفی اور رغبت کے لیے اسلامی تاریخ کے ان حقائق کو استدلال اور تیقّن کے ساتھ جزوِ اظہار بناناوقت کی ضرورت ہے تاکہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی دائمی حیثیت تمام عالم پر منکشف ہو سکے۔ اُمیدِ غالب ہے کہ مستقبل میں اُردو نعت اس فریضے سے سبکدوش ہو گی۔

حوالہ جات

۱۔ گوہر ملسیانی، جمال محسنِ انسانیت - نعت کے آئینے میں، مشمولہ: اُردو نعت میں تجلیاتِ سیرت، مرتبہ: سیّد صبیح الدین رحمانی، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ۲۰۱۵ء، ص: ۱۹۰

۲۔ حافظ مظہر الدین، میزاب، راولپنڈی: ۱۹۹۶ء، ص: ۵۸

۳۔ حافظ مظہر الدین، تجلّیات، راولپنڈی: ۱۹۹۳ء، ص: ۵۶

۴۔ ایضاً، ص: ۹۶

۵۔ ایضاً، ص: ۳۷

۶۔ حفیظ تائب، کلیاتِ حفیظ تائب، حفیظ تائب فاؤنڈیشن، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۵۶

۷۔ ایضاً، ص: ۲۷۵

۸۔ ایضاً، ص: ۲۸۰

۹۔ ایضاً، ص: ۱۱۲

۱۰۔ مظفر وارثی، نعت رنگ، کراچی: شمارہ ۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء، ص: ۱۷۷

۱۱۔ مظفر وارثی، میرے اچھے رسولؐ، القمر انٹرپرائزز، لاہور: ۱۹۹۶ء، ص: ۴۹

۱۲۔ مظفر وارثی، اُمّی لقبی، علم و عرفاں پبلشرز، لاہور: ۲۰۰۰ء، ص: ۴۷

۱۳۔ اقبال عظیم، زبورِ حرم، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ۲۰۱۸ء، ص: ۱۳۳

۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۲۱

۱۵۔ عبد العزیز خالد، پاکستانی ادب ۱۹۹۲ء، حصہ شعر، اکادمی ادبیات، اسلام آباد: ۱۹۹۳ء، ص: ۳۰

۱۶۔ حنیف اسعدی، آپؐ، اقلیم نعت، کراچی: ۱۹۹۶ء، ص: ۹۸

۱۷۔ ایضاً، ص: ۹۹

۱۸۔ حنیف اسعدی، نعت رنگ، شمارہ: ۹، مارچ ۲۰۰۰ء، ص: ۲۳۶

۱۹۔ راجا رشید محمود، صلوٰۃ نعت، یو ایم ٹی پریس، لاہور: ۲۰۱۷ء، ص: ۵۹

۲۰۔ راجا رشید محمود، ورفعنا لک ذکرک، مکتبہ عالیہ، لاہور: ۱۹۹۳ء، ص: ۸۸

۲۱۔ راجا رشید محمود، ماہنامہ نعت، شمارہ ۱، جنوری ۲۰۰۶ء، ص: ۲۵

۲۲۔ ڈاکٹر ریاض مجید، کلیاتِ نعت، نعت اکادمی، فیصل آباد: ۲۰۱۹ء، ص: ۲۰۲

۲۳۔ ایضاً، ص: ۸۲۹

۲۴۔ سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی، کلیاتِ صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ۲۰۱۹ء، ص: ۲۰۲

۲۵ ۔ ایضاً، ص:۸۵
۲۶ ۔ حزیں صدیقی، حرفِ ابد، بزم ضیائے ادب، ملتان:۱۹۹۶ء، ص:۵۴
۲۷ ۔ حزیں صدیقی، نعت رنگ، شمارہ ۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء، ص:۳۸۷
۲۸ ۔ حنیف نازش قادری، نعت ہوئی، انٹر نیشنل نعت مر کز، لاہور:۲۰۱۹ء، ص:۲۴۹
۲۹ ۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، کلیات، ماوراپبلشرز، لاہور:۱۹۹۰ء، ص:۶۴
۳۰ ۔ حیات میر ٹھی، نعت رنگ، شمارہ:۱۹، ص:۴۸۵
۳۱ ۔ سیّد محمد جعفری، نعت کائنات، اصنافِ سخن نمبر، جنگ پبلشرز، لاہور:۱۹۹۳ء، ص:۱۵۷
۳۲ ۔ حافظ لدھیانوی، نعت کائنات، ص:۱۶۷
۳۳ ۔ شبنم رضوانی، نعت کائنات، ص:۱۹۸
۳۴ ۔ شاکر القادری نظامی، چراغ، فروغِ نعت اکادمی، اٹک، ۲۰۱۶ء، ص:۱۷
۳۵ ۔ محمد منصور آفاق، نعت کائنات، ص:۱۱۱
۳۶ ۔ سعادت حسین آس، دھنک رنگ (نعت نمبر)، شمارہ:۳، نایاب پبلشرز، اٹک:۲۰۱۹ء، ص:۱۲۶
۳۷ ۔ امداد ہمدانی، نعت کائنات، ص:۱۳۴
۳۸ ۔ بشیر احمد بشیر، نعت کائنات، ص:۱۴۳
۳۹ ۔ محمد سبطین شاہ جہانی، نعت کائنات، ص:۲۱۰
۴۰ ۔ اشفاق احمد غوری، صراطِ حسّان، دھنک نعت مطبوعات، لاہور: ص:۱۷
۴۱ ۔ تنویر نوازش، دھنک رنگ، ص:۶۱
۴۲ ۔ ماجد خلیل، نعت رنگ کراچی، شمارہ:۱۶، فروری ۲۰۰۴ء، ص:۳۳۴
۴۳ ۔ تاب اسلم، نعت رنگ کراچی، شمارہ ۱۷، ۲۰۰۴ء، ص:۸۱
۴۴ ۔ شیر افضل جعفری، نعت کائنات، ص:۱۲۷
۴۵ ۔ بیکل اتساہی، نعت رنگ کراچی: شمارہ ۱۰، ۲۰۰۰ء، ص:۲۱۵
۴۶ ۔ ابرار حسین باری، دھنک رنگ، ص:۱۱
۴۷ ۔ عاصی کرنالی، سیر و سفر، ملتان: (نعت نمبر)، ۳۰/ اگست ۱۹۶۳ء، ص:۲۷
۴۸ ۔ شیخ احسن الدین، دھنک رنگ، ص:۱۶
۴۹ ۔ توقیر تقی، دھنک رنگ، ص:۶۲
۵۰ ۔ ڈاکٹر عبد المنان طرزی، نعت رنگ، ۱۷، ص:۳۴۳
۵۱ ۔ ڈاکٹر راہی فدائی، ناعت و منعوت (کلیات)، الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد:۲۰۱۴ء، ص:۹۷
۵۲ ۔ قیوم نظر، قلب و نظر کے سلسلے (کلیات)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور:۱۹۸۷ء، ص:۶۱

۵۳۔ افتخار عارف، نعت رنگ، شمارہ:۱۶، فروری ۲۰۰۴ء، ص:۱۶۷

۵۴۔ غلام رسول ازہر، نعت رنگ، شمار:۲۳، اگست ۲۰۱۲ء، ص:۴۶

۵۵۔ اخلاق عاطف، سہ ماہی ادبیات، نعت نمبر، شمارہ:۱۰۱، ۲۰۱۴ء، ص:۱۴۴

۵۶۔ مقصود علی شاہ، مطافِ حرف، دھنک مطبوعات، لاہور:۲۰۱۹ء، ص:۱۹۹

۵۷۔ نذر صابری، فروغِ نعت، اٹک: شمارہ:۳، جنوری تامارچ ۲۰۱۴ء، ص:۶۰

۵۸۔ سیّد نور الحسن نور، گلاب اسم نبیؐ کی خوشبو، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۹ء، ص:۵۱

۵۹۔ سیّد نور الحسن نور، قلزمِ نور، یو۔پی، انڈیا:۲۰۱۸ء، ص:۹۷

۶۰۔ ایضاً، ص:۱۳۵

۶۱۔ خالد اقبال یاسر، پاکستانی ادب ۱۹۹۱ء، انتخاب: شعر، اکادمی ادبیات پاکستان:۱۹۹۲ء، ص:۱۲

۶۲۔ جلیل عالی، نور نہایارستہ، حرف اکادمی، راولپنڈی:۲۰۱۸ء، ص:۸۰

۶۳۔ افضال احمد انور، نعت رنگ، شمار:۱۸، دسمبر ۲۰۰۵ء، ص:۵۵۸

۶۴۔ عاصی کرنالی، حرفِ شیریں، اکادمی فروغ نعت گوجرانوالا، ۱۹۹۳ء، ص:۵۰

۶۵۔ محمد اجمل نیازی، نعت رنگ کراچی: شمارہ:۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء، ص:۱۷۸

۶۶۔ محسن احسان، نعت رنگ، شمارہ:۱۹، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۴۲

۶۷۔ سیّد ریاض حسین زیدی، جمالِ سیّدِ لولاک، الاشراق پبلی کیشنز، لاہور:۱۴۳۲ھ، ص:۴۰

۶۸۔ مقصود علی شاہ، مطاف حرف، ص:۲۲۲

۶۹۔ سلیم کوثر، نعت رنگ، شمارہ:۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء، ص:۱۸۴

۷۰۔ کاشف عرفان، نعت اور جدید تنقیدی رجحانات، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۶ء، ص:۱۸۶

۷۱۔ ڈاکٹر عبد السلام، نعتیہ ادب مسائل ومباحث، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۹ء، ص:۴۳۸

۷۲۔ نعیم تقوی، ماہنامہ نعت، لاہور: معراج النبیؐ نمبر، شمارہ:۳، جلد ۴، مارچ ۱۹۸۹ء، ص:۹۳

۷۳۔ شہزاد احمد، نعت رنگ، کراچی: شمارہ:۱۹، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۶۶

۷۴۔ قیصر نجفی، نعت رنگ، شمارہ:۱۶، ص:۲۵۶

۷۵۔ کلیم عثمانی، ماہِ حرا، طوبیٰ پبلشرز، لاہور:۲۰۰۱ء، ص:۶۸

۷۶۔ عارف اکبر آبادی، عرفانیاتِ عارف، کراچی:۲۰۰۷ء، ص:۱۸

۷۷۔ شہزاد انجم، پاکستانی ادب ۱۹۹۲ء، حصہ شعر، اکادمی ادبیات، اسلام آباد:۱۹۹۳ء، ص:۲۸

۷۸۔ مظفر وارثی، اُمّی لقبی، ص:۱۴۹

۷۹۔ اعجاز کنور راجا، سہ ماہی ادبیات، نعت نمبر، ص:۱۵۰

۸۰۔ عبد العزیز خالد، نعت رنگ، ۱۷، ص:۹۴

۸۱۔ قمر میرٹھی، نعت رنگ کراچی، شمارہ:۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء، ص:۴۷
۸۲۔ شبنم رومانی، عطرِ خیال، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۷ء، ص:۶۹
۸۳۔ اقبال عظیم، زبورِ حرم، ص:۱۷
۸۴۔ حزیں صدیقی، نعت رنگ، ۲۴، ص:۴۰۰
۸۵۔ عارف عبدالمتین، نعت رنگ، ۱۹، ص:۱۵۷
۸۶۔ محسن احسان، نعت کائنات، ص:۲۸۲
۸۷۔ محسن احسان، نعت رنگ، اگست ۲۰۱۲ء، ص:۵۲
۸۸۔ ابوالخیر کشفی، نعت رنگ:۱۲، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص:۳۳
۸۹۔ ایضاً، ص:۱۷
۹۰۔ ایضاً، ص:۱۲۷
۹۱۔ جلیل عالی، نعت رنگ، شمارہ:۱۷، ص:۹۵
۹۲۔ ریاض حسین چودھری، جدید اُردو نعت کی صورت پذیری کا موسم، نعت رنگ، شمارہ:۱۷، ص:۱۰۵
۹۳۔ عبدالحمید ارشد، نعت رنگ، شمارہ:۱۹، ص:۴۸۲
۹۴۔ پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار، دھنک رنگ (نعت نمبر)، ص:۳۴
۹۵۔ جنید نسیم سیٹھی، فروغِ نعت، اٹک: شمارہ:۱، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص:۳۵
۹۶۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرّ، نعت کچھ روایتی اور غیر روایتی معروضات، مشمولہ: اردو نعت کی شعری روایت، مرتبہ: سعید سبیح الدین رحمانی، اکادمی بازیافت، کراچی:۲۰۱۶ء، ص:۴۰۷
۹۷۔ قیوم نظر، قلب و نظر کے سلسلے، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور:۱۹۸۷ء، ص:۳۵
۹۸۔ سیّد ریاض حسین زیدی، ذکرِ شہِ والا، الاشراق پبلی کیشنز، لاہور:۱۴۳۲ھ، ص:۱۵
۹۹۔ اختر بستوی، نعت رنگ ۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء، ص:
۱۰۰۔ محمود احمد طارق، فروغِ نعت، اٹک: شمارہ:۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۵ء، ص:۱۶
۱۰۱۔ محمد اقبال نجمی، نعت رنگ، ۱۷، ۲۰۰۴ء، ص:
۱۰۲۔ قمر انجم، حسنت جمیع خصالہ، پاکستان نعت کونسل، کراچی:۱۹۸۵، ص:۹۸
۱۰۳۔ حشمت یوسفی، نعت کائنات، ص:۲۴۷
۱۰۴۔ سیّد نورالحسن نور، نعتوں کے دیے۔ ص:۱۰۲
۱۰۵۔ حکیم سرد سہارنپوری، نعت کائنات، ص:۲۱۳
۱۰۶۔ کوثر نیازی، نعت کائنات، ص:۲۷۷

۱۰۷۔ اصغر علی کوثر، نعت کائنات، ص:۲۷۷
۱۰۸۔ ماجد صدیقی، نعت کائنات، ص:۲۸۰
۱۰۹۔ حافظ مظہر الدین، تجلیات، حریمِ ادب، راولپنڈی:۱۹۹۳ء، ص:۱۵۳
۱۱۰۔ ڈاکٹر عزیز احسن، کلیات عزیز احسن، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۰۵ء، ص:۵۷۵
۱۱۱۔ شوذب کاظمی، نئی صدی نئی نعت، مرتبہ:خورشید ربّانی، ۲۰۱۳ء، ص:۲۲۶
۱۱۲۔ محمد مختار علی، نئی صدی نئی نعت، ص:۳۰۵
۱۱۳۔ یاسمین حمید، نئی صدی نئی نعت، ص:۳۳۷
۱۱۴۔ حنیف اسعدی، آپؐ، ص:۸۶
۱۱۵۔ آفتاب کریمی، قوسین، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ۲۰۰۵ء، ص:۱۱۶
۱۱۶۔ حفیظ تائب، کلیاتِ حفیظ تائب، ص:۳۳۳
۱۱۷۔ افضل خاکسار، نویدِ بخشش، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۰۷ء، ص:
۱۱۸۔ حکیم سروسہارنپوری، نعت رنگ، شمارہ:۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء، ص:۳۰۲
۱۱۹۔ ڈاکٹر تاثیر، پاکستانی ادب ۱۹۹۲ء، حصہ شعر، اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۳ء، ص:۲۲
۱۲۰۔ راجا رشید محمود، مدیحِ سرکار، مکتبہ ایوانِ نعت، ۱۴۱۸ھ، ص:۱۷
۱۲۱۔ مولانا شہزاد مجدّدی، نغماتِ ثنا، کراچی:۱۹۸۴ء، ص:۴۲
۱۲۲۔ مسعود چشتی، بارشِ انوار، راغب مراد آبادی اکیڈمی، ۲۰۰۰ء، ص:۱۶۵
۱۲۳۔ حزیں صدیقی، حرفِ ابد، بزمِ ضیائے ادب، ملتان:۱۹۹۶ء، ص:۴۵
۱۲۴۔ غلام ربّانی فروغ، دھنک رنگ، نعت نمبر، ص:۲۱۸
۱۲۵۔ شاکر القادری، چراغ، ص:۸۵
۱۲۶۔ ایضاً، ص:۱۱۶
۱۲۷۔ درد اسعدی، نعت کائنات، ص:۱۸۹
۱۲۸۔ عاصی کرنالی، نعت رنگ، شمارہ:۱۳، دسمبر ۲۰۰۲ء، ص:۲۲۷
۱۲۹۔ حنیف اسعدی، آپؐ، ص:۱۰۶
۱۳۰۔ حافظ مظہر الدین، تجلیات، ص:۱۳۴
۱۳۱۔ وسیم بریلوی، نعت رنگ، شمارہ ۱۹، ۲۰۰۶ء، ص:۹۹
۱۳۲۔ آغا صادق، نعت رنگ، شمارہ:۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء، ص:۳۷
۱۳۳۔ حفیظ تائب، نعت رنگ، شمارہ:۹، س ن، ص:۱۳۴
۱۳۴۔ حزیں صدیقی، حرفِ ابد، بزمِ ضیائے ادب، ملتان:۱۹۹۶ء، ص:۸

۱۳۵۔ ایضاً، ص:۴۲

۱۳۶۔ ایضاً، ص:۵۸

۱۳۷۔ مظفر وارثی، میرے اچھے رسول، ص:

۱۳۸۔ مظفر وارثی، اُمی لقبی، ص:۱۰۸

۱۳۹۔ ایضاً، ص:۱۳۹

۱۴۰۔ حزیں صدیقی، نعت رنگ:۲۴، ص:۴۰۱

۱۴۱۔ حزیں صدیقی، حرفِ ابد، ص:۳۷

۱۴۲۔ جلیل عالی، نور نہایا رستہ، ص:۴۷

۱۴۳۔ مظفر وارثی، بابِ حرم، ص:۵۷

۱۴۴۔ ناصر ملک، دھنک رنگ، نعت نمبر، ص:۲۸۴

۱۴۵۔ سرو سہارنپوری، نعت رنگ، شمارہ:۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، ص:۸۲۷

۱۴۶۔ مظفر وارثی، نورِ ازل، القمر انٹر پرائزز، لاہور:۱۹۹۲ء، ص:۳۱

۱۴۷۔ ماجد خلیل، نعت رنگ، شمارہ:۱۶، فروری ۲۰۰۴ء، ص:۳۳۳

۱۴۸۔ حزیں صدیقی، حرفِ ابد، ص:۶۲

۱۴۹۔ ایضاً، ص:۶۰

۱۵۰۔ حسن عسکری کاظمی، شہر نبوت، ص:

۱۵۱۔ سیّد نور الحسن نور، قلزمِ نور، یو۔پی انڈیا:۲۰۱۸ء، ص:۸۵

۱۵۲۔ ڈاکٹر عزیز احسن، نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۵ء، ص:۸۷

۱۵۳۔ ماجد خلیل، نعت رنگ ۱۶، ص:۳۳۳

۱۵۴۔ آفتاب کریمی، قوسین، ص:۱۵۵

۱۵۵۔ ایضاً، ص:۱۵۶

۱۵۶۔ حکیم محمد نبی جمال سویرآ، نعت کائنات، ص:۲۶۷

۱۵۷۔ ڈاکٹر طاہر القادری، فلسفہ معراج النبیؐ، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور:۲۰۱۹ء، ص:۱۱۲

۱۵۸۔ حلیم حازق، اصولِ نعت گوئی مغربی بنگال، ۲۰۰۵ء، ص:۱۷

۱۵۹۔ ابرار کرتپوری، نعت رنگ، شمارہ:۱۲، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص:۳۲۳

۱۶۰۔ مظفر وارثی، نور ازل، ص:۲۶

۱۶۱۔ حسن عسکری کاظمی، شہر نبوت، ص:۱۰۳

۱۶۲۔ ایضاً، ص:۳۳

۱۶۳۔ اسد ملتانی، نعت رنگ، شمارہ:۱۷، ۲۰۰۴ء، ص:۲۵۱
۱۶۴۔ ابرار کرتپوری، نعت کائنات، ص:۱۱۱
۱۶۵۔ انور شعور، نعت رنگ، شمارہ ۲۵، اگست ۲۰۰۱ء، ص:۵۵۳
۱۶۶۔ حفیظ تائب، نقوش، شمارہ:۱۳۴، دسمبر ۱۹۸۶ء، ادارہ فروغ اُردو، لاہور:ص:۶۲۹
۱۶۷۔ نجیب احمد، سہ ماہی ادبیات، نعت نمبر، ص:۲۳۰
۱۶۸۔ سیّد نورالحسن نور، سورج نکلاہے، ص:۶۷
۱۶۹۔ سیّد ریاض حسین زیدی، جمالِ سیّدِ لولاک، ادب سرائے، ساہیوال، ۲۰۰۰ء، ص:۴۰
۱۷۰۔ اعجاز رحمانی، نعت رنگ، شمارہ:۱، اقلیم نعت، کراچی: اپریل ۱۹۹۵ء، ص:۲۵۴
۱۷۱۔ احمد صغیر صدیقی، نعت رنگ:۱۶، فروری ۲۰۰۴ء، ص:۲۵۰
۱۷۲۔ سحر انصاری، نعت رنگ، ۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء، ص:۵۳۵
۱۷۳۔ ریاض حسین چودھری، نعت رنگ:۲۴، ص:۵۳۶
۱۷۴۔ آفتاب کریمی، قوسین، ص:۸۱
۱۷۵۔ ایضاً، ص:۸۹
۱۷۶۔ حسن عسکری کاظمی، شہر نبوت، ص:۲۳
۱۷۷۔ نازش پرتاب گڑھی، نعت کائنات، ص:۱۴۷
۱۷۸۔ شوکت قادری، نعت رنگ:۱۹، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۵۲۸
۱۷۹۔ عاصی کرنالی، حرفِ شیریں، ایجوکیشنل پریس، کراچی: ۱۹۹۳ء، ص:۴۱
۱۸۰۔ مظفر وارثی، بابِ حرم، القمر انٹرپرائزز، لاہور: س ن، ص:۸۷
۱۸۱۔ حزیں صدیقی، نعت رنگ:۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء، ص:۳۸۸
۱۸۲۔ امین راحت چغتائی، نعت رنگ:۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء، ص:۳۸۵
۱۸۳۔ سیّد عارف، نعت رنگ:۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، ص:۱۴۵
۱۸۴۔ افضال احمد انور، نعت رنگ، ۱۵، مئی ۲۰۰۳ء، ص:۳۸۶
۱۸۵۔ حزیں صدیقی، نعت رنگ:۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء، ص:۳۸۰
۱۸۶۔ اقبال عظیم، زبورِ حرم، ص:۱۳۸
۱۸۷۔ حزیں صدیقی، حرفِ ابد، ص:۲۲
۱۸۸۔ مظفر وارثی، میرے اچھے رسول، ص:۳۲
۱۸۹۔ خالد محمود خالد، نعت کائنات، ص:۲۹۷
۱۹۰۔ ایضاً

۱۹۱۔ ایضاً
۱۹۲۔ ایضاً
۱۹۳۔ سیّد اقبال عظیم، نعت کائنات، ص:۲۱۷
۱۹۴۔ سرشار صدیقی، بیثاق، حرا فاؤنڈیشن، کراچی: ۲۰۰۲ء، ص:۱۰۹
۱۹۵۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، کلیات، ماورا پبلشرز، لاہور: ۱۹۹۰ء، ص:۶۰
۱۹۶۔ حنیف نازش قادری، نعت ہوئی، انٹرنیشنل نعت مرکز، لاہور: ص:۱۸۵
۱۹۷۔ ریاض مجید، کلیاتِ نعت، ص:۵۱۳
۱۹۸۔ مظفر وارثی، نورِ ازل، ص:۵۳
۱۹۹۔ تبسم قادری، درود پڑھتے ہوئے، چشتی کمپوزر، فیصل آباد: ۲۰۰۹ء، ص:۱۳۲
۲۰۰۔ سیّد نورالحسن نور، قلزمِ نور، ص:۱۳۹
۲۰۱۔ نورالحسن نور، ثنا کی نکہتیں، فتحپور-انڈیا: ۲۰۱۹ء، ص:۱۶۴
۲۰۲۔ راغب مراد آبادی، مدحت خیر البشر، ایجوکیشنل پریس، کراچی: ۱۹۷۹ء، ص:۸۲
۲۰۳۔ ایضاً، ص:۱۵۰
۲۰۴۔ حافظ نور احمد قادری، متاعِ نور، بیلا پبلی کیشنز، اسلام آباد: ص:۳۳۳
۲۰۵۔ مظفر وارثی، اُمّی لقبی، ص:۱۸۸
۲۰۶۔ کلیم عثمانی، ماہِ حرا، ص:۵۹
۲۰۷۔ ابو مخدوم زادہ، قرآن کریم کے سائنسی انکشافات، مشتاق بُک کارنر، لاہور: ص:۵۳۰
۲۰۸۔ راکب راجا، دھنک رنگ، نعت نمبر، ص:۱۰۰
۲۰۹۔ اسرار احمد سرو سہارنپوری، نعت رنگ: ۱۲، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص:۳۶۵
۲۱۰۔ انور جمال، نعت رنگ: ۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، ص:۳۵
۲۱۱۔ حزیں صدیقی، حرفِ ابد، ص:۶۷
۲۱۲۔ ندیم نیازی، نعت رنگ: ۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء، ص:۲۱۰
۲۱۳۔ رشید میواتی، نعت رنگ: ۱۹، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۴۷۵
۲۱۴۔ شاہد نقوی، صراط و سلسبیل، ادارہ تقدیسِ قلم، کراچی: ۱۹۹۲ء، ص:۵۳
۲۱۵۔ حزیں صدیقی، حرفِ ابد، ص:۲۶
۲۱۶۔ ایضاً، ص:۳۲
۲۱۷۔ ایضاً، ص:۶۵
۲۱۸۔ سیّد غائر عالم، دھنک رنگ، نعت نمبر، ص:۱۵۸

۲۱۹۔ مظفر وارثی، نورِازل، ص:۳۱
۲۲۰۔ افضل خاکسار، نویدِ بخشش، ص:۸۲
۲۲۱۔ عارف عبدالمتین، نعت رنگ:۲۵، ۲۰۱۵ء، ص:۱۴۶
۲۲۲۔ حنیف اسعدی، آپؐ، ص:۵۳
۲۲۳۔ جعفر بلوچ، نعت رنگ:۲۵، ۲۰۱۵ء، ص:۳۶
۲۲۴۔ بیکل اتساہی، نعت رنگ:۱۰، ۲۰۰۰ء، ص:۲۱۴
۲۲۵۔ طاہر شیرازی، سہ ماہی ادبیات، نعت نمبر، ص:۲۰۲
۲۲۶۔ صبیح رحمانی، کلیات صبیح رحمانی، ص:۲۷۲

باب پنجم

معراجیہ شاعری کا مجموعی جائزہ (نتائج و امکانات)

فصل اوّل: اُردو شاعری میں تاریخی و سائنسی شعور (بحوالہ معراج)

فصل دوم: اُردو شاعری میں مابعد الطبیعیاتی عناصر (بحوالہ معراج)

فصل اوّل:

اُردو شاعری میں تاریخی و سائنسی شعور (بحوالہ معراج)

تاریخی شعور سے مراد ماضی کے واقعات و عوامل اور تہذیب کا ادراک و اظہار ہے۔ اگر تہذیبی عمل پختگی حاصل کر چکا ہو تو وہ آنے والے عہد میں ایک مضبوط ارتقائی روایت کا جزو بنتا ہے۔ تخلیق کار کا تاریخی شعور عظیم ادب کی تخلیق میں معاون ہوتا ہے۔ یوں اس کی تخلیق ایک پوری تہذیب کی نمائندہ قرار پاتی ہے۔ اُردو شعر و ادب کی تاریخ کا سراغ لگایا جائے تو اس کے سِرے ہند اور ایران سے ہو کر عرب جا پہنچتے ہیں۔ گویا ایک مکمل اسلامی تہذیب کی بازگشت اُردو ادب کے عظیم نمونوں میں لازماً سنائی دے گی۔ ایک مشترک تہذیب سے وابستہ تخلیق کار خواہ کسی بھی عہد یا علاقے میں شعور کی آنکھ کھولیں ان کی تحریروں میں اس تہذیبی ورثے کی بازیافت کا عمل زیریں یا ظاہری سطح پر کارفرما نظر آئے گا۔ نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا یہ تاریخی شعور ہر عہد کی علمی دریافتوں اور فکری جہات سے مملو ہو کر ایک منفرد پیرایۂ اظہار میں ڈھلتا جاتا ہے۔

انسان کا وجود نہ صرف کائناتی مظاہر کو اعتبار بخشتا ہے بلکہ علوم دنیوی و سماوی کا موضوع و مرکز بھی انسان ہے۔ شعر و ادب کا تانا بانا بھی انسان کی بساطِ ہستی پر ہی بُنا جاتا ہے۔ ہر عہد میں نوکِ قلم سے ہستیِ انسان کی تعبیر و تفسیر جاری رہی ہے لیکن ہر عہد کا ادب اپنے اندر کچھ سوالات سمو لیتا ہے جو انسان سے متعلق ہیں اور انسان ہی ان کے جواب کی تلاش میں مستغرق ہے۔ انسان اپنی تلاش کے اس سفر میں علم و فلسفہ کے علاوہ الہامی کتب، مذاہب روایات اور اساطیر سے بھی تشفی چاہتا ہے۔

مختلف مورخین کے نزدیک تاریخ ایک مسلسل جاری و ساری عمل ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کو ایک ہی لڑی میں پرو دیتا ہے۔ تاریخ کا عمل مذہب، معاشرے اور انسانی تہذیب کی بنیاد ہے اور انسانی شعور سیاسی ارتقا کا زینہ ہے۔ تاریخی عمل قوانینِ فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ تاریخ سے انسان کے اعمال اس کی ترقی اور فطرت کے اصولوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ تاریخ انسان کی طاقت، عمل اور رجحانات کا فطری عمل ہے لہٰذا تاریخ جگہ، وقت اور ماحول کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ ماضی کے واقعات قوموں کی تہذیب و تمدّن کے عروج و زوال کی کہانی، تاریخ کا حصہ ہوتی ہے۔ تاریخ ایک نامیاتی عمل کی طرح پیہم رواں دواں ہے۔ یہ ماضی، حال اور مستقبل کی

ایک وحدت کا نام ہے۔(۱)

"تاریخ ایک طرح کا ضخیم گراموفون ہے جس میں قوموں کی صدائیں محفوظ ہیں۔"(۲)

شاعری افکار کی کثرت اور امتزاج سے عبارت ہوتی ہے۔ مابعد الطبیعیاتی اور متصوّفانہ خیالات کے ساتھ ساتھ ٹھوس زمینی حقائق، وقت اور کائنات کا شعور اور ثقافتی و سائنسی مظاہر یہ سب پر چھائیاں جدید شعری فکر پر منڈلا رہی ہیں۔ شاعر کے لفظوں کے دروبست میں تحت الشعور، لاشعور اور اجتماعی شعور کارفرما ہوتا ہے۔ جس کی دریافت کے لیے شاعر کے فکر و عقائد کے سرچشموں کو دیکھنا پڑتا ہے۔ معراج کا عظیم واقعہ ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ ہے۔ جو بسا اوقات شاعر کے لفظوں میں تہ در تہ اسرار و رموز سمو دیتا ہے جن کی تعبیر و تشریح صاحبانِ بصیرت اور محققین پر عرفانیات کے نئے در کھولتی ہے۔

ادب کے دیگر خصائص کی طرح تاریخی شعور بھی ہر عہد یا شاعر کے ہاں ایک انداز سے نہیں جھلکتا یوں بھی ہوتا ہے کہ سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی غیر مصدّقہ روایات ایک مدت تک شعری تخلیقات میں جگہ بنائے رکھتی ہیں۔ مگر ایک پختہ تاریخی شعور کا حامل شاعر اس کا سدِّباب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ معراج کے حوالے سے شاعری میں اوّلین اہمیت معراج ناموں کی ہے۔ ان معراج ناموں پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوتا ہے کہ روایات کے بیان میں شعرا کا یہ اِدّعا کہ وہ تحقیق کے بعد روایات کو نقل کر رہے ہیں۔ ان کے تاریخی شعور ہی کا گواہ ہے۔

محمد بن مجتبیٰ مہدوی اپنے معراج نامہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

بزرگوں نے لکھے ہیں جو رسالے ۔۔۔ دقائق اور حقایق اِن میں ڈالے
سو عاجز نے نپٹ آسان بولا ۔۔۔ بچارے کن جو گٹھڑی تھی سو کھولا(۳)

شاہ کمال الدین اپنے معراج نامے میں لکھتے ہیں:

نامۂ معراج در ہندی زباں ۔۔۔ جو بلاقی نے کیا تصنیف آں
تھے روایت اس میں شاید مختلط ۔۔۔ ہم صحیح و ہم ضعیف و ہم غلط
لاجرم در طبعِ موزونِ بلند ۔۔۔ نامۂ مذکور نہیں آیا پسند(۴)

مولانا باقر آگاہ نے بھی سیرت النبی ﷺ کے بیان میں معجزات اور معراج کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنے کا دعویٰ کیا ہے:

جیسا فتاحی لکھا ہے معجزات ۔۔۔ اکثر اس میں ہے غلط اور جھوٹ بات
اور یوں نور و شمائل کا بیان ۔۔۔ اور یوں معراج نامہ اے میاں

اکثر ان نسخوں کا ہے مضمون غلط اور وفاتِ شاہ کا ذکر اس نمط[۵]

یہ الگ بحث ہے کہ شعرا مکمل اور مستند معلومات کے حصول میں کہاں تک کامیاب ہوئے لیکن درست تاریخی حقائق کی تلاش کی کوشش ہر عہد کے شعرا کے ہاں جھلکتی ہے۔ میر ضمیرؔ معراج نامے کے آغاز میں لکھتے ہیں:

اگرچہ مجھے یاد تھا حرف حرف کہ اوقات کی ان کتابوں میں صرف
مگر احتیاطاً کئی اور بھی کتابیں منگائی فریقین کی
مطالب لیے ان سے کر انتخاب کہ خذ ما صفا اور دع ما کدر[۶]

ابوالحسن واحد رضوی مثنوی ''معراج نامہ'' کی ابتدا میں انہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

بہت لکھے گئے معراج نامے مطوّل مختصر بحرے بجامے
بصد انداز و با رنگین خیالات شدہ آراستہ با استعارات
مزیّن با صنائع و بدائع بجا ہے گر کہیں ان کو روائع
حقیقت سے مگر ہیں بعض عاری فقط لفاظی و نغمہ نگاری
روایاتِ صحیحہ سے تہی ہیں حکایاتِ منیعہ سے تہی ہیں
کہیں تعلیل و ندرت کا سہارا کہیں تزئین و جدّت کا سہارا
بجا ہے شعر میں صنعت گری بھی مگر ہے احتیاط اس میں ضروری[۷]

تہذیب کا ایک اہم عنصر مذہب ہے یہ عنصر کسی بھی قوم کے اجتماعی لاشعور میں ایک غالب عامل کے طور پر محفوظ ہوتا ہے۔ تاریخ کا حصہ بننے والے بیشتر واقعات اس عنصر سے کلّی طور پر آزاد نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا اپنی قومی و ملی تاریخ کو سمجھنے والے ذہن، مذہب کو ایک شناختی حوالے کے طور پر ذہن میں رکھتا ہے۔ یہی ذہن جب آمادۂ تخلیق ہو تو دیگر تشخصات کی طرح ان تاریخی صداقتوں کا اظہار بھی کرتا ہے جن سے وہ منسلک ہوتا ہے۔ سیّد محمد اشرفی جیلانی کے معراج نامہ کی تشبیب دوم میں معراج سے قبل عربوں کی اسلام دشمنی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ مختصر الفاظ میں یہ تاریخی حقائق بخوبی سامنے آتے ہیں:

عروجِ دینِ برحق جتنا ہوتا عناد ان کا اسی حد تک بڑھا ہے
پروپیگنڈا میں کوئی ہے مشغول کوئی اسکیم سازی میں لگا ہے
تشدّد پر اتر آیا ہے کوئی کوئی کیادیوں میں مبتلا ہے
مگر اسلام کا ہے بول بالا اسے معراج ہی صبح و مسا ہے

جماعت پر جماعت لائی اسلام
زمانہ کلمہ پڑھتا جا رہا ہے
منات و لات پر اب مار کر لات
خدا کا سربسر کوئی بنا ہے
نہ روکے سے رکا ہے سیلِ اسلام
تو فتنہ گر ہر اک گھبرا رہا ہے
رجب کی آ گئی چھبیسویں آج
گلی میں مکّہ کے اک جمگھٹا ہے
خدا کا نام مٹ جائے جہاں سے
یہی ہر ایک کا اک مدّعا ہے
کسی نے رائے بائیکاٹ کی دی
تو کوئی اس سے بڑھ کر کہہ رہا ہے(۸)

اسلامی تہذیب کی بنیاد وحدانیت پر ہے۔اس عقیدے نے اسے بلند آہنگ فکر عطا کی ہے۔ اسلامی تہذیب کے تمام اہداف آفاقی ہیں اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تشکیل کرتے ہیں۔ اسلامی تہذیب میں جو کشادگی اور رواداری پائی جاتی ہے۔ اس کا اثر ہے کہ اسلامی تاریخ سے جڑے واقعات و تلازمات کا دائرۂ اثر بھی وسیع ہے۔ ہر عہد میں بدلتے رجحانات اور ترقی پاتے ہوئے افکار و نظریات ماضی سے زیادہ باشعور اور پختہ رویوں کو پیدا کرتے ہیں۔ قدیم شاعری میں جس طرح روایاتِ معراج کا ذکر محض ملتا ہے۔ جدید ادب میں اس کے بجائے تاریخی سرچشموں سے اکتساب فکر کی ایک مختلف رَو دکھائی دیتی ہے۔ شعرا نے واقعۂ معراج کے تاریخی انسلاکات سے فکر و نظر کے نئے چراغ جلائے ہیں۔ شاعری میں علامتی پیرائے سے جو وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ شاعر علامت کے استعمال کو ابہام کے بجائے ایسی تہ داری عطا کرے کہ علامت ایک تہذیبی عنصر کے طور پر سامنے آئے۔ یہ بھی لازم ہے کہ شاعر تاریخی تناظرات سے واقف ہو۔ تاریخی صداقتوں کو درست صورت میں پیش کرے۔ شعریت کی خاطر حقائق کو مسخ نہ کرے۔

یہ مذہبی تاریخی شعور ایک تلمیحی و استعاراتی نظام کا باعث بھی بنتا ہے شعرا کے ہاں یہ تلمیحی اشارے تاریخی شعور کے نمائندہ ہو کر ہی جزوِ تخلیق بنتے ہیں۔ غزل سے ایسی تاریخی تلمیحات کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مرے حق میں عنایت نامۂ یار
مثالِ شہپرِ روح الامیں ہے(۹)
(ولیؔ)

باوجودیکہ پرو بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا(۱۰)
(دردؔ)

واں طائرِ خیال اُڑے تھا مرا جہاں
پرواز عاجزی میں پرِ جبرئیل تھا(۱۱)
(ذوقؔ)

چلا جو اڑ کے مرے طائرِ خیال کے ساتھ
تو ٹوٹ کر وہیں بس بال و پر ملک کے گرے(۱۲)
(ظفرؔ)

اس کی امت میں ہوں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبدِ بے در کھُلا(۱۳)
(غالبؔ)

زمیں سے قدم عرش پر لے گیا
فرشتوں سے بازی بشر لے گیا(۱۴)
(داغؔ)

تجھے ملتا نہیں گھر ان کا قاصد
گئے کیونکر پیغمبر لا مکاں تک(۱۵)
(امیرؔ)

جہاں ہے پست ملائک کی ہمتِ عالی
وہاں پہ لیتی ہے دم میری بے پروبالی(۱۶)
(عزیزؔ)

آ تجھ کو دِکھا دوں کہ ستاروں سے بھی آگے
انسان کے نقشِ کفِ پا ہیں کہ نہیں ہیں(۱۷)
(حفیظؔ)

آدم کی سُلگتی ہوئی تاریخ رقم ہے
جبریل کے شہپر سے مرے دامنِ تر تک(۱۸)
(ندیمؔ)

بیتِ حرم سے بیتِ مقدس کی ہو اُڑان
فاتح اتر رہے ہوں سفر ہو براق سے[۱۹]
(صفوؔت)

شاعر اپنی اجتماعی تاریخ کے ساتھ سفر کرتا ہے تاریخی شعور زمانوں کے درمیان رشتہ قائم کرتا ہے۔ اس تاریخی شعور کی وضاحت شاعری میں مستعمل تلمیحی اشاروں سے ہوتی ہے اور احساس ہوتا ہے کہ تخلیق کار اپنے مطالعے اور تخلیقی ریاضت کے ذریعے عہدِ گزشتہ سے جڑا ہوتا ہے۔ واقعۂ معراج کی وقعت اور تاثر تمام زمانوں کو محیط ہے لیکن اس کا وقوع پذیر ہونا تاریخ کے ایک خاص عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ تخلیق کار اس کے اثر کو نہ صرف اپنی ذات اور سماج کے حوالے سے ارضی سطح پر محسوس کرتا ہے بلکہ تاریخ کے ہر گوشے پر ثبت شدہ نشانات کو دیکھ کر آئندہ زمانے میں اس کے عواقب کو سوچتا ہے یوں اس کے فن پارے کو آفاقی رنگ نصیب ہوتا ہے۔

تاریخ کی طرح سائنس اور ادب کے مباحث بھی بہت قدیم ہیں لیکن جدید دور میں شعرا کی جدید علوم اور خاص طور پر سائنس میں دلچسپی ان کی تخلیقات سے عیاں ہے۔ عصرِ حاضر، دانش کا عہد ہے، سائنس تیزی سے تغیر پذیر ہے۔ سائنسی نظریات سے متعلق فلسفیانہ موشگافیاں اور جدید تناظرات کا ادراک شاعر کی خواہش ہے اور اس کے تخلیقی عمل کا ایک اہم عنصر ہے۔ نت نئے سائنسی انکشافات، پختہ شعور تخلیق کار کے قلم سے ایک ادبی اظہار پاتے ہیں اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زندگی کا ہر پہلو ادب میں اظہار چاہتا ہے اور یہ اظہار ناگزیر ہے۔ تمام خارجی حقائق ادبی اظہاریے کا جزوِ بند نہ ہوں تو جامع ادب کا وجود میں آنا ممکن ہی نہیں۔ جدید شعری فکر مذہب، فلسفہ اور سائنس کے عناصر کی بہترین ہم آہنگی کی خواہاں ہے۔

ادب میں تاریخی و سائنسی شعور ایک لازمہ نہیں اور نہ ہی یہ ادب کے لیے معیار اور پیمانہ ہے۔ ادبی تخلیق کا عمل اس دباؤ سے آزاد ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ انسان کی معاشرتی زندگی کے جملہ افکار و نظریات غیر ارادی طور پر ہی تخلیقی شعور کا حصہ بن جاتے ہیں۔ فن پارہ ہوا میں تخلیق نہیں ہوتا۔ زمینی، تہذیبی، جغرافیائی موجودات اور تغیرات اس کے خمیر میں شامل ہوتے ہیں۔ سائنس نے واقعہ معراج ہی سے روشنی پاتے ہوئے جن مشاہدات اور معروضات کو مطمعِ نظر بنایا، ادب نے بھی اسے خیال و تصور کی بنیاد بنایا۔ سائنس سے واقفیت کا احساس تخلیقی اذہان پر بھی نظر آتا ہے اور یہ اثر تمام سائنسی علوم کے حوالے سے ہے قدیم معراج ناموں میں علمِ فلکیات کا اظہار بارہا نظر آتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

اوّل چاند خدمت کو حاضر ہوا — اوسی تے دو عالم پہ ناظر ہوا
گگن دوسرے پر چڑھیا شہ گھنیر — عطارد ہوا خاص شہ کا دبیر
چڑیا شاہ تیسرے سماوات پر — سو زہرہ کھڑا آوٗ سر باند کر(۲۰)

(معظمؔ)

گیا پیش جب چرخ اوّل دھم
سٹیا سوترنگ چاند کے تن پر سم

گئے جیوں دوجے آسماں کے اوپر
کئے سو عطارد طرف یک نظر

سیوم چرخ پرواں تے کیتا گون
نظارہ کیا سوچ زہرہ رخن

کیا چرخ چارم پہ جب واں سوں دھانو
سٹیا سو ہمائے سعادت کی چھانو

کیا جب فلک ساتویں پہ ہلک
دیکھیاواں جو مریخ کی دھیرٹک

گئے جوں چھٹے آسماں کے فراز
ہوا مشتری واں جو آ پیش واز

کیا وان تے جیوں چرخ ہفتم پہ چال
زحل نحس اکبر کو پا جگ کا کال(۲۱)

(نصرتیؔ)

قمر نے تب کہا اے شاہِ شاہاں — مرے سے برطرف ہو نقص نقصاں
کہے حضرت تو ہے بر چرخِ دنیا — کہ یہاں لازم ہے گھٹنا اور بڑھنا(۲۲)

(شفیقؔ)

یہ رجحان صرف ابتدائی معراج ناموں تک ہی محدود نہیں محسن کاکوروی کے قصیدۂ معراجیہ، ''مثنوی چراغ کعبہ'' میں گریز کے ان اشعار میں سیار گان کا ذکر دیکھئے:

چلے میں پیر قوس روپوش	عقرب کے پیش میں بھرا نوش
گردوں کو اسد کیے ہوئے زیر	چھوٹا ہوا نیل گاؤ پر شیر
رفعت کا ہوا ہے سکہ جاری	میزاں کے ہیں دونوں پلڑے بھاری
نو شاہ بنا ہوا ہے جوزا	ہے زیبِ کمر زری کا پٹکا
مریخ شہِ بلند اختر	گردوں کا لڑا ہوا مقدّر
کیوان کو دمِ سکندری ہے	چمکی زہرہ کی مشتری ہے[۲۳]

نظم طباطبائی کے قصیدۂ معراجیہ سے بھی اجرامِ فلکی کی معلومات ملاحظہ ہوں:

چرخ مقرنس سے بڑھے بام مکوکب پر چڑھے
نقشِ قدم پر آپؐ کے آنکھیں ستاروں نے ملیں
شعری کتھا کلبِ آستاں اور نسر مرغ پر فشاں
دلو فلک اک آبپاش اور سنبلہ اک خوشہ چیں
طیوق تھا اک دید باں بہرِ حصارِ آسماں
کف الخضیب اک مشعلہ دارِ رہِ سلطانِ دیں[۲۴]

جدید علوم اور سائنس کے ساتھ مذہبی شناخت کے آمیز ہونے سے ایسا ادبی اظہار تشکیل پاتا ہے جس سے بظاہر متنوع موضوعات سامنے آتے ہیں جو بباطن ان تمام حوالوں سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ سائنس کا موضوع فطرت کی تفہیم اور تسخیر ہے۔ یہ دونوں پہلو جس طرح معراج سے مربوط ہیں۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ ادب میں سائنس کے مذکورہ بنیادی موضوعات کا اظہار جب معراج کے توسط سے ہوتا ہے تو ادبی تخلیق کو زمان و مکاں سے ماورا اثر پذیری عطا کرتا ہے۔ تہذیب کی منازل کو طے کرنے کے متعدد جغرافیائی، اقتصادی، نفسیاتی عوامل ہوتے ہیں۔ جن میں مذہب، زبان اور اصول تعلیم و تربیت بھی شامل ہیں۔ انسان معاشرے میں رہتے ہوئے ماحول کو اپنی بنیادی ضروریات کے مطابق ڈھالتا ہے اور سائنس کی مدد کے بغیر ایسا ممکن نہیں لہٰذا سائنسی عناصر شاعری میں قدیم دور سے ہی شامل ہوتے رہے ہیں۔ میر و غالب کے اشعار میں اور قدیم داستانوں میں ان کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ ہر عہد کی تحریروں میں سائنسی ایجادات، آلات، ذرائع ابلاغ کا ذکر لامحالہ شامل ہو جاتا ہے اور معراجیہ شاعری بھی اس امر سے مستثنیٰ نہیں۔

تشبیہات کے استعمال میں بھی سائنسی شعور کی جھلک ملتی ہے:

یوں پھوڑ گیا گگن او سو دھن
جیوں گدڑی سات تہ کی سوزن(۲۵)

طے کیا نہ پردۂ گردوں شبِ معراج میں
جیسے عینک سے گزر جائے نگاہِ تیز پا(۲۶)

یوں عرش کو جگمگا کے آئے
جس طرح خیال جا کے آئے(۲۷)

خرامِ ناز نے جوہر دِکھایا
نگہ کی مثل جا کے لوٹ آیا(۲۸)

گزرا وہ سبک خرام ایسے
شیشے سے نظر ہو پار جیسے(۲۹)

براقِ برق پیکر لے چلایوں ذاتِ انور کو
فضا میں تیر جائے جس طرح بجلی کی تابانی
حضور اس طرح گزرے گنبد مینائے گردوں سے
نظر جس طرح شیشے سے گزر جائے با آسانی(۳۰)

نذرؔ صابری کے معراج نامے سے یہ مثالیں دیکھئے جن میں انسانی جسم اور مظاہرِ کائنات کی مادّی کیفیات سے متعلق یہ معلومات بھی سائنسی شعور کی ذیل میں آتی ہیں جن کا ذکر واقعۂ معراج کے ضمن میں کیا گیا ہے۔

سبھی صورتیں جذبی، حسی، خیالی — سبھی جنبش فاعلی، انفعالی
سبھی حرکتیں اضطراری، ارادی — ادائیں بھی سہوی، فطری و عادی
جہانِ بشر کی ہیں سو جانے والی — جمود و تعطل میں کھو جانے والی
نہ تولید و تعمیر کی کارسازی — نہ تحلیل و تخریب کی ترکتازی(۳۱)

سیّد کچھوچھوی کے معراج نامے میں سائنسی آلات، معلومات اور حقائق کا ذکر کیا گیا ہے یہ ذکر کہیں تشبیہ کے تحت ہے اور کہیں شاعر نے منکرینِ معراج کو سائنسی دلائل پیش کیے ہیں:

براق اڑتا ہوا یوں جا رہا ہے ۔۔۔ یہ سمجھو جیسے بجلی کوندتی ہو
کہیں بالفظ و معنی بڑھ رہا ہے ۔۔۔ براق ایسا کہ برق الرعد سے جو[۳۲]

کہ جیسے لفٹ چھت پر چڑھ رہا ہے ۔۔۔ براق اس شان سے جاتا ہے اوپر
رواں جیسے کہ ریڈیو کی صدا ہے ۔۔۔ ہے جاتا تار و ٹیلی فون جیسے[۳۳]

کہ مرکز اپنی ہر شے کھینچتا ہے ۔۔۔ نہیں معراج میں حیرت کا موقع
تو دیکھو گے زمین پر گر پڑا ہے ۔۔۔ کوئی ڈھیلا اُٹھا کر اونچا ، پھینکو
مگر پاؤ گے اوپر جا رہا ہے ۔۔۔ جھکاؤ جس طرح شعلے کو چاہو
کشش کا مسئلہ مانا ہوا ہے ۔۔۔ ہر اک شے اپنے مرکز کو ہے جاتی
تو حیرت کیا ہے استعجاب کیا ہے ۔۔۔ گیا نورِ خدا گر عالمِ نور[۳۴]

جدید دور میں اُردو نعت بھی معراج کے حوالے سے اسی سائنسی شعور کی حامل نظر آتی ہے جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

جہاز و راکٹ اسکائی لیب و طیارے
براقِ سرورِ عالم سے استفادہ ہیں[۳۵]

ترے براق کی رفتار روشنی سے بھی تیز
ابھی زمیں پہ ابھی عرش پر قیام اترا[۳۶]

ٹھہری ہوئی ہے گردشِ دوراں رکا ہے وقت
ہے روحِ عصر گرمِ سفر مصطفیٰ کے ساتھ[۳۷]

علم جیومیٹری نے پائی سند
قاب قوسین کے حوالے سے[۳۸]

جدید علوم اور سائنس نے ادب کو خاطر خواہ متاثر کیا ہے۔ شاعری میں جہاں انسان سے متعلق نفسیاتی، شعوری، لاشعوری پہلوؤں پر غور و فکر اور اظہار خیال ہوا وہاں خارجی دنیا سے متعلق

موضوعات کو افہام سے گزارنے کی سعی بھی ہوتی رہی ہے۔ انسان کا کائنات سے جو ذہنی تعلق سائنس کی بناپر قائم ہوتا ہے۔ شاعری بھی اس کا اظہار کرتی ہے۔ انسان کے لیے علم و آگہی کا ذریعہ مشاہدۂ کائنات اور مظاہرِ کائنات کی تحقیق ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے مطالعۂ فطرت، تحقیق اور جستجو کی رغبت قرآنِ پاک سے حاصل کی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ"

"اور مسخر کر دیا تمہارے لیے اپنی طرف سے سب کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں۔" (الجاثیہ:۱۳)

اُمتِ مسلمہ کے دیگر اقوام سے سماجی و ثقافتی اختلاط نے اس مرکزی نقطے کو دھندلا دیا۔ رفتہ رفتہ جمود اور تعطّل کی راہ پیدا ہوئی۔ دشمنانِ دیں کی مساعی سے برصغیر میں جدید علوم کو مخالفِ دین سمجھنے کا منفی شعور مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا:

"بعض تاریخی عناصر ہیں جو صدیوں ناجائز سیاسی اقتدار، تعلیمی وسائل کی کمی، معاشرے اور معیشت کا انحطاط اور عدم مساوات کی بناپر پیدا ہوئے تھے اور جو کمی رہ گئی تھی۔ اسے طویل عرصے تک خارجی طاقتوں کی غلامی نے پورا کر دیا۔ چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم اسلام کی صحیح تفہیم کے بغیر اس صورتحال کو ٹھیک کر سکیں۔"(۳۹)

برصغیر کے شعرا میں اسلام اور سیرتِ مصطفیٰ کی تفہیم کی کوشش اقبال نے کی واقعۂ معراج میں مضمر عروجِ عبدیت کے پیام کو آشکار کیا۔ یہ واضح کیا کہ حدودِ سماوات قوتِ انسانی کی زد میں ہیں اور کائنات کی وسعتوں میں انسان کے ارتقا کے لامتناہی امکانات موجود ہیں۔ اقبال نے واقعہ معراج کو تسخیرِ افلاک کے لیے سنگِ میل قرار دیا۔

دے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرّہ مہ و مہر کو تاراج

ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سرِّ سراپردۂ جاں نکتۂ معراج(۴۰)

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں(۴۱)

اقبال نے معراج کے ثمرات کی تحقیق کی طرف نگاہِ مسلم کو جس طرح متوجہ کیا اس کا مفصل ذکر باب سوم میں کیا گیا۔ جدید دور میں دیگر شعرا نے بھی واقعۂ معراج کو کاشف الحقائق کے طور پر محسوس کیا ہے۔ انسان کی مادی ترقی اور سائنسی عروج کا پیغام بھی واقعہ معراج میں مضمر ہے۔ جدید ایجادات و اختراعات اور انسانی رسائی کے دم بدم ترقی پاتے ہوئے مقامات انسان کی جدّتِ شعور کا نتیجہ سمجھے جاتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں بیشتر علوم، جو بالخصوص انسان کی اس بے شمار ترقی کا باعث ہیں ان سب علوم کا مرجع واقعۂ معراج ہے۔

اسلام اور جدید سائنس کے حوالے سے ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

"آج سے چودہ سو سال قبل اہلِ زمین کو یہ پیش گوئی سنائی گئی کہ تم میں سے کم از کم تین شخص کسی چیز پر سوار ہو کر پرواز کریں گے اور زمین کے طبق سے چاند تک پہنچیں گے لیکن تسخیرِ ماہتاب کے بعد انسان کی تگ و دو ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ جاری رہے گی اب اسی طرح مریخ کے طبق تک انسان رسائی حاصل کرتا دکھائی دے رہا ہے۔ انسانی پرواز کی یہ کامیاب کاوشیں دراصل واقعۂ معراج کی صحت و حقانیت پر روشن مادّی دلیلیں بنتی جا رہی ہیں۔"(۴۲)

معراج کے موضوع پر کی گئی شاعری سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ جو اسی نقطۂ نظر کا اظہار کر رہی ہیں:

جو حقائق تھے کئی لاکھ برس سے مخفی
چند برسوں میں بنے علم کی آیاتِ جلی
اس قدر بڑھ گئی انسان کی رفتارِ نظر
کفِ آدم میں ہے اب آئینہ شمس و قمر
کاش! اس رازِ ترقی کو جہاں جان سکے
کاش! اس محسنِ تہذیب کو پہچان سکے(۴۳)

اب ہے دریاؤں کی شوریدہ سری معنی خیز
جل رہے ہیں اسی پانی سے چراغِ الفت
سینۂ سیلِ حوادث پہ سفینے ہیں رواں
سر اُٹھانے کی سمندر کو نہیں ہے جرأت

چاند پر پاؤں بھی رکھ کر نہ رکا اک لحظہ
اللہ اللہ یہ انسان ثریا رفعت
یہ مرا دور ہے معراجِ پیغمبر کے طفیل
ارتقا ساری اسی کی ہے رہینِ منّت(۴۴)

جدید شاعری میں معراج کو بیان کرتے ہوئے خلائی سائنس کے اصولوں کے حوالے سے بھی غور و فکر کیا گیا۔ شقِ صدر کے واقعے کو بھی شعرا نے سائنسی نگاہ سے دیکھا ہے۔ انسان نے وقت کے ساتھ ساتھ خلائی سفر کے مخصوص لوازمات کو دریافت کر کے خلاؤں کے سفر کو ممکن بنالیا ہے اور اب وہ اپنے عقلی انکشافات کو واقعۂ معراج سے مربوط کر کے دیکھتا ہے۔

صفوّت کے معراج نامے سے مثالیں دیکھیے:

نظامِ ہاضمہ کا مختلف تشکیل ہونا بھی
کہ معمولی ہے اس میں جین کا تبدیل ہونا بھی
معائنہ یہاں طبّی سمجھ لیں جسمِ اطہر کا
کہ ہر ”سیل“ کا یہاں تبدیل ہونا اپنے سرور کا
براہِ راست دی جاتی ہے حضرت کو توانائی
یہ خلیے آپؐ کے تبدیل ہو جاتے ہیں آبائی
خدا کی ذات ایسی ہے جو ہر دم ہے ہمیشہ ہے
توانائی اسی کی مستقل ہر وقت تازہ ہے(۴۵)

عمیق حنفی شقِ صدر کا ذکر نظم میں یوں کرتے ہیں:

۔۔۔ملبّب سنہرے پیالے میں شاید
وہ محلول عرفان وایمان کا تھا
جسے ان فرشتوں نے سینے کے اندر انڈیلا
فرشتوں نے کیا ایئر ائے ہیں قلب و جگر؟
کہ طے ہو خلائی سفر؟(۴۶)

موجودہ دور سائنسی ترقی کا دور ہے۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ معجزاتِ نبوی اور سائنسی ایجادات کے ربط کو اذہانِ نو پر واضح کیا جائے۔ عقلِ انسانی نے واقعۂ معراج کی توجیہ و توضیح کے سفر میں سائنس کا یہ سفر طے کیا ہے لیکن بات صرف یہیں تک محدود نہیں آئندہ زمانوں میں بھی

انسانی عقل اس معجزے سے روشنی پا کر اپنی راہ متعین کرتی رہے گی۔ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

> ''معراج کا واقعہ عالمِ انسانی کے لیے اشارہ ہے کہ اس کائناتِ رنگ و بو میں موجود عناصر ہی کی باہم کسی انوکھی ترکیب سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ انسان روشنی کی رفتار کو پالے اگر ایسا نہ ہوا تو لاکھوں کروڑوں سال کی مسافتوں میں بکھری ہوئی اس کائنات کی تسخیر کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔''(۴۷)

جیسے جیسے انسان کی عقل و شعور اور واقفیت میں اضافہ ہوا ہے ویسے ویسے اس پر مزید پیچیدہ اور حیران کن اسرارِ قدرت منکشف ہوئے ہیں۔ سائنس سچائی کو تجربہ کی کسوٹی پر پرکھتی ہے جبکہ ادب اسے رویوں اور افکار میں منعکس دیکھتا ہے۔ادب اور سائنس کا امتزاج انسان کو جینے کے لیے قابلِ عمل فکر، فہم اور ادراک عطا کرتا ہے اسی لیے جوں جوں سائنس کی دنیا میں واقعۂ معراج کی بنیاد پر تحقیق و تجربات کا سفر آگے بڑھے گا اس شعور کی شعر و ادب میں عکاسی ہوتی رہے گی۔

فصل دوم:

اُردو شاعری میں مابعد الطبیعیاتی عناصر (بحوالہ معراج)

انسانی عقل حواسِ خمسہ پر انحصار کرتی ہے۔ عہدِ قدیم میں یونانی فلسفے کی رُو سے کسی بھی چیز کی حقیقت کو جاننے کے لیے عقل ہی کو کسوٹی قرار دیا گیا اور جو چیز عقل کے دائرۂ کار میں نہ آئے اسے غیر حقیقی سمجھا گیا لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس نظریے کا بطلان ممکن ہو گیا۔ جب انسان کو ایسی بہت سی حقیقتوں کا سامنا ہوا۔ جنھیں انسانی عقل سمجھنے سے قاصر تھی۔ انبیاء کے معجزات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے والے بھی اپنے نقطۂ نظر سے منحرف ہو گئے حتیٰ کہ جدید دور میں انسان کی خلاؤں، ستاروں اور سیّاروں کی طرف پیش رفت کے باوجود ابھی بھی بے شمار حقیقتوں کا ادراک اس کی دنیائے اسباب و علل سے ماوراہے۔

مابعد الطبیعیات کا لفظ معنوی اعتبار سے اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے۔ طبیعیات سے مراد علمِ موجودات ہے۔ اس کے سوا باقی علم مابعد الطبیعیات کے دائرے میں شامل ہے۔ انگریزی میں اسے میٹا فزکس کہا جاتا ہے۔ فزکس، سائنس کی وہ شاخ ہے جس میں مادے کی حالت، خواص، توانائی اور تعامل سے بحث کی جاتی ہے۔ گویا اس کا موضوع زیادہ تر اس کائنات کی اشیاء ہیں اور فزکس سے ماورا علم مابعد الطبیعیات ہے۔ مابعد الطبیعیات کو فلسفہ، وجودیات، الٰہیات، اخلاقیات سے بھی تعبیر کیا گیا۔ دنیا کے سائنسی علوم و فنون یعنی طبیعیات، کیمیا، ارضیات، معاشیات، سیاسیات، نفسیات، عمرانیات، مصوّری، موسیقی، سنگ تراشی، ادب وغیرہ سے سوا وہ علم جو کائنات کے مظاہر کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت دریافت کرتا ہے وہ مابعد الطبیعیات کا علم ہے۔ یہ علم خدا، روح، حیات بعد موت، خیر و شر کے مسائل سے بحث کرتا ہے۔ مابعد الطبیعیات کا علم ذیلی شاخوں وجودیات، کونیات، علمیات میں منقسم ہے۔ گویا حقیقت کے متعلق مباحث، کائنات کے وجود میں آنے کے متعلق تحقیق اور عقل و وجدان کے ذریعے حقیقت کے علم کو ہم مابعد الطبیعیات میں شمار کریں گے۔ یہ مادے اور تخیل کے باہمی ربط سے متعلق ایک نظامِ فکر ہے۔ اس کے موضوعات و مسائل طبیعی فکر و نظر اور مشاہدہ و تجربہ کے احاطے سے باہر ہیں۔[۴۸]

مابعد الطبیعیات کے عناصر میں وجودیات، کونیات، نفسیات ظاہر اور حقیقت ذہن، جسم، روح، زمان و مکاں، ابدیت، آزادی اور جبریت، تجربہ، اخلاقیات، الٰہیات و تصوف شامل ہیں۔

وجودیات کے مباحث میں ذات کے حوالے سے مسائل، حقیقت کے منظم وحدت ہونے کا تصوّر، انسان اور خدا کی لامحدود دانش کا تعلق جیسے موضوع شامل ہیں۔ تصوف بھی اس کا موضوع ہے۔ کونیات کا مبحث کائنات میں انسان کا مقام متعین کرنا ہے۔ سائنس بھی اس کا موضوع ہے یعنی مادّی وجود کی نوعیت کو سمجھنا اور فطرت کی توضیح اس میں شامل ہے۔ کونیات کا اہم مسئلہ یہ ہے کہ زمان و مکاں حتمی طور پر حقیقی ہیں یا مظہری؟ نفسیات سے مراد ایک خاص ماحول میں نفسِ انسانی اور اس کے عمل کا علمی مطالعہ ہے جس میں کسی رویے، عمل یا صورتحال پر اثر انداز ہونے والے ذہنی اسباب کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔ روح اور جسم کا مسئلہ بھی نفسیات میں زیرِ بحث آتا ہے۔ اخلاقی آزادی کا مسئلہ، تہذیبی و جمالیاتی دلچسپیاں، وجدان، شعور، لاشعور، تحت الشعور بھی نفسیات کا حصہ ہیں۔

مابعد الطبیعیات حقیقت کو ایک منظم وحدت کے طور پر دیکھتی ہے ادب بھی زندگی کا بطور کُل مطالعہ کر کے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ادب میں کئی زمانے سموئے ہوتے ہیں۔ ہماری شاعری بھی فکری ارتقا کے بعد زندگی کے وسیع تناظر میں سیاسی، معاشی، معاشرتی مابعد الطبیعیاتی پہلوؤں کا جائزہ لیتی رہی ہے۔ اسباب و علل کے تمام پہلوؤں کو عرفانِ نفس، فکر و مشاہدہ اور شعور کے امتزاج سے پیش کرنے کی کوششیں کرتی ہے اور اردو شاعری میں مابعد الطبیعیات کے عناصر بیشتر روایتِ معراج ہی سے فیض پا رہے ہیں۔

مابعد الطبیعیات کا اہم سوال یہ ہے کہ وجود کیا ہے؟ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کہاں سے آتا ہے؟ کدھر جاتا ہے؟ مجبور ہے یا مختار؟ کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ شاعر بھی اس کائنات میں سانس لیتے ہوئے ان تمام فکری حوالوں سے سوچتا ہے۔ اپنی ذاتی فکر سے سفر کرتا ہوا ایک آفاقی نقطۂ نظر سے ہمکنار ہونے کی سعی کرتا ہے اور کائنات کے رازوں سے پردہ اُٹھانے اور کائنات کے ہر پہلو کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کائنات کا مرکزی عنصر انسان ہے اور انسانوں میں آپ ﷺ کی ذات کامل و اکمل ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت و کردار کے پہلوؤں میں نمایاں اہمیت معجزات کی اور معجزات میں واقعۂ معراج کی ہے۔ یوں یہ تمام فکری عناصر مل کر ایک معنیاتی نظام تشکیل کر دیتے ہیں اور ایسا شعری اظہار وجود میں آتا ہے جو عقیدہ، عقیدت اور علمی سچائی کا مرکّب ہوتا ہے۔

معراجیہ شاعری میں اوّلین پہلو یہی بیان کیا گیا ہے کہ معجزہ کی صداقت محض عقل کے ذریعے واضح نہیں ہوتی اسے محض منطقی یا تجرباتی علم سے سمجھنا محال ہے۔ وہ عالم اِس قیدِ حیات سے ماورا تھا۔ اس کے حدود و اطراف کا تعین انسان کے احاطۂ علم سے باہر ہے۔ اسی لیے مابعد الطبیعیاتی

سوالات کا باعث ہے۔چند مثالیں دیکھیے:

عقل کا اس جگہ تو داؤ نہ تھا
وہم کا فہم کا لگاؤ نہ تھا(۴۹)
(راسخؔ)

جہات و امکنہ ، غیب و شہادت و ابعاد
خفیف و نادم و حیرت نصیب و بیخود و خوار
مجرّداتِ بسایط جواہر و اعراض
عجب ہیں سکتے میں درماندہ پشت بر دیوار(۵۰)
(محسنؔ)

خرد سے کہہ دو نظر جھکا لے ، گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے(۵۱)
(رضاؔ)

ہوئی ریزہ ریزہ رصد گاہِ ادراک
ہوئے ذرّ ذرّہ تمام آئینہ خانہ ہائے حواس
بہر گام بکھرے ہوئے ہیں دشاؤں کے دام
زمیں کی کشش خام
طلسم عناصر تمام۔۔۔۔۔(۵۲)

مابعد الطبیعیات یہ سوال اُٹھاتی ہے کہ کیا کوئی ماورائے کائنات ہستی ہے یا نہیں؟ خدا ہے کہ نہیں؟ اگر خدا ہے تو کیا وہ کائنات کے اندر جاری وساری ہے یا اس سے ماورا ہے؟ کیا حقیقتِ مطلق ایک ہے؟ حقیقت کے مختلف اجزاء کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ کیا کوئی چیز یا ہستی ایسی ہے جیسے الوہیت سے منسوب کیا جا سکے؟ واقعہ ٔمعراج کے حوالے سے شعرا نے حقیقتِ مطلق کی قدرت اور لامتناہی اختیارات کا پیہم ذکر کیا ہے۔ خدا اور بندے کے تعلق کی نوعیت، خدا اور بندے کے قُرب کی حدِ فاصل پر تفکر کیا ہے۔ عقائد و مسالک کی بحث سے قطع نظر یہ سوالات، مابعد الطبیعیاتی عناصر کو تخلیقی شعور اور شعری اظہار کا جزو بنانے کا باعث ضرور ہوئے ہیں۔ ناسخؔ لکھتے ہیں:

صاحبو قُربِ مکانی یہ نہیں ہے خدا شاہد معانی یہ نہیں
ہے منزہ اس صفت سے ذوالجلال عقل کیا حیران ہیں وہم و خیال
پر ملی حضرت کو قربِ منزلت ہو گیا حاصل علوِ مرتبت
قرب پر قرب اور بھی حاصل ہوئے ہیں وہ مخفی جو کہ سرِّ حاصل ہوئے
اس جگہ پہنچے کہ حیرت ہے تمام بس اسی کو کہیے حیرت کا مقام(۵۳)

شاہد نقوی نے اس موضوع کو استفسار اور تفسیر کے انداز میں پیش کیا ہے مثلاً پہلے سوال اُٹھایا جاتا ہے:

دونوں نقطوں میں جو قوسین کی یہ دُوری ہے
یہ ارادی ہے یا طرفین کی مجبوری ہے

اور پھر اس کا جواب:

استعارہ ہے یہ اخلاق کا اور خلقت کا
ایک پیرایہ ہے اظہارِ عبودیت کا(۵۴)

شاعری محض گل و بلبل کا فسانہ یا چشم و دل کی حکایت نہیں رہی بلکہ کائنات اور انسان اور ان دونوں کے خالق کے بیچ تعلق کو کھوجنے کی سعی کرتی رہی ہے۔ انسان کے اپنے وجود کا احساس بھی ادب میں دھڑکتا دکھائی دیتا ہے۔ کائنات کا مقصدِ تخلیق اور خود انسان کا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟ سوچ کا یہ دھارا شاعری میں شامل رہا ہے۔ شاعری بھی اشیاء کے ہونے یا نہ ہونے کی عقلی توجیہ کرتی ہے۔ زمان و مکاں اور حقیقتِ مطلق سے متعلق سوالات اٹھاتی ہے۔ مابعد الطبیعیات سے متعلق مغربی افکار و تصورات سے متاثر شاعری سے قطع نظر اُردو شاعری میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ جہاں شعرا نے وجود اور کائنات اور خالقِ کائنات کے متعلق اسلامی فلسفے ہی کا پرچار کیا ہے اور انجانی حقیقتوں کو اسی راہ سے دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ معراج کے حوالے سے کائنات میں انسان کے مقام کی وضاحت شاعری میں جگہ جگہ موجود ہے۔

نوازیا پل میں توں افلاکیاں کوں
کیا پل میں مشرف خاکیاں کوں(۵۵)
(ابن نشاطی)

یہ کیا جسمِ خاکی کی معراج ہے
کہ نقشِ قدم عرش کا تاج ہے(۵۶)
(مومن)

کفِ خاک بے باک ہو دیدہ ور ہو
خود آگاہ ہو خود گر و خود نگر ہو
زمیں پر قدم آسماں پر نظر ہو
کہ لاریب منشائے فطرت یہی ہے(۵۷)
(امین حزیں)

عشق کامل چاہیے فیضِ جمالِ پاک سے
رفتہ رفتہ نور ہو جاتا ہے پُتلا خاک کا(۵۸)
(تسلیمؔ)

یہ وقارِ بندگی یہ احتشامِ عبدیت
قسمتِ حور و فلک ہے کب یہ قدر و منزلت(۵۹)
(طارقؔ سلطان پوری)

ہے خم رسائی انساں پہ فاصلوں کی جبیں
بلندیوں پہ کندیں اچھالتی ہے زمیں(۶۰)
(مظفرؔ وارثی)

اقبال کہتے ہیں:

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگاہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام(۶۱)

اقبال کے نزدیک بھی یونانی فلسفہ وفکر حقیقتِ مطلق تک رسائی میں معاون نہیں اس کے بجائے ان کی فکر نے جدید فلسفے سے فیض اُٹھایا ہے لیکن جدید علوم اور فلسفے بھی حِسی تجربے کے داعی ہیں جبکہ اسلام مادی دُنیا سے ماورا حقیقتوں کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود، انسان کا وجود اس کے اختیارات کا ادراک بذریعہ وجدان ممکن ہے جو علم کی ارفع صورت ہے۔

”اقبال کہتے ہیں کہ عقلیت اور تجربے سے قطع نظر کر کے ہمیں خود اپنے شعور کی باطنی گہرائیوں پر توجہ دینی چاہیے اور وجدان سے کام لینا چاہیے وجدان ہی میں خودی کی حقیقی ماہیت اور جوہر منکشف ہوتا ہے۔“(۶۲)

اسی وجدان نے فکرِ اقبال کو ذات یا خودی کی مستقل حیثیت کا شعور بخشا ہے اور انسان کے مقام کو واضح کرتے ہوئے ان کے شعری وجدان کو واقعہ ٔ معراج ہی سے جِلا ملتی ہے:

ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سرِّ سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج(۶۳)

مابعد الطبیعیات کا یہ اہم سوال ہے کہ وقت کیا ہے؟ مکاں کیا ہے؟ وقت اور مکاں کا رشتہ کیا ہے؟ زمان و مکاں سے متعلق اس حیرت و استفسار کو شاعری میں مستقل موضوع بنایا گیا ہے۔ مابعد الطبیعیات میں تجربات کے بجائے سوچ کا دخل ہے۔ یہی عنصر مابعد الطبیعیاتی نظریات میں اختلاف کا باعث ہے۔ یونانی فلسفہ، مسلم فلسفہ، یورپی فلسفہ، مابعد الطبیعیاتی نظریات کے حامل ہیں۔ جدید فلسفہ زمان و مکاں کو موضوعی سمجھتا ہے لیکن یہ محض اشیاء کے ظاہری علم پر قانع ہے۔ جیسی کہ وہ دکھائی دیتی ہیں اور اشیاء کی حقیقت کے علم کو ناممکن گردانتا ہے لیکن اسلامی فلسفے، میں یہ گنجائش موجود ہے کہ قادرِ مطلق کے ایما پر زمان و مکاں کی قیود سے ماورا تجربہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اردو شعرا میں اقبال نے اس پر خصوصاً غور و فکر کیا ہے۔

"اقبال کے نزدیک یہ شئون یا جہات خود ہم سے برتر یا فروتر ہستیوں کے تعلق سے نئے مفہوم کی گنجائش رکھتے ہیں اور نتیجتاً تجربے کا ایک ایسا درجہ بھی ہو سکتا ہے جو زمان و مکاں کی قیود سے آزاد ہو۔"(۶۴)

اُردو کی معراجیہ شاعری سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں جن میں زمان و مکاں کی ماورائی کیفیات کا بیان موجود ہے:

محل و جا نہ تھے عارف جہاں سے
زمان و وقت ناواقف وہاں سے(۶۵)

اب نہ پوچھ اس دائرے کی مجھ سے بات
پاک تھا وہ عالم از قیدِ حیات
قبل و بعد و دائیں بائیں ، تحت و فوق
خالی تھا ان سب سے لیکن پُر ز شوق(۶۶)

گزارا تو نے جو عرشِ بریں پر
کسی کے پاس وہ لمحہ نہیں ہے(۶۷)

تری نمود کی فطرت بھی ہو گئی قائل
تو ہی امام ہے کوئی نہیں امام ترا
غرورِ وسعت پہنائیِ مکاں ٹوٹا
بچھا ہوا نہیں کیا لامکاں میں دام ترا(۶۸)

یہ جو ہیں قیدِ مکاں قیدِ زماں
دسترس ان کا ہے خالی خاک پر
جوہر تخلیق یعنی امرِ ربّ
لامکانی چیز ہے اے خبر(۶۹)

اس دنیا کے زمان و مکاں کے پیمانے اللہ و پیغمبرؐ کی ملاقات کے وقت معزول ہو گئے۔ نعت گو شعرا نے مدینہ میں عالمِ حضوری کو بھی انہی قرینوں سے بیان کیا ہے۔ یوں نعت کو بھی مابعد الطبیعیات کے اس پہلو سے روشناسی ہوئی۔

حدودِ طیبہ کا آغاز جس جگہ سے ہوا
وہیں سے لوٹ گئیں گردشیں زمانے کی(۷۰)

ترے مدینے سے آگے نہ وقت ہے نہ مقام
حدِ زمان و مکاں اس جگہ تمام ہوئی(۷۱)

مابعد الطبیعیات کائنات کی حقیقت کے متعلق سوال اُٹھاتی ہے۔ کائنات ازل سے موجود ہے؟ یا کسی نے اسے تخلیق کیا ہے؟ اس دنیا کے علاوہ کوئی دوسری دنیا بھی ہے؟ کیا یہ دوسری دنیا اس کے معاملات پر بھی اثرانداز ہوتی ہے۔ مابعد الطبیعیاتی عناصر شاعری میں اس وقت در آتے ہیں۔ جب کائنات کے سربستہ رازوں کو کھولنے اور کائنات کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انسان کا کائنات سے اور پھر خدا سے کیا تعلق ہے۔ ڈاکٹر کاشف عرفان لکھتے ہیں:

> ”کائنات، وقت اور انسان تینوں ہی اللہ کی مخلوقات ہیں لیکن حضرت محمدؐ سے قبل کی دنیا اس رشتے کی معنویت سے آگاہ نہیں تھی۔ وقت کے ازل سے ابد تک کے سفر میں انسان کی حیثیت کا تعیّن آسان نہ تھا اور پھر آقا کریمؐ کی تشریف آوری نے وقت اور کائنات کے اسرار کو انسانوں کے سامنے کھولنا شروع کر دیا۔ سائنس آج بھی

وقت اور کائنات کے رازوں کو دریافت کرنے کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہے لیکن اس کو حتمی فیصلے کے لیے قرآن حکیم اور سیرتِ رسول سے مدد لینا ہو گی کہ سچا نظریہ اپنی اصل میں منبعِ علوم سے جاملتا ہے۔"(۷۲)

ادب میں مابعد الطبیعیات کو سمجھنے کی کوششیں بسا اوقات واقعۂ معراج سے منسلک نظر آتی ہیں کیونکہ واقعۂ معراج کئی پہلوؤں سے مباحث کو جنم دیتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم لکھتے ہیں:

"واقعۂ معراج سے متعلق بحث و تمحیص پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ زمین پر دکھائے جانے والے معجزوں نے زمین پر قوتوں کے کنٹرول کرنے والے قوانین کو معطل کر دیا تھا لیکن اسرا کا معجزہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آفاقی و سماوی قوانین معطل کر دیے مگر ان کا مشاہدہ کرنے والے عام ناظرین ان کے گواہ نہ تھے۔"(۷۳)

شاعر حیات و کائنات کے مسائل پر غور کرتے ہوئے حیرت کی جن وادیوں میں اترتا ہے تو اس کے شعور میں ابھرتے ہوئے سوالات اسے تصوف اور مابعد الطبیعیات کی طرف لے جاتے ہیں۔ تمناؤں اور جستجوؤں کی انتہا کی طرف جاتے ہوئے اسے انسان کے فانی ہونے کا احساس لاحق ہو جاتا ہے۔ اس سے جستجو کا نیا در کھلتا ہے۔ حیاتِ ابدی کے حصول کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کمالِ بشر کی نہایت کیا ہے؟ واقعۂ معراج اس کا بیّن مظہر ہے اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔ انتہائے کمال کو پہنچنے، وقت اور کائنات کے رازوں کو جاننے کے لیے سچے نظریات کی تلاش قرآن و بصیرت سے ممکن ہے۔ محض مادی عروج انسان کے انتہائی کمال کا ضامن نہیں۔ مابعد الطبیعیات عرفانِ حقیقت کی راہ تلاش کرتی ہے۔ اُردو شاعری میں معراج کے حوالے سے اس کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ ماہر القادری کی ایک نظم سے مثال دیکھیے:

یہ بھٹکا جا رہا ہے راہِ عرفانِ حقیقت سے
یہ ہوتا جا رہا ہے دور اپنی فوضویت سے
حکومت چاہتا ہے یہ فضائے بزمِ فانی پر
نہیں جاتی نظر اس کی حیاتِ جاودانی پر
ستارے جانتا ہے ذرّہ ہائے سوز دیدہ کو
بساطِ کہکشاں سمجھا ہے یہ خاکِ تپیدہ کو
یہ برقی قمقمے افلاک کی قندیل ہیں اس کو
یہ طیارے حریفِ شہپرِ جبریل ہیں اس کو
عروجِ مادّیت ہی اسے عرشِ الٰہی ہے

مسلسل خواب ہے اور الفتِ پیچیدہ کاری ہے
نہیں اس کی ترقی کے لیے کوئی جہت باقی
کہ اب انسان میں مطلق نہیں انسانیت باقی
الٰہی ذہنِ روشن فطرتِ موّاج دے اس کو
حفیضِ محض سے پھر قوتِ معراج دے اس کو(۷۴)

جدید شاعری میں معراج کو سائنسی حوالوں سے بیان کرتے ہوئے بھی شعرا نے یہ اظہار کیا ہے کہ کائنات اور خالقِ کائنات کی حقیقت اور وسعت کو جاننا بہر حال عقلِ انسانی کی رسائی سے باہر ہے۔ سائنس اپنے اصول اور تجربات کی انتہا کو پہنچ کر بھی یہ اعتراف کرتی ہے کہ اللہ کی ذات لا محدود اور لا مکانی ہے۔ صفوت علی صفوت کے معراج نامے سے مثال ملاحظہ کیجیے:

تو پھر یہ چاند سورج ہی کو ہم کیوں رٹتے جاتے ہیں
جو مستقبل ہے ہم اس وقت سے کیوں ہٹتے جاتے ہیں
ضروری کیوں ہے کہ اجسام فلکی ہی الاپیں ہم
یہ آخر وقت کو ایٹم سے بہتر کیوں نہ ماپیں ہم
دلائل اپنے بھی سن لیں کہ شاید وزن ہو ان میں
انھیں بھی تول کر دیکھیں کہ شاید وزن ہو ان میں
غلاف ذرہ میں ذرہ بھی تو محجوب ہوتا ہے
وہ اپنی وسعتوں میں پھیل کر محجوب لگتا ہے
وہ اپنی وسعتوں میں الفنٹ ہے لامکانوں میں
تو ان سرٹن تو ہونا ہے طبیعیاتی اصولوں میں
ازل سے تا ابد گر وقت سارا جمع کر پاؤں
یہ کل انسانیت کی عقل اس میں جمع کر پاؤں
تو شاید اس جگہ پہنچوں جہاں دربارِ اقدس ہے
یہی ہے انفنٹ کہ ایک عقل انس بے بس ہے(۷۵)

انسان مادّی اسباب و علم کی دوڑ میں حیرت انگیز اقدامات کر رہا ہے۔ چاند، ستارے اور خلائیں اس کی دسترس میں ہیں لیکن یہ سفر محض انسانی عقل و تدبر کے سہارے تکمیل سے ہمکنار نہ ہو گا۔ ڈاکٹر طاہر القادری ’’اسلام اور جدید سائنس‘‘ میں رقم طراز ہیں:

''مادّی علوم اور ان کی مختلف شاخیں فقط تحقیق و جستجو کی بدولت خود بخود لاشعوری طور پر قرآنی علوم سے مطابقت اختیار کرتی چلی جارہی ہیں اور قدم قدم پر انسانی ہدایت کے ایک ایک لفظ کی توثیق ہو رہی ہے۔ لہٰذا شعوری سائنسز کو بھی وحدتِ نتائج کے گوہرِ مراد کے حصول کے لیے مادی علوم کی اتباع میں قرآنی علوم کی مطابقت اختیار کرنا ہوگی اگر دورِ حاضر کے فلاسفرز اور دانشورانِ عالم شعوری سائنسز کو بھی باقی علوم کی طرح جگر سوزی سے پروان چڑھائیں تو کچھ بعید نہیں کہ شعوری سائنسز بھی مادّی و حیاتیاتی علوم کی طرح بنی نوع انسان کو الہامی علوم یعنی مافوق الفطرت علوم کی صداقت کی طرف لے آئیں۔''(۷۶)

مافوق الفطرت علوم کی صداقت معجزاتِ انبیا سے واضح ہوتی ہے۔ اس صداقت کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے جہاں عقل اقرارِ نقص کرتی ہے۔ ظاہری حقیقت کے بجائے ماورائیت کو قبول کرنے کا اعتماد معجزات سے ملتا ہے۔ پھر انسان یہ عرفان پالیتا ہے کہ اصل حقیقت یہی ہے اُردو شاعری ابتدا ہی سے ان نظریات سے عبارت رہی ہے۔ مثلاً

دیکھا ہے اک نگہ میں حقیقت کے ملک کوں
جب بے خودی کی راہ میں دل نے سفر کیا(۷۷)
(ولیؔ)

باہر نہ ہو سکی تو قیدِ خودی سے اپنی
اے عقلِ بے حقیقت دیکھا شعور تیرا(۷۸)
(دردؔ)

اُردو غزل میں بھی مابعد الطبیعیات سے متعلق سوالات ہمیشہ اجزائے فکر و فن رہے ہیں۔ انسان کا کائنات میں مقام، انسان کی مرکزیت، اہمیت اور تمام مظاہر فطرت پر اس کا تفوق ظاہر کرنے میں شعرا نے جو قرائن استعمال کیے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عظمتِ انسان کا یہ تصور کسی نہ کسی طور واقعۂ معراج سے اثر پذیر رہا ہے:

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا(۷۹)
(دردؔ)

ہیں مشتِ خاک لیکن جو کچھ ہیں میر ہم ہیں
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا(۸۰)
(میرؔ)

میں کنگرۂ عرش سے پر مار کے گزرا
اللہ رے رسائی میری پرواز تو دیکھو(۸۱)
(مصحفیؔ)

یہ انسان محض اس ظاہری دنیا پر قانع نہیں بلکہ نئے جہانوں کی دریافت اور مشاہدے کا خواہاں ہے۔ اس کی متجسس اور مضطرب فطرت اسے جہانِ دگر کی تلاش پر اکساتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو شاعری میں نئے آسمانوں کی تلاش اور مہ و کہکشاں سے آگے کے منظر کھوجنے کی یہ تمنا بھی انسلاکاتِ معراج سے جدا نہیں:

لذتِ سیر دگر چشم تمنا لے گی
ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی(۸۲)
(داغؔ)

سیر جس کی ہمیں ہیں مدِّنظر
تیسرا وہ جہان اور ہی ہے(۸۳)
(داغؔ)

لا تیسرا جہاں مری تفریح کے لیے
ساقی محیطِ ارض و سما ہو گیا ہوں میں(۸۴)
(عدمؔ)

بلندیوں کو چھونے کی خواہش آسمان سے آگے گزرنے اور دشتِ افلاک کو سر کرنے کا شوق انسان کو جن عوامل سے تفویض ہوتا ہے ان میں سبھی فطری، تاریخی، تہذیبی اور اساطیری حوالے شامل ہوتے ہیں۔ ایک جست میں اس جہانِ آب و گِل سے ماوراہونے کا اعتماد اگر تخلیق کار کے لہجے میں جھلکتا ہے تو اس کا منبع فکر دیگر تمام امکانات کے علاوہ واقعہ ٔمعراج بھی ہو سکتا ہے۔

وادیِ ہُو میں پہنچتا ہوں بیک جستِ خیال
دشتِ افلاک مری وحشتِ جاں سے کم ہے (۸۵)
(عرفان صدیقی)

دھنک دیوار ہے رستے میں حائل
وگرنہ جست بھر کا فاصلہ ہے (۸۶)
(وزیر آغا)

بدن میں جست کی خواہش نے سر اُٹھایا ہے
قریب لگنے لگا ہے اب آسماں مجھ کو (۸۷)
(عابد سیال)

اُردو غزل میں زمان و مکاں سے متعلق تصورات کا اظہار بھی کئی حوالوں سے ملتا ہے۔ انسان اس قیدِ صبح و شام سے نکلنے کو بے قرار ہے۔ ایسے عالم کو پالینا چاہتا ہے جس میں لمحوں اور صدیوں کا تفاوت نہ ہو۔ زمان اور مکان کی قید نہ ہو۔ زمان و مکاں کے حوالے سے بیشتر مباحث کا آغاز واقعۂ معراج سے جڑا ہوا ہے۔ یہ بات بعید از امکان نہیں کہ غزل گو شاعر کے خیالات میں شعوری یالاشعوری طور پر ان تاریخی ومذہبی حوالوں کی اثر پذیری موجود ہو جو مابعد الطبیعیاتی عناصر کو شاعر کے استعاراتی نظام میں سمو دیتی ہے:

رگیں فضائے زمانہ کی کھلتی جاتی ہیں
دلوں کے رشتوں سے صدیوں کا بل نکلتا ہے
جہاں ہیں مہر و مہ و مشتری بھی داغِ سیاہ
وہاں بھی میری نوا کا چراغ جلتا ہے (۸۸)
(فراقؔ)

دل تڑپتا ہے اور ڈھونڈتا ہے
کوئی پل صبح و شام سے باہر
ہے کہیں تو میں دیکھنا چاہوں
کائنات انتظام سے باہر (۸۹)
(صابر ظفرؔ)

گویا اُردو شاعری میں ہر عہد اور ہر صنف میں مابعد الطبیعیاتی عناصر شامل رہے ہیں۔ شعرا نے عرفانِ نفس، فکر و مشاہدہ اور لاشعور کے امتزاج سے اسباب و علل کی اس دنیا کو سمجھنے کی کوشش کی ہے جو کچھ اس دنیا سے ماورا ہے اسے جاننے کے لیے انسانی تخیل تاریخی و تہذیبی عوامل سے مدد لیتا ہے۔ اس کے معنیاتی نظام میں وہ عناصر شامل ہو جاتے ہیں جو اس کے شعور اور لاشعور میں گہرا نقش رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں واقعۂ معراج نے بلاشبہ اُردو شعرا کے فکر و نظر کو جِلا بخشی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، تالیف ولیم ایل اینگر، ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص:۱۰، ۱۱

۲۔ افتخار احمد صدیقی (مترجم)، شذراتِ فکر اقبال، مجلس ترقی ادب، لاہور: طبع سوم ۲۰۱۶ء، ص:۱۴۰

۳۔ بحوالہ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، اُردو کی نعتیہ شاعری، دانش اکیڈمی، بہار، ۱۹۷۴ء، ص:۳۰

۴۔ ایضاً، ص:۳۰، ۳۱

۵۔ بحوالہ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، اُردو میں نعتیہ شاعری، اُردو اکیڈمی، سندھ، کراچی: ۱۹۷۶ء، ص:۲۰۰

۶۔ ڈاکٹر حیدر کاشمیری، میر ضمیر تحقیقی مطالعہ، مکتبہ ادبستان، سری نگر، ۱۹۷۲ء، ص:۱۳۰

۷۔ ابوالحسن واحد رضوی، معراج نامہ، آستانہ عالیہ شریف، اٹک، ۲۰۱۶ء، ص:۱۸، ۱۹

۸۔ سیّد محمد اشرفی جیلانی، معراج نامہ، مشمولہ: جہانِ نعت، قصیدۂ معراج نمبر، حیدرآباد دکن، ۲۰۱۶ء، ص:۱۰۸

۹۔ ولی دکنی، کلیاتِ ولی، مرتبہ: نور الحسن ہاشمی، قومی کونسل، برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی: ۲۰۰۸ء، ص:۲۸۸

۱۰۔ خواجہ میر دردؔ، دیوانِ دردؔ، مرتبہ: ڈاکٹر نسیم احمد، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی: ۲۰۰۳، ص:۱۲۱

۱۱۔ شیخ ابراہیم ذوق، کلیاتِ ذوق، مرتبہ: تنویر احمد علوی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۶ء، ص:۱۹۸

۱۲۔ بہادر شاہ ظفر، کلیات ظفر، جلد دوم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۰۰ء، ص:۶۹۰

۱۳۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب، دیوانِ غالب، مرتبہ: امتیاز علی عرشی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۲۰۱۱ء، ص:۱۸۸

۱۴۔ مرزا خان داغ، مہتابِ داغ، مطبع عزیز، دکن: ۱۳۱۰ھ، ص:۳۰

۱۵۔ امیر مینائی، مرآۃ الغیب، مطبع نول کشور، کانپور: ۱۹۰۴ء، ص:۱۶۳

۱۶۔ عزیز لکھنوی، انجم کدہ، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ: ۱۹۵۵ء، ص:۸۹

۱۷۔ حفیظ جالندھری، نغمہ زار، مکتبہ یادگار، لاہور: ۱۹۷۴ء، ص:۱۴۲

۱۸۔ احمد ندیم قاسمی، دشتِ وفا، اساطیر، لاہور: ۲۰۰ء، ص:۱۳۳

۱۹۔ صفوت علی صفوت، سوادِ حُور، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی:۲۰۰۷ء، ص:۲۵
۲۰۔ شاہ معظم، بحوالہ ڈاکٹر حسینی شاہد، شاہ معظم، انجمن ترقی اُردو، آندھرا ترپردیش:۱۹۷۸ء، ص:۲۷
۲۱۔ نصرتی، گلشنِ عشق، مرتبہ: سیّد محمد ایم۔اے، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، ۱۰۶۸ھ، ص:۱۹، ۲۰
۲۲۔ شفیق اورنگ آبادی، معراج نامہ، مشمولہ: نعت رنگ، شمارہ:۰۶، اقلیم نعت، کراچی: ستمبر ۱۹۹۸ء، ص:۳۸۶
۲۳۔ محسن کاکوروی، کلیاتِ نعت مولوی محمد حسن، نامی پریس، کانپور:۱۳۲۳ھ، ص:۱۲۸، ۱۲۹
۲۴۔ سیّد حیدر علی نظم طباطبائی، نظم طباطبائی جزو اوّل، رضوی پرنٹرز، حیدر آباد: س ن، ص:۱۳۵
۲۵۔ قاضی محمود بحری، من لگن، مرتبہ: سخاوت مرزا، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی:۱۹۵۵ء، ص:۱۱
۲۶۔ منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی، کلیاتِ تسلیم، مطبع نول کشور، لکھنؤ:۱۲۸۸ھ، ص:۵
۲۷۔ صبا اکبر آبادی، دستِ دعا، جہان حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۱۳۷
۲۸۔ بحوالہ فرمان فتحپوری، اردو کی نعتیہ شاعری، حلقہ نیاز و نگار، کراچی:۱۹۷۴ء، ص:۱۴۳
۲۹۔ صبا اکبر آبادی، دستِ دعا، ص:۱۳۶
۳۰۔ اقبال سہیل، ارمغانِ حرم، مرکز ادب جہانگیر آباد پیلس، لکھنؤ:۱۹۶۰ء، ص:۱۴۳
۳۱۔ نذر صابری، معراج نامہ، مشمولہ: سہ ماہی فروغ نعت، اٹک: شمارہ:۸، ۲۰۱۵ء، ص:۱۰۸
۳۲۔ سیّد محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی، معراج نامہ، مشمولہ جہانِ نعت، شمارہ، ص:۱۱۲
۳۳۔ ایضاً، ص:۱۲۱
۳۴۔ ایضاً، ص:۱۳۰
۳۵۔ خالد محمود، نعت کائنات، اصنافِ سخن نمبر، جنگ پبلشرز، لاہور:۱۹۹۳ء، ص:۲۹۷
۳۶۔ شاہد نقوی، صراط و سلسبیل، ادارۂ تقدیس علم، کراچی:۱۹۹۲ء، ص:۵۳
۳۷۔ حزیں صدیقی، حرفِ ابد، بزمِ ضیائے ادب، ملتان:۱۹۹۶ء، ص:۲۶
۳۸۔ خالد محمود، نعت کائنات، ص:۲۹۷
۳۹۔ محمد عمر چھاپرہ، مسلم تہذیب، مترجمہ: محمد ذکی کرمانی، ایویروز اکیڈمی، علی گڑھ:۲۰۱۵ء، ص:۲۴۰
۴۰۔ ضرب کلیم، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور:۱۹۷۳ء، ص:۱۷
۴۱۔ بالِ جبرئیل، کلیاتِ اقبال، ص:۲۷
۴۲۔ ڈاکٹر طاہر القادری، اسلام اور جدید سائنس، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور:۲۰۰۱ء، ص:۲۲۶

۴۳ ۔ وزیر الحسن عابدی، فروغ نعت، اٹک: شمارہ:۹، ۲۰۱۵ء، ص:۲۶
۴۴ ۔ ظفر شارب، کاسۂ نکر، علی محتشم، لاہور: ص:۴
۴۵ ۔ صفوت علی صفوت، مثنوی رسول، بحوالہ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، نعت رنگ، کراچی: شمارہ:۲۹، اکتوبر ۲۰۱۹ء، ص:۱۵۱
۴۶ ۔ عمیق حنفی، صلصلۃ الجرس، مکتبہ شعر و حکمت، حیدرآباد: ۱۹۷۱ء، ص:۶۴۵
۴۷ ۔ ڈاکٹر طاہر القادری، فلسفہ معراج النبیؐ، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۰۰ء، ص:۱۱۲
۴۸ ۔ بحوالہ ڈاکٹر فریحہ نگہت، مجلہ دریافت، شمارہ: ۱۲، جنوری ۲۰۱۳ء، یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد: ص:۲۲۶۔۲۲۸
۴۹ ۔ راسخ عظیم آبادی، مثنویات راسخ، مرتبہ ممتاز احمد، کتبہ صوفی پٹنہ، ۱۹۵۷ء، ص:۴
۵۰ ۔ منیر شکوہ آبادی، کلیاتِ منیر، مطبع ثمر ہند، لکھنؤ: ص:۲۳
۵۱ ۔ احمد رضا خان بریلوی، حدائق بخشش، مکتبہ المدینہ، کراچی: ۲۰۱۲ء، ص:۲۳۶
۵۲ ۔ عمیق حنفی، صلصلۃ الجرس، ص:۲۳۶
۵۳ ۔ بحوالہ رشید حسن خان، تلاش و تعبیر، دہلی اُردو اکادمی، دہلی: ۱۹۸۸ء، ص:۲۴۵
۵۴ ۔ شاہد نقوی، صراط و سلسبیل، ادارۂ تقدیس قلم، کراچی: س ن، ص:۲۸، ۲۹
۵۵ ۔ ابنِ نشاطی، پھول بن، مرتبہ عبد القادر سروری، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، ۱۳۵۷ھ، ص:۹
۵۶ ۔ مومن خان مومن، کلیات مومن، کتابی دنیا، کراچی: ۱۹۵۵ء، ص:۱۸۸
۵۷ ۔ امین حزیں سیالکوٹی، گلیارنگ حیات، اُردو اکیڈمی، پنجاب، لاہور: ۱۹۴۰ء، ص:۱۶۵
۵۸ ۔ کلیاتِ تسلیم، ص:۵
۵۹ ۔ طارق سلطان پوری، فروغِ نعت: ۹، ص:۶۲
۶۰ ۔ مظفر وارثی، باب حرم، القمر انٹرپرائزز، لاہور: ص:۴۱
۶۱ ۔ ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال، ص:۲۴
۶۲ ۔ ڈاکٹر عشرت حسن انور، اقبال کی مابعد الطبیعیات، مترجمہ: ڈاکٹر شمس الدین صدیقی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور: ۱۹۸۸ء، ص:۶۷
۶۳ ۔ ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال، ص:۱۷
۶۴ ۔ اقبال کی مابعد الطبیعیات، ص:۲۹
۶۵ ۔ منیر شکوہ آبادی، معراج المضامین، مطبع خزینۃ الدرر، لکھنؤ: ۱۲۹۱ھ، ص:۱۳
۶۶ ۔ مولوی محمد علی محمد، آثارِ محشر، مطبع نول کشور، لکھنؤ: بار پنجم ۱۸۸۷ء، ص:۵

۶۷۔ انجم نیازی، نئی صدی نئی نعت، مرتبہ: خورشید ربانی، اسلام آباد: ۲۰۱۳ء، ص: ۱۰۴
۶۸۔ گلبانگِ حیات، ص: ۱۲۴
۶۹۔ ایضاً، ص: ۱۷۸
۷۰۔ پروفیسر اقبال عظیم، زبورِ حرم، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ۲۰۱۸ء، ص: ۱۵۶
۷۱۔ عاصی کرنالی، حرفِ شیریں، ایجوکیشنل پریس، کراچی: ۱۹۹۳ء، ص: ۱۱۲
۷۲۔ کاشف عرفان، نعت اور جدید تنقیدی رجحانات، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ۲۰۱۶ء، ص: ۱۳۷
۷۳۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم، قرآن حکیم کے معجزات، فیروز سنز، لاہور: ۲۰۰۵ء، ص: ۱۲۷
۷۴۔ ماہر القادری، کلیاتِ ماہر، ادارہ تعمیر ادب، لاہور: ۱۹۹۴ء، ص: ۸۲۵
۷۵۔ صفوت علی صفوت، مثنوی رسول، بحوالہ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، نعت رنگ، کراچی: شمارہ ۲۹، ص: ۱۵۱
۷۶۔ ڈاکٹر طاہر القادری، اسلام اور جدید سائنس، ص: ۲۶۲
۷۷۔ کلیاتِ ولی دکنی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی: ۲۰۰۸ء، ص: ۱۰۳
۷۸۔ خواجہ میر درد، دیوانِ دردؔ، ص:
۷۹۔ ایضاً، ص: ۱۱۷
۸۰۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۸۷ء، ص: ۲۸
۸۱۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی، کلیاتِ مصحفی، دیوانِ اوّل، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۸ء، ص: ۳۴۰
۸۲۔ مرزا خان داغ، مہتاب داغ، مطبع عزیز دکن، ۱۳۱۰ھ، ص: ۲۳۵
۸۳۔ مرزا خان داغ، یادگارِ داغ، اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور: ۱۳۲۳ھ، ص: ۱۰۱
۸۴۔ عبدالحمید عدم، بربط و جام، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۸۶ء، ص: ۳۰
۸۵۔ عرفان صدیقی، شہرِ ملال، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی: ۲۰۱۶ء، ص: ۲۸۱
۸۶۔ وزیر آغا، چہار سو، وزیر آغا نمبر، شمارہ ۱۸، راولپنڈی: جنوری ۱۹۹۴ء، ص: ۴۷
۸۷۔ عابد سیال، بے ستون، پریمئر پریس، راولپنڈی: ۲۰۱۴ء، ص: ۱۱۹
۸۸۔ فراق گورکھپوری، جہانِ فراق، مرتبہ: تاج سعید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۹۱ء، ص: ۳۰۴
۸۹۔ صابر ظفر، اک تری یاد رہ گئی باقی، دانیال، کراچی: ۱۹۹۸ء، ص: ۸۷

کتابیات

عربی کتب:

۱۔ البارودی، محمود سامی باشا، کشف الضمۃ فی مدح سیّد الامۃ، طبع اول، المصر: مطبعۃ الجریدہ، ۱۳۲۷ھ

۲۔ البلاذری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، مصر: دارالمعارف، ۱۹۵۹ء

۳۔ البیضاوی، ناصر الدین ابو الخیر، عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی الشافعی، انوارالتنزیل واسرار التاویل، الجزالثالث، بیروت: داراحیاء التراث العربی، موسسۃ التاریخ العربی، س ن

۴۔ تفتازانی، سعد الدین، علامہ، شرح العقیدۃ النسفیہ، الجزائر: دارالھدیٰ، س ن

۵۔ دمشقی، ابوالعزیز، شرح العقیدۃ الطحاویہ، الریاض: وزارۃ الشوؤن الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والرشاد، س ن

۶۔ دیوان ابی بکر الصدیق، بیروت: دار صادر، الطبعۃ ثانیہ، ۲۰۰۳ء

۷۔ دیوان امام البوصیریؒ، (مترجم: حافظ محمد ذکاءاللہ سعیدی)، بک کارنر شوروم، جہلم: س ن

۸۔ الرازی، امام محمد فخر الدین، مفاتیح الغیب، الجزالعشرون، بیروت: دارالفکر، ۱۹۸۱ء

۹۔ الشعراوی، محمد متولی، شیخ، الاسراوالمعراج، لبنان: دارالجیل بیروت، ۲۰۰۳ء

۱۰۔ مولاناعبدالحئ لکھنوی، الاثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، طبع ادارہ احیاء السنہ، گوجرانوالا: س ن

۱۱۔ نجیب فاضل، دیوان السلام، (ترجمہ و تحقیق و تعلیق: عبدالرزاق برکات)، طبع دوم، دارالھدایہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، القاہرہ: ۱۹۹۶ء

فارسی کتب:

۱۲۔ اقبال، ڈاکٹر محمد، کلیاتِ اقبال فارسی، فرہنگ و ترجمہ: پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، مکتبہ دانیال، لاہور: ۱۹۸۱ء

۱۳۔ جامیؔ، عبدالرحمٰن، مثنوی ہفت اورنگ، جلد اول، چاپ اول، تہران: مرکز مطالعات ایرانی، ۱۳۷۸ھ

۱۴۔ حکیم سنائی غزنوی، دیوان حکیم سنائی غزنوی، مرکز تحقیقات رایانہ ای قائمیہ، اصفہان: س ن

۱۵۔ رومی، جلال الدین، مثنوی مولوی معنوی (دفتر پنجم)، لاہور: حامد اینڈ کمپنی، ۱۹۷۸ء

۱۶۔ رومی، جلال الدین، مثنوی مولوی معنوی (دفتر اول)، لاہور: حامد اینڈ کمپنی، ۱۹۷۴ء

۱۷۔ رومی، جلال الدین، مثنوی مولوی معنوی (دفتر دوم)،لاہور: حامد اینڈ کمپنی،۱۹۷۶ء
۱۸۔ شیخ سعدی، بوستانِ سعدی، بہاولپور: نظامیہ کتاب گھر، س ن
۱۹۔ دوفصلنامہ ٔادبنامہ ٔتطبیقی، (مجلّہ) سال اول، شمارہ دوم، بہار و تابستان، ۱۳۹۶ھ
۲۰۔ عرفانیات درادب فارسی، (مجلّہ)۱۳۹۱ھ، شمارہ ۱۱

اُردو کتب:

الف) مخطوطات:

۲۱۔ سیّد بلاقی، معراج نامہ (خطی)، مملوکہ مخدومہ امیر جان لائبریری نڑالی تحصیل گوجر خان، ضلع راولپنڈی

ب) مطبوعات:

احادیث:

۲۲۔ عبدالرزاق، دیوبندی، مولانا، (مترجم) صحیح بخاری شریف (جلد دوم)، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۳۴۰، لاہور: مکتبہ رحمانیہ
۲۳۔ عزیزالرحمٰن، مولانا، (مترجم) صحیح مسلم شریف (جلد اوّل)، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن

تفاسیر:

۲۴۔ ابن کثیر، دمشقی، عمادالدین اسماعیل تفسیر ابنِ کثیر (مترجّم) (جلد سوم)، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۷ء
۲۵۔ ابی عبداللہ محمد ابنِ قیم، علامہ، حافظ، زادالمعاد (حصہ دوم)، (مترجم: رئیس احمد جعفری)، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۹۰ء
۲۶۔ البغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، امام، معالم التنزیل، (مترجم: مفتی محمد تقی عثمانی)، جلد سوم، ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، س ن
۲۷۔ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر، امام، الجامع الاحکام القرآن (جلد پنجم)، (مترجمین: مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی، مولانا محمد انور گھالوی، مولانا شوکت علی چشتی)، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء

کتبِ سیرت:

۲۸۔ بیہقیؒ، ابی بکر احمد بن الحسین، امام، دلائل النبوۃ (جلد اوّل)، (مترجم: مولانا محمد اسماعیل الجاوری)، کراچی: دارالاشاعت پاکستان، ۲۰۰۹ء

۲۹۔ حلبی، علی ابن برہان الدین، علامہ، سیرتِ حلبیہ (جلد اول)، (مترجم: مولانا محمد اسلم قاضی)، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء

۳۰۔ قسطلانیؒ، احمد بن محمد، علامہ، المواہب اللدینہ (جلد ثانی)، (مترجم: علامہ محمد صدیق ہزاروی)، لاہور: فرید بک سٹال، س ن

۳۱۔ مالکیؒ، عیاض بن موسیٰ، قاضی، الشفا، (مترجم: سید احمد علی شاہ بٹالوی)، لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۱ء

۳۲۔ محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، حضرت، مدارج النبوۃ (جلد اوّل)، (مترجم: علامہ مفتی سیّد غلام معین الدین نعیمیؒ)، لاہور: شبیر برادرز، ۲۰۰۴ء

کتب حوالہ / تواریخ:

۳۳۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، علامہ، تاریخ ابن خلدون، (مترجم: حکیم احمد حسین الٰہ آبادی)، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۲۰۰۳ء

۳۴۔ ابنِ کثیر، ابو الفداء عمادالدین، امام، تاریخ ابنِ کثیر، (مترجم: پروفیسر کوکب شادانی)، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۸ء

۳۵۔ ابنِ ہشام، ابو محمد عبدالملک، سیرت ابنِ ہشام (حصہ دوم)، (مترجم: مولانا قطب الدین احمد صاحب محمودی)، لاہور: اسلامی کتب خانہ، س ن

۳۶۔ البوصیری، امام، قصیدہ بردہ شریف، (مترجم: فیاض الدین نظامی)، کراچی: تاج کمپنی، ۱۳۷۷ھ

۳۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد اوّل، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۸۷ء

۳۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۹۴ء

۳۹۔ دہلوی، امیر حسن ملّا سنجری، (مؤلف) فوائد الفواد، ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، (مترجم: خواجہ حسن نظامی دہلوی)، جلد چہارم، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۹ء

۴۰۔ سیوطیؒ، جلال الدین، علامہ، الخصائص الکبریٰ، (مترجم: راجا رشید محمود، سید حامد لطیف)، لاہور: فرید بک سٹال، ۱۹۸۹ء

۴۱۔ الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر، علامہ، تاریخِ طبری، (مترجم: سید محمد ابراہیم)، کراچی: نفیس اکیڈمی، س ن

کلیات:

۴۲۔ احمد ندیم قاسمی، ندیم کی نظمیں (کلیات)، ماورا پبلشرز، لاہور: س ن
۴۳۔ اصغر گونڈوی، کلیاتِ گونڈوی، مکتبہ شعر و ادب، لاہور: ۱۹۷۶ء
۴۴۔ اقبال، ڈاکٹر محمد، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: ۱۹۷۳ء
۴۵۔ اقبال عظیم، زبورِ حرم (کلیات)، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ۲۰۱۸ء
۴۶۔ انشا اللہ خان انشا، کلیاتِ انشا (جلد اوّل)، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۹ء
۴۷۔ انشاؔ، سیّد انشا اللہ خان، کلیاتِ انشا، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۹ء
۴۸۔ آتشؔ، حیدر علی، کلیاتِ آتش، مطبع نول کشور، لکھنؤ: ۱۹۱۵ء
۴۹۔ تسلیم لکھنوی، منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی، کلیاتِ تسلیم، مطبع نول کشور، لکھنؤ: ۱۲۸۸ھ
۵۰۔ جرأت، شیخ قلندر بخش، کلیاتِ جرأت، جلد اوّل، مرتبہ: ڈاکٹر اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۸ء
۵۱۔ جرأت، شیخ قلندر بخش، کلیاتِ جرأت، مطبع کارنامہ، لکھنؤ: ۱۸۸۳ء
۵۲۔ جگر مراد آبادی، کلیاتِ جگر، بک ٹاک، لاہور: ۲۰۱۲ء
۵۳۔ جوش ملیح آبادی، کلیاتِ جوش، فرید بُک ڈپو، دہلی: ۲۰۰۷ء
۵۴۔ حسرت موہانی، کلیاتِ حسرت موہانی، بار دوم، کراچی: ۱۹۹۷ء
۵۵۔ حفیظ تائب، کلیاتِ حفیظ تائب، حفیظ تائب فاؤنڈیشن، ۲۰۰۵ء
۵۶۔ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: ۱۹۷۳ء
۵۷۔ ذوقؔ، شیخ محمد ابراہیم، کلیاتِ ذوق، مرتبہ: تنویر احمد علوی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۶ء
۵۸۔ راہی فدائی، ڈاکٹر، ناعت و منعوت (کلیات)، الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد: ۲۰۱۴ء
۵۹۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، کلیاتِ نعت، نعت اکادمی، فیصل آباد: ۲۰۱۹ء
۶۰۔ سراج اورنگ آبادی، کلیاتِ سراج، مرتبہ: عبد القادر سروری، حیدرآباد دکن: ۱۹۴۰ء
۶۱۔ سوداؔ، مرزا رفیع، کلیاتِ سودا، مطبع منشی نولکشور، لکھنؤ: س ن
۶۲۔ سوداؔ، مرزا محمد رفیع سوداؔ، کلیاتِ سودا، مرتبہ: عبد الباری آسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۸۷ء
۶۳۔ شیخ محمد ابراہیم، ذوقؔ، کلیاتِ ذوق، مرتبہ: ڈاکٹر تنویر احمد علوی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۶ء
۶۴۔ صبیح الدین رحمانی، سیّد، کلیاتِ صبیح رحمانی، دار السلام، لاہور: 2019ء
۶۵۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، کلیات، ماورا پبلشرز، لاہور: ۱۹۹۰ء

۶۶۔ ظفر، بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، (جلد اوّل) سنگ میل، لاہور: ۲۰۰۰ء
۶۷۔ ظفر، بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، (جلد چہارم) سنگ میل، لاہور: ۲۰۰۰ء
۶۸۔ ظفر، بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، (جلد دوم) سنگ میل، لاہور: ۲۰۰۰ء
۶۹۔ ظفر، بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، (جلد سوم) سنگ میل، لاہور: ۲۰۰۰ء
۷۰۔ عزیز احسن، ڈاکٹر، کلیاتِ عزیز احسن، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ۲۰۰۵ء
۷۱۔ عزیز حامد مدنی، کلیات عزیز حامد مدنی، مرتبہ: ظفر سعید سیفی، اکادمی بازیافت، کراچی: ۲۰۱۳ء
۷۲۔ فانی بدایونی، کلیاتِ فانی، مرتبہ: ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئی دہلی: ۱۹۹۳ء
۷۳۔ قائم چاندپوری، کلیات قائم، مرتبہ: اقتدا احسن، مجلس ترقی ادب، لاہور: جلد دوم، ۱۹۶۵ء
۷۴۔ قلی قطب شاہ، کلیاتِ قطب شاہ، مرتّبہ: ڈاکٹر سیّدہ جعفر، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی: ۱۹۹۸ء
۷۵۔ قیوم نظر، قلب و نظر کے سلسلے (کلیات)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۸۷ء
۷۶۔ ماہر القادری، کلیاتِ ماہر، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، ادارہ تعمیرِ ادب، لاہور: ۱۹۹۴ء، ص: ۹۲، ۹۳
۷۷۔ محسن کاکوروی، کلیاتِ نعت مولوی محمد محسن، مرتبہ: مولوی محمد نور الحسن، نامی پریس، کانپور: ۱۳۲۳ھ
۷۸۔ مصحفی، شیخ غلام ہمدانی، کلیاتِ مصحفی، دیوانِ اوّل، مرتبہ: ڈاکٹر نور الحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۸ء
۷۹۔ مصحفی، شیخ غلام ہمدانی، کلیاتِ مصحفی، دیوانِ پنجم، مرتبہ: ڈاکٹر نور الحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، س ن
۸۰۔ مصحفی، شیخ غلام ہمدانی، کلیاتِ مصحفی، دیوانِ چہارم، مرتبہ: ڈاکٹر نور الحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۴ء
۸۱۔ مصحفی، شیخ غلام ہمدانی، کلیاتِ مصحفی، دیوانِ دوم، مرتبہ: ڈاکٹر نور الحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۶۹ء
۸۲۔ منیر شکوہ آبادی، سیّد محمد اسماعیل، کلیات منیرؔ، مطبع ثمر ہندی، لکھنؤ: س ن
۸۳۔ منیر شکوہ آبادی، کلیاتِ منیر، مطبع ثمر ہند، لکھنؤ: س ن
۸۴۔ مومن خان مومن، کلیات مومن، کتابی دنیا، کراچی: ۱۹۵۵ء
۸۵۔ مومن خان مومن، کلیاتِ مومن، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۲۰۰۸ء
۸۶۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، مرتبہ: عبدالباری آسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۸۷ء

۸۷۔ میر سوزؔ، کلیات میر سوزؔ، مرتبہ: ڈاکٹر زاہد منیر عامر، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۲۰۰۷ء
۸۸۔ میر تقی میر، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: عبد الباری آسی، سنگ میل، لاہور: ۱۹۸۷ء
۸۹۔ ن۔م راشد، کلیات ن۔م راشد، ماورا پبلشرز، لاہور: س ن
۹۰۔ ناسخ، امام بخش، کلیاتِ ناسخ، (جلد اوّل)، مرتبہ: یونس جاوید، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۸۷ء
۹۱۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر، مطبع نولکشور، لکھنؤ: ۱۲۹۷ء
۹۲۔ ولی دکنی، کلیاتِ ولی دکنی، مرتبہ: نور الحسن ہاشمی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی: ۲۰۰۸ء

دواوین:

۹۳۔ آبروؔ، شاہ مبارک، دیوانِ آبرو، مرتبہ: ڈاکٹر محمد حسن، ادارۂ تصنیف، علی گڑھ: ۱۹۶۹
۹۴۔ امیر مینائی، مرآۃ الغیب، مطبع نول کشور، کانپور: ۱۹۰۴ء
۹۵۔ بیدارؔ، میر محمدی، دیوان بیدار، مرتبہ جلیل احمد قدوائی، ہندوستانی اکیڈمی، الٰہ آباد: یو۔ پی، ۱۹۳۷ء
۹۶۔ تقی عابدی، ڈاکٹر سیّد، دیوان رباعیات انیس، شاہد پبلی کیشنز، نئی دہلی: س ن
۹۷۔ حاتم، شیخ ظہور الدین دیوان زادہ، مرتبہ: عبد الحق، دلی کتاب گھر، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۳۸
۹۸۔ حالیؔ، مولانا الطاف حسین، دیوانِ حالی، اُردو اکادمی، دہلی: ۱۹۸۷ء
۹۹۔ داغ، مرزا خان، آفتابِ داغ، قاسمی پریس، لکھنؤ: ۱۹۰۶ء
۱۰۰۔ داغ، مرزا خان، گلزارِ داغ، نیّر پریس، لکھنؤ: ۱۲۹۶ھ
۱۰۱۔ داغ، مرزا خان، مہتاب داغ، مطبع عزیز دکن، ۱۳۱۰ھ
۱۰۲۔ داغ، مرزا خان، یادگارِ داغ، اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور: ۱۳۲۳ھ
۱۰۳۔ دردؔ، خواجہ میر، دیوانِ دردؔ، مرتبہ: ڈاکٹر نسیم احمد، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی: ۲۰۰۳ء
۱۰۴۔ راسخ عظیم آبادی، دیوانِ راسخ، مرتبہ: ڈاکٹر شکیب ایاز، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ: ۲۰۰۶ء
۱۰۵۔ شہیدی، کرامت علی خان، دیوانِ شہیدی، مطبع اسدی، لکھنؤ: ۱۲۹۰ھ
۱۰۶۔ غالب، مرزا اسد اللہ خاں، دیوانِ غالب، مرتبہ: امتیاز علی خان عرشی، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۲۰۱۱ء
۱۰۷۔ مجروحؔ، میر مہدی، مظہر معانی، مرتبہ: ریاض احمد، مجلس ترقی ادب، لاہور: ۱۹۷۸ء
۱۰۸۔ ملّا نصرتی، دیوانِ نصرتی، مرتبہ: جمیل جالبی: قوسین، لاہور: ۱۹۳۲ء
۱۰۹۔ نظم طباطبائی، دیوانِ طباطبائی، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن: ۱۹۳۳ء

مثنویات:

۱۱۰۔ ابنِ نشاطی، پھول بن، مرتبہ: عبد القادر سروری، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، ۱۳۵۷ھ
۱۱۱۔ ابوالحسن واحد رضوی، معراج نامہ، آستانہ عالیہ، فیض آباد شریف-اٹک: ۲۰۱۳ء
۱۱۲۔ بحری، قاضی محمود، من لگن، مرتبہ: سخاوت مرزا، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی: ۱۹۵۵ء
۱۱۳۔ تسلیم لکھنوی، منشی امیر اللہ، مثنوی تاریخ بدیع، مطبع حسنی، رامپور: س ن
۱۱۴۔ جلیل عالی، نور نہایارستہ، حرف اکادمی، راولپنڈی: ۲۰۱۸ء
۱۱۵۔ دبیرؔ، مرزا سلامت علی، مثنویات دبیر، مرتبہ: ڈاکٹر سیّد تقی عابدی، لاہور: س ن
۱۱۶۔ راسخ عظیم آبادی، مثنویات راسخ، مرتبہ ممتاز احمد، کتبہ صوفی پٹنہ، ۱۹۵۷ء
۱۱۷۔ رستمی، کمال خان، خاور نامہ، مرتبہ: شیخ چاند ابن حسین، ترقی اُردو بورڈ، کراچی: ۱۹۶۸ء
۱۱۸۔ شیخ احمد گجراتی، یوسف زلیخا، مرتبہ: سیّدہ جعفر، اردو اکیڈمی آندھرا پردیش: ۱۹۸۳ء
۱۱۹۔ غالب، مرزا اسد اللہ خاں، مثنویات غالب، مرتبہ: ظ۔ انصاری، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی: ۱۹۸۳ء
۱۲۰۔ غوّاصی، سیف الملوک و بدیع الجمال، مرتبہ: میر سعادت علی رضوی، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، حیدرآباد دکن: ۱۹۳۹ء
۱۲۱۔ غوّاصی، طوطی نامہ، مرتبہ: میر سعادت علی رضوی، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، حیدرآباد دکن: ۱۹۳۹ء
۱۲۲۔ ملّاوجہی، قطب مشتری، مرتبہ: مولوی عبد الحق، انجمن ترقی اُردو (ہند)، نئی دہلی: س ن
۱۲۳۔ ملک خوشنود، جنت سنگار، مرتبہ: پروفیسر سیّد جعفر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی: ۱۹۹۷ء
۱۲۴۔ منیر شکوہ آبادی، سیّد محمد اسماعیل، مثنوی معراج المضامین، مطبع خزینۃ الدرر، لکھنؤ: ۱۲۹۱ھ
۱۲۵۔ مولوی محمد علی محمد، مثنوی آثار محشر، مطبع نول کشور، لکھنؤ: بار پنجم، ۱۸۸۷ء
۱۲۶۔ نصرتی، علی نامہ، مرتبہ: پروفیسر عبد المجید صدیقی، سالار جنگ دکنی پبلشنگ کمیٹی، حیدرآباد دکن: ۱۹۵۹ء
۱۲۷۔ نصرتی، گلشن عشق، مرتبہ: سید محمد ایم۔اے، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، حیدرآباد دکن: س ن، ص: ۱۶
۱۲۸۔ یاسؔ، میر حسین علی، مثنوی سرّ الغیب، مطبع اثنا عشری، لکھنؤ: ۱۳۰۷ھ

کتبِ معاون و شعری مجموعے:

۱۲۹۔ اصلاح الدین پرویز، صلاح الدین پرویز کے خطوط، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی:۱۹۸۸ء

۱۳۰۔ ابو مخدوم زادہ، قرآن کریم کے سائنسی انکشافات، مشتاق بُک کارنر، لاہور: س ن

۱۳۱۔ ابوالخیر کشفی، سیّد، نسبت، اقلیم نعت، کراچی:۱۹۹۹ء

۱۳۲۔ اثر بدایونی، معراجِ حضور، مطبع نامی، کانپور:۱۳۲۸ھ

۱۳۳۔ اثر صہبائی، بامِ رفعت، اکادمی پنجاب، لاہور:۱۹۵۴ء

۱۳۴۔ احمد رضا خان بریلوی، حدائقِ بخشش، مکتبہ المدینہ، کراچی:۲۰۱۲ء

۱۳۵۔ احمد ندیم قاسمی، دشتِ وفا، اساطیر، لاہور:۲۰۰۰ء

۱۳۶۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ادبیاتِ عالم میں سیر افلاک کی روایت، لاہور: اردو اکیڈمی، ۲۰۰۶ء

۱۳۷۔ اشفاق احمد غوری، صراطِ حسّان، دھنک نعت مطبوعات، لاہور: س ن

۱۳۸۔ افتخار احمد صدیقی (مترجم)، شذراتِ فکر اقبال، مجلس ترقی ادب، لاہور: طبع سوم ۲۰۱۶ء

۱۳۹۔ افضل خاکسار، نویدِ بخشش، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۰۷ء

۱۴۰۔ اقبال سہیل، ارمغانِ حرم، مرکز ادب جہانگیر آباد پیلس، لکھنؤ:۱۹۶۰ء

۱۴۱۔ اقبال عظیم، زبورِ حرم، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۸ء

۱۴۲۔ اکبر حیدری کاشمیری، ڈاکٹر، میر ضمیر۔ تحقیقی مطالعہ، مکتبہ ادبستان، سری نگر:۱۹۷۲ء

۱۴۳۔ اکبر وارثی، باغ کلامِ اکبر، کشمیری بازار، لاہور: س ن

۱۴۴۔ امجد اسلام امجد، اسباب، جہانگیر بکس، لاہور: س ن

۱۴۵۔ امجد اسلام امجد، ساتواں در، ماورا پبلشرز، لاہور: س ن

۱۴۶۔ امیر مینائی لکھنوی، محامد خاتم النّبیین، مطبع دار المطابع، حیدر آباد دکن:۱۸۷۲ء

۱۴۷۔ امین حزیں سیالکوٹی، گلبانگ حیات، اُردو اکیڈمی پنجاب، لاہور:۱۹۴۰ء

۱۴۸۔ انجم نیازی، نئی صدی نئی نعت، مرتبہ: خورشید ربانی، اسلام آباد:۲۰۱۳ء

۱۴۹۔ انیسؔ، میر ببر علی، گلدستۂ انیس، مرتبہ: سیّد صغیر حسین نقوی، اردو پبلشرز، پٹنہ:۱۹۷۶ء

۱۵۰۔ آفتاب کریمی، قوسین، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۰۵ء

۱۵۱۔ البصری، ابو عبداللہ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، (مترجم: علامہ عبداللہ العماوی)، کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۳ء

۱۵۲۔ بہزاد لکھنوی، بیانِ حضورؐ، ساقی بک ڈپو، دہلی:۱۹۴۲ء

۱۵۳۔ پروفیسر اقبال عظیم، زبورِ حرم، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۸ء

۱۵۴۔ تبسم قادری، درود پڑھتے ہوئے، چشتی کمپوزر، فیصل آباد:۲۰۰۹ء

۱۵۵۔ جلیل عالی، نور نہایا رستہ، حرف اکادمی، راولپنڈی:۲۰۱۸ء
۱۵۶۔ جلیل مانک پوری، معراج سخن، نظامی پریس، لکھنؤ:۱۳۴۷ھ
۱۵۷۔ جیلانی کامران، ہمارا ادبی و فکری سفر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور: س ن
۱۵۸۔ حزیں صدیقی، حرفِ ابد، بزمِ ضیائے ادب، ملتان:۱۹۹۶ء
۱۵۹۔ حسن رضا خان بریلوی، ذوقِ نعت، مکتبہ رضویہ، ۱۳۲۶ھ
۱۶۰۔ حسینی شاہد، شاہ معظم، ڈاکٹر، انجمن ترقی اردو، آندھرا پردیش: حیدرآباد: دسمبر ۱۹۷۸ء
۱۶۱۔ حفیظ جالندھری، نغمہ راز، مکتبہ یادگار، لاہور:۱۹۷۴ء
۱۶۲۔ حلیم حازق، اصولِ نعت گوئی، مغربی بنگال:۲۰۰۵ء
۱۶۳۔ حمید صدیقی، گلبانگِ حرم، نامی پریس، لکھنؤ:۱۹۴۱ء
۱۶۴۔ حنیف اسعدی، آپؐ، اقلیم نعت، کراچی:۱۹۹۶
۱۶۵۔ حنیف نازش قادری، نعت ہوئی، انٹرنیشنل نعت مرکز، لاہور:۲۰۱۹ء
۱۶۶۔ خلیل الرحمٰن داؤدی (مرتب)، اُردو کی قدیم منظوم داستانیں، مجلس ترقی ادب لاہور:۱۹۶۷ء
۱۶۷۔ راجا رشید محمود (مرتب)، نعت کائنات (اصنافِ سخن نمبر)، جنگ پبلشرز، لاہور:۱۹۹۳ء
۱۶۸۔ راجا رشید محمود، صلوٰۃ نعت، یو ایم ٹی پریس، لاہور:۲۰۱۷ء
۱۶۹۔ راجا رشید محمود، مدیح سرکارؐ، مکتبہ ایوانِ نعت، ۱۴۱۸ھ
۱۷۰۔ راجا رشید محمود، ورفعنا لک ذکرک، مکتبہ عالیہ، لاہور:۱۹۹۳ء
۱۷۱۔ راغب مراد آبادی، مدحت خیر البشرؐ، ایجوکیشنل پریس، کراچی:۱۹۷۹ء
۱۷۲۔ راقم دہلوی، خواجہ قمر الدین، مرقعِ نعت، مطبع نظام المطابع، حیدر آباد دکن: س ن
۱۷۳۔ رشید حسن خان، تلاش و تعبیر، دہلی اُردو اکادمی، دہلی:۱۹۸۸ء
۱۷۴۔ رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر، اقبال کا تصور زمان و مکاں اور دوسرے مضامین، مجلس ترقی ادب، لاہور:۲۰۱۴ء
۱۷۵۔ رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر، اردو میں نعتیہ شاعری، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی:۱۹۷۶ء
۱۷۶۔ رواںؔ، سیّد ہادی علی، بوستانِ نعت، مطبع حقانی، دہلی:۱۳۲۴ھ
۱۷۷۔ ریاض حسین زیدی، سیّد، جمالِ سیّدِ لولاک، ادب سرائے، ساہیوال، ۲۰۰۰ء
۱۷۸۔ ریاض حسین زیدی، سیّد، ذکرِ شہِ والا، الاشراق پبلی کیشنز، لاہور:۱۴۳۲ھ
۱۷۹۔ ستار طاہر، دنیا کی سو عظیم کتابیں، کاروانِ ادب، ملتان:۱۹۸۹ء
۱۸۰۔ سرشار صدیقی، میثاق، حرا فاؤنڈیشن، کراچی:۲۰۰۲ء
۱۸۱۔ سیّد محمد جعفری، نعت کائنات، اصنافِ سخن نمبر، جنگ پبلشرز، لاہور:۱۹۹۳ء
۱۸۲۔ سیماب اکبر آبادی، سازِ حجاز، سیماب اکیڈمی، پاکستان، س۔ن

۱۸۳۔ شاد عظیم آبادی، ظہورِ رحمت، رحمانی پریس، پٹنہ:۱۹۲۹ء
۱۸۴۔ شاد عظیم آبادی، میخانۂ الہام، مرتبہ:حمید عظیم آبادی، مطبوعہ برقی مشین پریس، پٹنہ:۱۹۳۸ء
۱۸۵۔ شاکر القادری نظامی، چراغ، فروغِ نعت اکادمی، اٹک، ۲۰۱۶ء
۱۸۶۔ شاہد نقوی، صراط و سلسبیل، ادارۂ تقدیس علم، کراچی:۱۹۹۲ء
۱۸۷۔ شبنم رومانی، عطرِ خیال، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۷ء
۱۸۸۔ شفیع دہلوی، خواجہ محمد، شرح دیوانِ درد، دہلی ۱۹۴۱ء
۱۸۹۔ شمس بخاری، سیّد، جمالِ محمد، ادارہ اشاعت تفسیر، کراچی:۱۳۰۴ھ
۱۹۰۔ شہزاد احمد، ادھ کھلا دریچہ، اردو ڈائجسٹ پرنٹرز، لاہور:۱۹۷۷ء
۱۹۱۔ شہزاد مجدّدی، مولانا، نغماتِ ثنا، کراچی:۱۹۸۴ء
۱۹۲۔ شوذب کاظمی، نئی صدی نئی نعت، مرتبہ:خورشید ربّانی، ۲۰۱۳ء
۱۹۳۔ صابر ظفر، اک تری یاد رہ گئی باقی، دانیال، کراچی:۱۹۹۸ء
۱۹۴۔ صادق حسین سیّد، غبار دہلوی، قصائد، نعتیہ، نامی پریس، کانپور:۱۹۱۶ء
۱۹۵۔ صبا اکبر آبادی، دستِ دعا، جہانِ حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء
۱۹۶۔ صبیح الدین رحمانی، سیّد، اردو نعت کی شعری روایت، اکادمی بازیافت، کراچی:۲۰۱۶ء
۱۹۷۔ صبیح الدین رحمانی، سیّد، اُردو نعت میں تجلیاتِ سیرت، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۵ء
۱۹۸۔ صبیح رحمانی (مرتب)، اُردو نعت کی شعری روایت، اکادمی بازیافت، کراچی:۲۰۱۶ء
۱۹۹۔ صبیح رحمانی (مرتب)، غالب اور ثنائے خواجہ، ادارہ یادگارِ غالب، کراچی:۲۰۱۶ء
۲۰۰۔ صفوت علی صفوت، سوادِ حُور، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی:۲۰۰۷ء
۲۰۱۔ صہبا اختر، اقرا، مکتبہ ندیم، کراچی:۱۹۸۱ء
۲۰۲۔ ضیاء القادری بدایونی، نغمۂ ربانی، عثمانی پریس، بدایون:۱۹۳۹ء
۲۰۳۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، اسلام اور جدید سائنس، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور:۲۰۰۱ء
۲۰۴۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، فلسفہ معراج النبیؐ، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور:۲۰۰۰ء
۲۰۵۔ طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر، اردو کی نعتیہ شاعری، دانش اکیڈمی، بہار:۱۹۷۴ء
۲۰۶۔ ظفر شارب، کاسۂ فکر علی محتشم، لاہور:س ن
۲۰۷۔ ظفر علی خان، مولانا، بہارستان، اُردو اکیڈمی پنجاب، ۱۹۳۷ء
۲۰۸۔ عابد سیال، بے ستون، پریمئر پریس، راولپنڈی:۲۰۱۴ء
۲۰۹۔ عابد علی عابد، سیّد، تلمیحات اقبال، مکتبہ جدید پریس، لاہور:۱۹۸۵ء
۲۱۰۔ عارف اکبر آبادی، عرفانیاتِ عارف، کراچی:۲۰۰۷ء

۲۱۱۔ عاصی کرنالی، جشنِ خزاں، آئینۂ ادب، لاہور:۱۹۶۸ء
۲۱۲۔ عاصی کرنالی، حرفِ شیریں، اکادمی فروغ نعت گوجرانوالا، ۱۹۹۳ء
۲۱۳۔ عبدالسلام، ڈاکٹر، نعتیہ ادب مسائل ومباحث، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۹ء
۲۱۴۔ عبدالعزیز خالد، زنجیرِ رم آہو، شیخ غلام علی اینڈ سنٹر، لاہور: بار سوم ۱۹۷۴ء
۲۱۵۔ عدم، عبدالحمید، بربط و جام، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور:۱۹۸۶ء
۲۱۶۔ عرفان صدیقی، شہرِ ملال، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی:۲۰۱۶ء
۲۱۷۔ عزیز احسن، ڈاکٹر، نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۵ء
۲۱۸۔ عزیز لکھنوی، انجم کدہ، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ:۱۹۵۵ء
۲۱۹۔ عزیز لکھنوی، گُل کدہ، صدیق بک ڈپو، لکھنؤ:۱۹۳۱ء
۲۲۰۔ عزیز لکھنوی، میرزا محمد ہادی، صحیفۂ ولا، لکھنؤ:۱۹۳۰
۲۲۱۔ عشرت حسن انور، ڈاکٹر، اقبال کی مابعد الطبعیات، مترجمہ: ڈاکٹر شمس الدین صدیقی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور:۱۹۸۸ء
۲۲۲۔ عمر چھاپرہ، محمد، مسلم تہذیب، مترجمہ: محمد ذکی کرمانی، ایویروز اکیڈمی، علی گڑھ:۲۰۱۵ء
۲۲۳۔ عمیق حنفی، صلصلۃ الجرس، مکتبہ شعر وحکمت، حیدرآباد:۱۹۷۱ء
۲۲۴۔ غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر، اقبال اور قرآن، اقبال اکادمی، پاکستان:، ۱۹۸۸ء
۲۲۵۔ فراق گورکھپوری، جہانِ فراق، مرتبہ: تاج سعید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور:۱۹۹۱ء
۲۲۶۔ فراق گورکھپوری، رمز و کنایات، سنگم پبلشنگ ہاؤس، الٰہ آباد:، ص:۷، ۱۹۴۷ء
۲۲۷۔ فرمان فتحپوری، اُردو کی نعتیہ شاعری، حلقہ نیاز و نگار، کراچی:۱۹۷۴ء
۲۲۸۔ فضل کریم، پروفیسر ڈاکٹر، قرآن حکیم کے معجزات، فیروز سنز، لاہور:۲۰۰۵ء
۲۲۹۔ قاسم نانوتوی، مولانا محمد، قصائد قاسمی، مطبع مجتبائی، ۱۳۰۹ھ
۲۳۰۔ قمر انجم، حسنت جمیع خصالہ، پاکستان نعت کونسل، کراچی:۱۹۸۵
۲۳۱۔ قمر یزدانی، ساغرِ کوثر، مکتبہ اشرفیہ، شیخوپورہ:۱۹۸۸ء
۲۳۲۔ قیصر بارہوی، بارگاہ، بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، لاہور:۱۹۹۲ء
۲۳۳۔ کاشف عرفان، نعت اور جدید تنقیدی رجحانات، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۶ء
۲۳۴۔ کافی، مولوی کفایت علی، معراج نامہ، مطبع نول کشور، ۱۸۸۵ء
۲۳۵۔ کلیم عثمانی، ماہِ حرا، طوبیٰ پبلشرز، لاہور:۲۰۰۱ء
۲۳۶۔ گوپی چند نارنگ، سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی:۱۹۸۶ء
۲۳۷۔ الم مظفر نگری، سدرہ و طوبیٰ، الجمعیۃ پریس، دہلی:۱۹۵۶ء
۲۳۸۔ ماجد صدیقی، سخناب، اپنا ادارہ، راولپنڈی:۱۹۸۷ء

۲۳۹۔ ماہر القادری، سازو آہنگ، مکتبہ قصر الادب، ۱۹۴۱

۲۴۰۔ محسن احسان، سخن سخن مہتاب، اے پی ایس، پشاور:۲۰۰۵ء

۲۴۱۔ محمد اعجاز الحق، اقبال اور سائنسی تصورات، بزمِ اقبال، لاہور:۲۰۱۶ء

۲۴۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، (مترجم: سید نذیر نیازی)، لاہور: بزمِ اقبال کلب روڈ، ۱۹۸۶ء

۲۴۳۔ محمد نور بخش، سید، معراجیہ، (مترجم) غلام حسن حسنو، بلتستان: ہارون بکس، ۲۰۱۲ء

۲۴۴۔ مراثی انیس مرحوم، جلد دوم، اودھ پبلشنگ ہاؤس، لکھنؤ:۲۰۰۴ء

۲۴۵۔ مسعود چشتی، بارشِ انوار، راغب مراد آبادی اکیڈمی، ۲۰۰۰ء

۲۴۶۔ مضطر خیر آبادی، الہامات، ۱۹۳۴ء

۲۴۷۔ مظفر وارثی، اُمّی لقبی، علم و عرفاں پبلشرز، لاہور:۲۰۰۰ء

۲۴۸۔ مظفر وارثی، بابِ حرم، القمر انٹر پرائزز، لاہور: س ن

۲۴۹۔ مظفر وارثی، میرے اچھے رسولؐ، القمر انٹر پرائزز، لاہور:۱۹۹۶ء

۲۵۰۔ مظفر وارثی، نورِ ازل، القمر انٹر پرائزز، لاہور: ۱۹۹۲ء

۲۵۱۔ مظہر الدین، حافظ، تجلیات، حریمِ ادب، راولپنڈی:۱۹۹۳ء

۲۵۲۔ مظہر الدین، حافظ، میزاب، راولپنڈی:۱۹۹۶ء

۲۵۳۔ مقصود علی شاہ، مطافِ حرف، دھنک مطبوعات، لاہور:۲۰۱۹ء

۲۵۴۔ ممنون، میر نظام الدین، مختار اشعار، انتخاب از مولوی سیّد حسین بلگرامی، مطبع مفید عام، آگرہ: ۱۸۹۶ء

۲۵۵۔ نصیر الدین ہاشمی، دکھنی کے تحقیقی مضامین، آزاد کتاب گھرت، دلّی:۱۹۶۳ء

۲۵۶۔ نظم طباطبائی، سیّد حیدر علی، نظم طباطبائی جزو اوّل، رضوی پرنٹرز، حیدر آباد: س ن

۲۵۷۔ نور احمد قادری، حافظ، متاعِ نور، بیلا پبلی کیشنز، اسلا آباد: س ن

۲۵۸۔ نور الحسن نور، ثنا کی نکہتیں، فتحپور۔انڈیا:۲۰۱۹ء

۲۵۹۔ نور الحسن نور، سیّد، قلزمِ نور، یو۔پی انڈیا:۲۰۱۸ء

۲۶۰۔ نور الحسن نور، سیّد، گلاب اسم نبیؐ کی خوشبو، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی:۲۰۱۹ء

۲۶۱۔ نور الحسن نور، سیّد، نعتوں کے دیے، ص:۱۰۲

۲۶۲۔ ہلال جعفری، معراج مصطفیؐ، دانشکدۂ اوصاف، ملتان:۱۹۶۶ء

۲۶۳۔ واصف علی واصف، شبِ چراغ، کاشف پبلی کیشنز، س ن

۲۶۴۔ وزیر آغا، نردبان، مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا:۱۹۷۹ء

۲۶۵۔ وفاؔ، شیخ عبد القادر، گلزار احمدی در نعت، مطبع محمدی، بمبئی: ۱۳۰۳ھ

لغات و انسائیکلوپیڈیاز:

۱۔ ابنِ منظور، الافریقی، المصری، لسان العرب (المجلد الثانی)، بیروت: دار صادر، س ن
۲۔ اشفاق احمد، فرہنگِ اصطلاحات (جلد اول)، لاہور: اردو سائنس بورڈ، س ن
۳۔ بدخشانی، مرزا مقبول بیگ، اُردو لغت، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۸ء
۴۔ بلیاوی، عبد الحفیظ، ابو الفضل، مولانا، مصباح اللغات (عربی-اُردو)، لاہور: المیزان، ۲۰۰۴ء
۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی لغت، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۱۹۹۴ء
۶۔ الزبیدی، محمد مرتضیٰ، الحسینی، السیّد، تاج العروس (الجزء السادس)، مطبعہ حکومت الکویت: ۱۹۶۹ء
۷۔ سیّد احمد دہلوی، مولوی، فرہنگِ آصفیہ (جلد دوم)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء
۸۔ عبد الحمید، خواجہ، جامع اللغات (جلد دوم)، لاہور: اُردو سائنس بورڈ، س ن
۹۔ عبد العزیز مینگل، پروفیسر، زبانی لغت، لاہور: اردو سائنس بورڈ
۱۰۔ فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، لبنان: موٗسسہ رسالہ بیروت، س ن
۱۱۔ فیروز اللغات (عربی-اُردو)، لاہور: فیروز سنز، س ن
۱۲۔ کیرانوی، وحید الزمان قاسمی، مولانا، القاموس الجدید (عربی-اُردو)، لاہور: ادارہ اسلامیات، جون ۱۹۹۰ء
۱۳۔ مفتی محمد شفیع، مولانا، المنجد (عربی-اُردو)، کراچی: دار الاشاعت، س ن
۱۴۔ وارث سرہندی، علمی اُردو لغت، لاہور: علمی کتب خانہ، ۱۹۸۳ء
۱۵۔ وارث سرہندی، قاموس مترادفات، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۶ء
۱۶۔ ولیم ایل اینگر، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء

رسائل و جرائد:

۱۔ ادبیات، سہ ماہی نعت نمبر، شمارہ: ۱۰۱، ۲۰۱۴ء
۲۔ ادبیات، سہ ماہی، نعت نمبر
۳۔ اوراق، لاہور: شمارہ خاص ۱۹۶۶ء
۴۔ پاکستانی ادب ۱۹۹۱ء، انتخاب: شعر، اکادمی ادبیات پاکستان: ۱۹۹۲ء

۵۔ پاکستانی ادب ۱۹۹۲ء، حصہ شعر، اکادمی ادبیات، پاکستان:۱۹۹۳ء
۶۔ تسطیر، سہ ماہی، لاہور: اکتوبر ۲۰۰۱ء تا مارچ ۲۰۰۳ء
۷۔ جہانِ نعت (قصیدۂ معراج نمبر)، شمارہ ۱۰، حیدرآباد-دکن:۲۰۱۶ء
۸۔ چہار سو، وزیر آغا نمبر، شمارہ ۱۸، راولپنڈی: جنوری ۱۹۹۴ء
۹۔ دبستان نعت، انڈیا: شمارہ نمبر ۲، جنوری، دسمبر ۲۰۱۷ء
۱۰۔ دریافت، شمارہ: ۱۲، جنوری ۲۰۱۳ء، یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
۱۱۔ دھنک رنگ (نعت نمبر)، شمارہ:۳، نایاب پبلشرز، اٹک:۲۰۱۹ء
۱۲۔ فروغ نعت، شمارہ ۹، اٹک:۲۰۱۵ء
۱۳۔ فکر و نظر، ماہنامہ، اسلام آباد: سیرت نمبر، ۱۹۷۶ء،
۱۴۔ فنون، جدید غزل نمبر
۱۵۔ کاغذی پیر ہن (وزیر آغا نمبر)، ماہنامہ، لاہور:۲۰۰۹ء
۱۶۔ ماہِ نور، چالیس سالہ مخزن، ۱۹۸۱ء
۱۷۔ نعت رنگ، شمارہ ۱، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: اپریل ۱۹۹۵ء
۱۸۔ نعت رنگ، شمارہ: ۰۶، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ستمبر ۱۹۹۸ء
۱۹۔ نعت رنگ، شمارہ: ۹، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: مارچ ۲۰۰۰ء
۲۰۔ نعت رنگ، شمارہ: ۱۰، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ستمبر ۲۰۰۰ء
۲۱۔ نعت رنگ، شمارہ: ۱۱، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: مارچ ۲۰۰۱ء
۲۲۔ نعت رنگ، شمارہ: ۱۲، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: اکتوبر ۲۰۰۱ء
۲۳۔ نعت رنگ، شمارہ: ۱۳، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: دسمبر ۲۰۰۲ء
۲۴۔ نعت رنگ، شمارہ: ۱۵، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: مئی ۲۰۰۳ء
۲۵۔ نعت رنگ، شمارہ: ۱۶، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: فروری ۲۰۰۴ء
۲۶۔ نعت رنگ، شمارہ: ۱۷، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: نومبر ۲۰۰۴ء
۲۷۔ نعت رنگ، شمارہ: ۱۸، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: دسمبر ۲۰۰۵ء
۲۸۔ نعت رنگ، شمارہ: ۱۹، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: دسمبر ۲۰۰۶ء
۲۹۔ نعت رنگ، شمارہ: ۲۲، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: ستمبر ۲۰۱۱ء
۳۰۔ نعت رنگ، شمارہ: ۲۳، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: اگست ۲۰۱۲ء
۳۱۔ نعت رنگ، شمارہ: ۲۴، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: جولائی ۲۰۱۴ء
۳۲۔ نعت رنگ، شمارہ: ۲۵، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: اگست ۲۰۱۵ء

۳۳۔ نعت رنگ، شمارہ:۲۹، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی: اکتوبر ۲۰۱۹ء
۳۴۔ نعت کائنات، اصنافِ سخن نمبر، جنگ پبلشرز، لاہور: ۱۹۹۳ء
۳۵۔ نعت، ماہنامہ، لاہور: جلد ۴، شمارہ ۷، ۱۹۹۱ء
۳۶۔ نعت، ماہنامہ، معراج النبیؐ نمبر، لاہور: شمارہ:۳، جلد ۴، مارچ ۱۹۸۹ء
۳۷۔ نقوش، اقبال نمبر، ۱۹۷۷ء
۳۸۔ نقوش، غزل نمبر، طبع چہارم، ادارہ فروغِ اُردو، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۵ء

فہارس:

۱۔ افسر صدیقی امروہوی، مخطوطات انجمن ترقی اُردو، جلد ششم، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی: س ن
۲۔ مشفق خواجہ جائزہ مخطوطات اُردو، جلد اوّل، لاہور: مرکزی اُردو بورڈ، ۱۹۷۹ء
۳۔ نصیر الدین ہاشمی، اُردو کی قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست، حیدر آباد دکن: مطبع ابراہیم، س ن